حج و عمرہ اور زیارتِ حرمین کے احکام و مسائل

سوئے حرم

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

حج وعمرہ اور زیارتِ حرمین کے احکام ومسائل

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

ناشر

مکتبہ کتاب وسنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

ام القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ
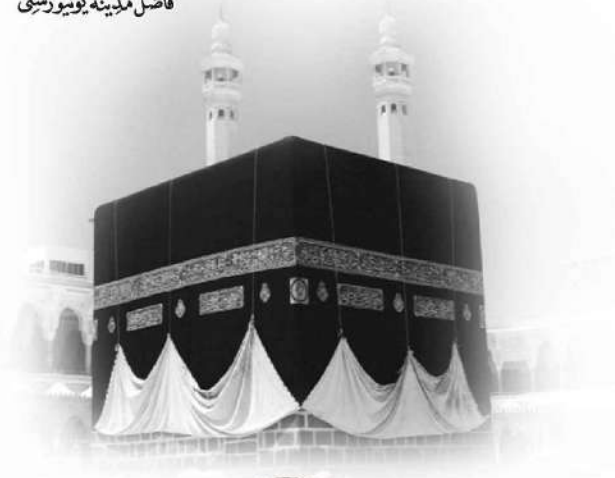
تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

طبع اول: ———— 1990ء، حیدر آباد، انڈیا
طبع دوم: ———— 1995ء مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ
طبع سوم: ———— 2003ء، مکتبہ ترجمان دہلی
طبع چہارم: ———— نومبر 2011ء
کمپوزنگ: ———— عدنان قمر سلمہ اللہ
سیٹنگ: ———— ابوسفیان عزیزی
تعداد: ———— 1100

ناشر

مکتبہ کتاب وسنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

اُم القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

0333-8110896 . 0321-6466422

فہرس

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَعَلٰى آلِهٖ، وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ :

حج اسلام کا عظیم الشان رکن اور اکثر شعائر الاسلام کا جامع ہے۔ انسانیت کو رنگ ونسل اور اونچ نیچ کے بھید بھاؤ سے دور کرکے اخوت و بھائی چارگی، محبت ومودّت اور امن و شانتی کے علاوہ عظیم مساوات کا علمبر دار اور بہترین ذریعہ ہے۔ اس کا ہر رکن اور ہر عمل انسان کے مقصدِ حیات کو سمجھنے اور اسے اس میں کامیاب ترین بنانے میں ترقی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس کا منکر اللہ کا باغی قرار پاتا ہے اور طاقت ووسعت کے باوجود اس کو انجام نہ دینے والا مومن والی موت سے بھی محروم رہتا ہے۔

مقبول ومبرور حج انسان کو نئی روحانی زندگی عطا کرتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اس لیے انسانیت کے سب سے بڑے ہمدرد اور راہنما رحمۃ للعالمین ﷺ نے نماز کے بعد اس عبادت کو خاص طور پر آپ ﷺ سے سیکھنے کی تلقین کی اور فرمایا:

«خُذُوا عَنِّيْ مَناسِكَكُمْ» (سنن البيهقي: ٥/ ١٢٥)

''تم لوگ حج کے احکام ومسائل مجھ سے سیکھو۔''

اس حکم کی تعمیل میں امت کے علماء کرام نے اس عظیم عبادت کے احکام ومسائل بیان کرنے کے لیے بے شمار کتابیں تصنیف کرنے کی سعادت حاصل کی

ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

اس موضوع پر ایک اہم کتاب ''سوئے حرم'' بھی ہے جسے موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمارے فاضل دوست، جماعت کے ہونہار، مخلص، غیور سپوت، قلمکار و محقّق اور مصنف فضیلۃ الشیخ جناب مولانا ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ نے تصنیف فرمایا ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر مفید، کارآمد، اہم اور جامع ہے جو مصنف کی عرق ریزی، جانفشانی، وسعتِ مطالعہ اور مسائل پر گہری و ناقدانہ نظر اور بصیرت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جماعت کے ایک دوسرے بڑے محقّق اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی اور اس کے ناقد و خادم فضیلۃ الشیخ جناب حافظ عبدالرؤف عبدالحنان صاحب حفظہ اللہ نے اس میں واردشدہ احادیث کی تخریج و تحقیق فرمائی ہے جس سے اس کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں فاضل غیور اخوان کے علمی ودینی کاموں میں برکت عطا فرمائے اور ان کو دونوں جہان میں بہترین بدلہ دے۔ ہم ان اخوان اور دیگر معاونین کے ساتھ عزیزم مولوی رفیعُ اللہ صاحب تیمی، مولوی محمد احمد خاں صاحب سلفی اور عزیزم محمد ابراہیم صاحب سلفی کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اس کی تصحیح و پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ کا کام انجام دیا۔

امید ہے کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہند کی طرف سے یہ ناچیز پیش کش شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوگی۔

أصغر علی امام مہدی السّلفی

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث، ہند (دہلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبع جدید

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ،وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. أَمَّـا بَعْدُ:

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن حیدرآباد (انڈیا) سے شائع ہوا تھا مگر بعض وجوہات کی بنا پر انتہائی غیر معیاری کاغذ، کتابت اور بائنڈنگ وغیرہ کی وجہ سے اطمینان نہ ہوا، لہٰذا اسے دوبارہ پاکستان سے چھپوانا شروع کیا۔ اور اب حال ہی میں ہمارے فاضل دوست جناب مولانا اصغر علی اِمام مہدی سلفی صاحب (ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) سعودیہ کے دورے پر تشریف لائے، جو نظامتِ علیا کا منصب سنبھالنے کے بعد ان کا پہلا دورہ تھا، تو ان میں دین وعقیدہ اور اپنی جماعت کی خدمت کا جذبہ دیکھ کر، اس کتاب کو ان کے ذریعے اب پھر سے مکتبہ ترجمان (دہلی) سے چھپوا دیا ہے ۔ امید ہے کہ اس مرتبہ ہمارے ان فاضل برادران کی وہ شکایات دور ہوگئی ہونگی جن کا انھوں نے اپنے تبصروں میں ذکر فرمایا تھا۔

اس کتاب کی طباعت واشاعت کو بہتر بنانے اور انڈیا سے شائع کرنے کے لیے ہمارے دوست جناب عبداللطیف صاحب (پروپرائیٹر قصر النظارات کنگ خالد

روڈ، الخبر) نے خصوصی تعاون فرمایا تھا جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ فِي الدَّارَيْنِ خَيْراً.

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہند جناب مولانا اصغرعلی اِمام مہدی سلفی صاحب کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی توجہ سے یہ کتاب اب اس موجودہ شکل میں ہندوستان میں پھر سے منظر عام پر آئی ہے۔

اور اب پاکستان سے بھی شائع ہو رہی ہے جس کے لیے ہمارے ساتھ معروف سماجی شخصیت اور مخیّر تاجر جناب انجینئر محمد طارق برلاس حفظہ اللہ (الطّویرقی گروپ آف کمپنیز) نے تعاون کیا ہے۔

وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاهُ لِمَا فِيهِ خَيْرٌ وَتَقَبَّلَهُ مِنَّا خَالِصاً لِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کتاب کو شرفِ قبول سے نوازے۔ مصنّف ومخرّج اور معاونین کے لیے اسے دنیا وآخرت میں سرخروئی کا ذریعہ بنائے اور یہ کتاب قارئین کرام کے لیے باعثِ راہنمائی ہو۔ آمین [1]

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ ، الخبر
وداعیہ متعاون ، مراکز دعوت وارشاد
الخبر ، الظہران، الدمام
(سعودی عرب)

الخبر ۔ جمعۃ المبارک
۷/ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ
۱۰/ جنوری ۲۰۰۳ء

---

[1] زیرنظر کتاب کی ہندوستان سے اس کمپیوٹرائزڈ طبع جدید کے لیے لکھے گئے اس مقدمہ پر کفایت کرتے ہوئے اس کی پاکستان سے کمپیوٹرائزڈ پرنٹنگ کے لیے کسی نئے مقدمہ سے ہم صرفِ نظر کر رہے ہیں۔
ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین۔ ۴ شعبان ۱۴۲۶ھ ۔ ۷ ستمبر ۲۰۰۵ء

تبصرہ جات

[۱]

تبصرہ نگار: حافظ صلاح الدین یوسف (مؤلف تفسیر احسن البیان)

مولانا محمد منیر قمر، متحدہ عرب امارات کی ایک ریاست ام القیوین میں وہاں کی عدالت میں بطورِ مترجم سروس کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعتِ اہل حدیث کے تنظیمی ودعوتی کاموں میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف متحدہ عرب امارات کی جماعتِ اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ریاست کے ریڈیو کی اردو سروس میں ان کے درس وتقریر کا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے جو کئی سالوں سے جاری ہے۔①

ان کی ریڈیائی تقاریر کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک موضوع پر وہ مسلسل خطاب کرتے ہیں جو کئی کئی مہینوں بلکہ سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ جب تک اس موضوع کے تمام پہلو حیطۂ تحریر میں نہیں آجاتے اس وقت تک وہی موضوع ان کی تقریر کا عنوان رہتا ہے۔ اس طرح ہر موضوع پر سیر حاصل بحث بھی ہوجاتی ہے اور موصوف کی ایک کتاب بھی مرتب ہوجاتی ہے۔ اس طرح مولانا موصوف، نماز، صیامِ رمضان، زکوٰۃ اور سیرت وغیرہ کے مختلف موضوعات پر ریڈیو کی مذکورہ اردو سروس میں خطاب فرما چکے ہیں اور انھوں نے ان سب کو کتابی شکل میں مرتب کردیا ہے۔ جن میں سے کچھ کتابیں چھپ چکی ہیں اور کچھ زیرِ طبع ہیں۔

① آج کل مؤلف سعودی عرب میں المحکمہ الکبریٰ، الخبر کے ترجمان ہیں اور ان کے دو پروگرام ''اسلامی زندگی'' اور ''اسلامی عبادات'' سعودی ریڈیو مکہ مکرمہ کی اردو سروس سے ہر جمعرات اور جمعہ ساڑھے تین بجے نشر ہوتے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب بھی ان کی انھیں تقاریر کا مجموعہ ہے جو مسلسل ریڈیو پر فرمائی گئی ہیں اوراب ایک کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ کتاب کا موضوع سرِعنوان سے واضح ہے۔

حج وعمرہ اورقربانی کے احکام ومسائل پراردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتاب اپنی بعض منفرد خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے:

① یہ کتاب قدرے تفصیلی ہے، ہرمسئلے کی دلیل بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

② احادیث کی صحت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور فاضل مصنف نے غیر صحیح اورضعیف احادیث سے بالعموم اجتناب برتا ہے۔

③ جماعت کے معروف عالم جناب حافظ عبدالرؤف صاحب آف شارجہ نے کتاب میں درج تمام احادیث کی تخریج وتحقیق کردی ہے۔

④ ہر بات باحوالہ اورمستند ہے۔

⑤ دورانِ حج پیش آنے والے مسائل ومشکلات کا استیعاب واستقصاء۔ اگرچہ اس کا دعویٰ مصنف نے کیا ہے نہ ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کا علم ہرمصنف کو ہو جائے۔ تاہم اس میں عام طور پر پیش آنے والے مسائل کا اپنی حدتک استقصاء کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں فاضل مصنف خاصے کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فاضل مصنف حفظہ اللہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ بلاشبہ یہ کتاب عوام وخواص، بے علم اور اہلِ علم دونوں کے لیے یکساں ضروری اورمفید ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم فاضل مصنف سے یہ بھی عرض کریں گے کہ وہ اس کے حج وعمرہ سے متعلقہ حصے کا اختصار بھی شائع کر دیں تو عوام کی ایک بہت بڑی

ضرورت بھی پوری ہوجائے گی۔ اوراس سے اس کی افادیت کادائرہ بھی بہت وسیع ہوجائے گا۔[1] وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى.

(ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، جلد :۴۵ شمارہ :۳۱، ۱۶ صفر۱۴۱۴ھ ۱۶/ اگست ۱۹۹۳ء، و ماہنامہ ''البدر'' ساہیوال، زیرادارت سید ضیاء اللہ شاہ بخاری)

[۲]

تبصرہ نگار: مولانا سراج الحق سلفی مدیر ماہنامہ ''الفلاح''

ہر دور کی تصنیفات اپنے زمانے کے مخصوص حالات وواقعات اور تصنیفی رجحان کی نمائندگی کرتی ہیں اوروقت کے ساتھ نئے نئے سانچے میں ڈھلتی رہتی ہیں۔ ماضی قریب میں تحقیقی رجحان حد درجہ کم تھا اور اس دور کے بیشتر مصنفین غیر محقق کتابوں کے ڈھیر لگا دینے کے چکر میں مبتلا تھے، اور وہ واہی تباہی روایات واحادیث سے مملو کتابوں کے ڈھیر لگا گئے اوروہ اپنی سی خدمتِ اسلام کرگئے ۔مگر عصرِ رواں کا تصنیفی رجحان تحقیقی ہے اورسہل پسند مصنفین کے ایک گروہِ مختصر کوچھوڑ کر بیشتر اہلِ علم واہلِ قلم تحقیق واستناد کے بغیر روایات واحادیث کواپنی کتابوں میں جگہ دینے کے قائل نہیں۔

زیرِتبصرہ کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی اورقابلِ رشک حد تک علمی وتحقیقی اور جاندار کتاب ہے۔

تصنیف وتخریج مصنف ومخرج کی داخلی شخصیت اور ان کے احساسات ومیلانات کا عکسِ جمیل ہوتی ہے اور چونکہ اس کتاب کے مصنف ومخرج مولانا محمد منیر قمر سیالکوٹی اورحافظ عبدالرؤف صاحب مدنی حفظہما اللہ ہیں جو جدید ذوقِ تصنیف وتخریج کے

[1] فاضل تبصرہ نگار کی خواہش پر اس کتاب کا اختصار بھی پہلے شارجہ ٹیلیویژن کی اردو سروس سے تقاریر کی شکل میں نشر ہوا اور پھر وہ ''حج مسنون'' کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (ابوعدنان)

نمایاں افراد ہیں۔ اس لیے ہمیں اس کتاب کے ورق ورق پر تصنیف وتخریج کا جدید محققانہ احساس رواں دواں نظر آتا ہے۔

دراصل تصنیف کے لیے موضوع کا انتخاب اور رنگین بیانی نہیں بلکہ جذبے کی صداقت، احساس کی گرمی، موضوع کے مالۂ وماعلیہ پر بحث اورآثار وروایات پر عالمانہ ومحققانہ نظر بنیادی ضرورتیں ہیں، اور زیرِتبصرہ کتاب ان خصوصیات کی حامل ایک نمائندہ کتاب ہے۔

سوئے حرم کسی انوکھے والبیلے موضوع پر نہیں بلکہ حج وعمرہ جیسے فرسودہ وپامال موضوع پر ہے۔ اسلوبِ نگارش بھی عام انداز کا بالکل سیدھا سادہ ہے مگر چونکہ کتاب ایک خاص رنگِ تحقیق لیے ہوئے ہے، جو قاری کو سوچنے اورغورکرنے پراکساتی اور ذہن کے بند دروازوں کو وا کرتی ہے۔ اس لیے بلاشبہ یہ کتاب خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ہونے کی ایک عمدہ مثال اورایک انتباہ ہے مکھی پر مکھی مارنے والے مصنفین اور بے سروپا روایات نقل کرنے والے اہلِ قلم کے لیے!!

سوئے حرم مع اپنی تعلیقات کے جدید طرزِ تصنیف کی نمائندہ ایک خوبصورت اورمعنیٰ آفریں کتاب ہے۔ اس کے مندرجات اورتعلیقات ہر دو سے لکھنے والوں کے خونِ جگر کی سرخی صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں آپ کو جہاں مسائلِ حیات پر عالمانہ ومحققانہ بحثیں ملیں گی۔ انھیں کے پہلو بہ پہلو متعدد مواقع پرآپ کو یہ بھی نظر آئے گا کہ محدّثِ عصر علامہ البانی رحمہ اللہ اور دیگر کئی علمائے محققین کو آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے اور ان کی آراء کوتحقیق کی میزان میں تو لا گیا اور ان کا کھرا کھوٹا ہونا بدلائل واضح کیا گیاہے۔ اور اس کتاب کا یہی وہ خاص امتیاز ہے جس نے اس کے اردگرد ایک دلچسپ انفرادیت کا بہترین ہالہ بنا دیا ہے۔

میں صمیم قلب کے ساتھ مؤلف ومخرج کواس کتاب کی تالیف وتخریج پر ہدیۂ مبارک

باد پیش کرتا ہوں۔ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهُمَا وَتَوَلّٰى جَزَاءَ هُمَا. اَللّٰهُمَّ آمِيْنَ.

سوئے حرم کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ یہ حرف وصوت کا مجموعہ اور ریڈیو متحدہ عرب امارات ام القیوین کی صدائے بازگشت ہے۔ جسے افادۂ عام کی غرض سے ضبطِ تحریر میں لاکر لباسِ حریر میں پیش کردیا گیا ہے۔

یہ کتاب اپنے نام، مواد اور گیٹ اپ ہر سہ اعتبارات سے ایک پسندیدہ کتاب ہے مگر کتاب جس درجہ اہم وخیال انگیز ہے اس کی پروف ریڈنگ کا اس کا عشرِ عشیر بھی اہتمام نہ کیا جاسکا اور کتاب کے مندرجات اور ان میں وارد آثار وروایات میں تشویش ناک حد تک غلطیاں رہ گئی ہیں۔ آئندہ پروف ریڈنگ میں صحت کی طرف غیر معمولی توجہ کی ضرورت ہے۔①

اس معمولی خامی کے ساتھ یہ کتاب اپنے موضوع پر بے حد وقیع اور جاندار ہے، اور اردو خواں طبقے پر اس کتاب کا مناسب خیر مقدم فرض ہے۔ بِيَدِهٖ اَزِمَّةُ الْاَمْرِ وَهُوَ يَهْدِى اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيلِ.

(ماہنامہ ''الفلاح'' بھیکم پور، یوپی (انڈیا) جلد: ۱، شمارہ :۱۱، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ جون ۱۹۹۲ء، و روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد، انڈیا)

[۳]

تبصرہ نگار: مولانا عطاء اللہ خاں (سرپرست ''نوائے اسلام'' دہلی)

زیرِ تبصرہ کتاب شریعتِ اسلامیہ کے اہم ترین مسائل حج وعمرہ پر مشتمل ہے، جو دراصل ریڈیو متحدہ عرب امارات ام القیوین شعبہ اردو کے سلسلۂ منشورات کی کتابی شکل ہے۔ کتاب میں حج وعمرہ وغیرہ ضروری مسائل کو انتہائی حزم واحتیاط اور تحقیق

① اس ایڈیشن میں اس کمی کو دور کرنے کی ممکن حد تک کوشش کی گئی ہے جو آپ کے سامنے ہے، البتہ پہلا ایڈیشن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر ایسا ہی چھپ گیا تھا۔ [مؤلف]

انداز میں جمع کیا گیا ہے جو کہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ یوں تو اس موضوع پر متعدد تصانیف موجود ہیں مگر جامعہ اسلامیہ کے فاضل محقق حافظ عبدالرؤف صاحب نے جملہ مسائل کی انوکھی تحقیق کے ذریعے اس کتاب کو جداگانہ رنگ دے دیا ہے جس پر وہ لائقِ تشکّر ہیں۔

کتاب میں چند مروجہ مسائل کو تحقیق کے سانچے میں ڈھال کر ملتِ اسلامیہ کو صحیح مسائل پر عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

مؤلف حفظہ اللہ نے صفحہ (۸۲) پر پیدل سفرِ حج کے سلسلے میں جن اقوال و احادیث کا ذکر کر کے مسئلہ کو صحیح رخ دیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ یہ کتاب جہاں حج وعمرہ کے جمیع مسائل کو محیط ہے وہیں ملتِ اسلامیہ کی ایک مختصر تاریخ بھی پیش کرتی ہے۔

جانوروں کے ذبیحہ سے متعلق یہ خیال کہ صرف مرد ہی ذبح کر سکتے ہیں، مرتب حفظہ اللہ نے اس قسم کے بہت سارے باطل خیالات کی تردید احادیثِ صحیحہ سے کی ہے۔

منکرینِ قربانی کے اعتراضات کہ قربانی سے جانوروں کی کمی اوران پر بے رحمی کی جاتی ہے، یہی پیسے غرباء ومساکین کو دیے جائیں تو بہتر ہے۔ اس قسم کے بہت سارے شکوک وشبہات اور پراگندہ خیالات کی تردید انتہائی مدلل ومحقق انداز میں کی گئی ہے۔[1]

مراجع ومصادر میں قرآن مجید کے علاوہ (۴۷) کتب کا حوالہ اور ۱۰/ رسائل وجرائد کا بطور مراجع ومصادر ذکر کرنا مؤلف حفظہ اللہ کے وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے۔ تخریج کے لیے (۱۲۷) کتب کا حوالہ بھی کتاب کے محقق ہونے پر دال ہے۔ بہر کیف کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے خوب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف ومرتب، محقق اور ناشر کی

① قربانی کے احکام کے ساتھ مسائلِ عیدین شامل کر کے انھیں الگ کتابی شکل میں پاک و ہند سے طبع کروا دیا گیا ہے۔ تَقَبَّلَهُ اللّٰهُ۔ [مؤلف]

اس سعی جمیل کو قبولیت کا شرف بخشے، اور عوام کو اس کتاب سے کماحقہٗ مستفید ہونے کی توفیق دے۔ آمین

(ماہنامہ ''نوائے اسلام'' دہلی، جلد: ۹ شمارہ ۳، ۴ رمضان، شوال ۱۴۱۲ھ مارچ، اپریل ۱۹۹۲ء)

[٤]

تبصرہ نگار: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم المدنی صاحب

محترم جناب محمد منیر قمر صاحب اردو داں طبقہ کے لیے نئے نہیں ہیں۔ ان کی متعدد تصنیفات منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے مضامین ہندو پاک کے اخبارات ورسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔ آپ ریڈیو ام القیوین سے متعلق ہیں اور دینی معلومات پر مشتمل پروگرام پیش کرتے ہیں۔

سوئے حرم بھی ایک سلسلہ وار نشری تقریر کی کتابی شکل ہے۔ حج بیت اللہ وزیارتِ مسجدِ نبوی ۔علی صاحبه أفضل الصلوٰة والتسليم۔ کے متعلق صرف اردو میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ اور ہر مصنف نے اپنے ذوق کے مطابق ان تفصیلات، واقعات اور احکام ومسائل کو ذکر کیا ہے جو حج ومتعلقاتِ حج سے علاقہ رکھتے ہیں۔

ہمارے محترم جناب محمد منیر قمر صاحب نے اس مضمون کو کچھ اور ہی رخ دیا ہے۔ حج وزیارت ومتعلقات کے موضوع پر نہایت تحقیقی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ کتاب اپنے موضوع پر مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

سترّ اسّی مصادر ومراجع کو کھنگال کر ۲۹۵ عنوانات کے تحت ایک عظیم کتاب ترتیب دی ہے۔ اولاً تو کتاب ہی بہتر اور اچھے ذوقِ تالیف سے مرصع تھی۔ محترم جناب حافظ عبدالرؤف صاحب حفید علامہ حکیم محمد اشرف سندھو کی تخریج وتعلیق کے بعد تو یہ کتاب اردو میں میری نظر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب کی تالیف پر مؤلف جہاں قابلِ مبارک باد ہیں، وہیں مخرج ومعلق بھی لائق صد تحسین ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے باوصف مجھے اپنے محترم مؤلف سے سخت شکایت ہے۔ اور وہ یہ کہ جب نہایت عرق ریزی سے آپ نے یہ کتاب لکھی، محنت وکوشش سے ورق ورق تحقیق کے جوہر لٹائے، پھر کتابت وطباعت میں اس قدر بے اعتنائی کیوں برتی؟ کتاب کے مطالعہ کے درمیان باربار کتابت وطباعت کی فاحش غلطیاں ذوقِ سلیم پرسخت بارِگراں ہیں۔ اگر مؤلف حفظہ اللہ کتاب کی تیاری میں کی گئی محنت کا عُشرِ عشیر بھی اس کی طباعت وپروف ریڈنگ پر صرف کرتے تو کتاب ظاہری ومعنوی خوبیوں سے مالامال ہوجاتی۔

امید ہے کہ موصوف اس سلسلہ میں کسی تجربہ کار کے تجربے سے فائدہ اٹھاکر آئندہ ایڈیشن میں کتاب میں بعض فنی فروگزاشتوں کو دور کر دیں گے اور کتاب کو اس کا اصلی مقام دیں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ مؤلف ومخرّج ومعاونین کوجزائے خیر عطافرمائے اورکتاب کومسلمانوں کے لیے مفید تر بنائے۔آمین

(ہفت روزہ ''جریدہ ترجمان'' دہلی۔انڈیا)

[1] پہلا ایڈیشن حیدرآباد (انڈیا) کے بعض کرم فرماؤں کی ''مہربانی'' کے نتیجے میں اتنا غیر معیاری چھپ گیا تھا جس پر مولانا المدنی سے کہیں بڑھ کرہمیں افسوس ہوا، لیکن ہمیں تب علم ہوا جب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس موجودہ ایڈیشن میں وہ کمی دور کرنے کی بڑی حد تک کوشش کی گئی ہے۔ [مؤلف]

تلبیه

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ

بیشک ہر قسم کی تعریف تیرے لیے اور ہر نعمت تیری دی ہوئی ہے اور تیری ہی بادشاہی ہے۔

لَا شَرِيْكَ لَكَ

تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ،وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. **أَمَّا بَعْدُ:**

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ریڈیو متحدہ عرب امارات، ام القیوین سے شمال اسٹوڈیوز کی اردو سروس میں نشر ہونے والے ہمارے سلسلہ وار پروگرام ''سوئے حرم'' کی یہ کتابی شکل ہے۔جس میں مناسب ترمیم اورمفید اضافے بھی کیے گئے ہیں۔خصوصاً ہمارے فاضل دوست جناب حافظ عبدالرؤف صاحب (فاضل مدینہ یونیورسٹی، مقیم شارجہ) نے ہماری درخواست پرتمام احادیث وآثار کی علمی وتفصیلی تخریج کر کے کتاب کی افادیت کو دوبالا کردیا ہے،جس پر ہم ان کے شکرگزار ہیں۔جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْراً.

اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کوشرفِ قبولیت سے نوازے اوراسے اردو داں طبقہ کے لیے نفع بخش بنائے۔آمین.

تمام قارئین نیز عازمینِ حج وعمرہ اورزائرینِ حرمین شریفین سے استدعا ہے کہ اس کتاب کے مؤلّف ومرتب ،مخرّج ومعلّق اورطابع وناشر کے لیے دعائے خیر وبرکت کرنا نہ بھولیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوعدنان محمدمنیرقمرنواب دین

متحدہ عرب امارات ام القیوین[1]

۱۹ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ، ۱۸نومبر ۱۹۹۸ء

---

(1) حال مقیم: المحکمۃ الشرعیۃ الکبریٰ، الخبر (سعودی عرب)

حج وعمرہ کے بنیادی احکام
کلامِ الٰہی میں

① ﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ١٥٨]

''بیشک صفا ومروہ اللہ کی نشانیاں ہیں، جوکوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اور ان دونوں کے مابین طواف (سعی) کرے تو کوئی بُرا نہیں اور جو کوئی شوق سے نیک کام کرے تو اللہ قدر دان اور جاننے والا ہے۔''

② ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ

فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [البقرة: ١٩٦- ٢٠٣]

''اور اللہ کی خوشنودی کے لیے جب حج وعمرہ کی نیت کرلو تو اسے پورا کرو۔ اوراگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے ، اللہ کی جناب میں پیش کرو ۔ اوراپنے سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ مگر جوشخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہواوراس بنا پر اپنا سر منڈوالے تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یاصدقہ دے

یا قربانی کرے ۔ پھر اگر تمھیں امن نصیب ہوجائے (اورتم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے وہ حسبِ مقدور قربانی دے اوراگر قربانی میسر نہ ہوتو تین روزے حج کے زمانے میں اورسات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے ۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی سے بچواورخوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں ، جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔ اورجو نیک کام تم کروگے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ اورسفر حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اورسب سے بہتر زادِ راہ پرہیز گاری (بھیک سے بچنا) ہے۔ پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔ اور اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ پھر جب عرفات سے چلوتو مشعرالحرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرواور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے ۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم بھٹکے ہوئے تھے۔ پھر جہاں سے دوسرے سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں (عرفات) سے تم بھی پلٹو اور اللہ سے معافی چاہو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے تھے، اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لوگوں میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب!

ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمھیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہییں۔ پھر جو کوئی جلدی کرکے دو ہی دن میں (منیٰ سے) واپس ہوگیا تو کوئی حرج نہیں، اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر (تیسرے دن) پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے ساتھ گزارے ہوں، اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب جان رکھو کہ ایک روز اس کے حضور تمھاری پیشی ہونے والی ہے۔''

③ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[آل عمران : ٩٦- ٩٧]

''بیشک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ابراہیم کا مقامِ عبادت ہے، اور اس کا یہ حال ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق (فرض) ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں وہ اس کا حج کریں اور جو کوئی اس کی

پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہوجانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

④ ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: ۱، ۲]

''اے ایمان والو! اللہ کے احکام کو پورا کرو، تمہارے لیے چار پائے جانور حلال ہیں سوائے ان کے جو (آگے) تم کو پڑھ کر سنائے جارہے ہیں۔ مگر جب (حج یا عمرہ کا) احرام باندھے ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں (اور اس کے احکام) کی بے حرمتی مت کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی نہ قربانی (ہدی) کے جانور کی نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں قلادے ہوں نہ ان لوگوں کی جو حرمت والے گھر (بیت اللہ) کو جا رہے ہوں، اپنے رب کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہوں۔ اور جب احرام کھول لو تو شکار کرو اور جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام (سال حدیبیہ) میں آنے سے روکا تھا ان کی دشمنی تم سے زیادتی نہ کرائے اور نیکی و پرہیزگاری کے امور

میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ وظلم کے امور میں مدد مت کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔''

⑤ ﴿يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾

[المائدة: ٩٤۔ ٩٩]

''اے ایمان والو! اللہ تمھیں اس شکار کے ذریعے سے سخت آزمائش میں ڈالے گا جو بالکل تمھارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہوگا، یہ دیکھنے کے لیے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ پھر جس نے اس

تنبیہ کے بعد اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ فدیہ کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا پھر اس گناہ کے کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا، لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا، جہاں تم ٹھہرو وہاں اسے کھا سکتے ہو اور قافلہ وسفر کے لیے زادِ راہ بھی بنا سکتے ہو البتہ خشکی کا شکار کرنا جب تک تم احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے پس اللہ کی اس نافرمانی سے بچو جس کی پیشی میں تم سب کو گھیر کر حاضر کیا جائے گا۔ اللہ نے مکانِ محترم، کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہِ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی (اس کام میں معاون بنا دیا) تاکہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے سب حالات سے باخبر ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ خبردار ہو جاؤ، اللہ سزا دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بہت درگزر کرنے اور رحم کرنے والا بھی ہے۔ رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، آگے تمھارے کھلے اور چھپے سب حالات کا جاننے والا اللہ ہے۔''

6 ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۝ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾ [الحج: ۲۵۔ ۲۹]

’’جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس مسجدِ حرام کی زیارت میں مانع ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے جس میں مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں۔ اور اس مسجدِ حرام میں جو بھی راستے سے ہٹ کر الحاد وظلم کا طریقہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ابراہیم کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں۔ اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔ خود بھی کھائیں اور تنگ

دست محتاج کو بھی کھلائیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اوراپنی نذریں پوری کریں اوراس قدیم گھر کا طواف کریں۔'' (یہ تھا تعمیرِ کعبہ کا مقصد)

⑦ ﴿ ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۝ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

[الحج : ۳۲۔ ۳۷]

''یہ تو ہوا، اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ ان (قربانی) کے جانوروں سے تم کو ایک معین مدت تک فائدے ہیں پھر ان کا ٹھکانا پرانے گھر (خانہ کعبہ) کی طرف ہے۔ اور ہر قوم کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ (یا عید وعبادت کادن) ٹھہرادیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اس نے انھیں دیے ہیں (ہدی وقربانی کو ذبح کرتے وقت) ان پر اللہ کانام لیں۔تو (اے لوگو!)

تمھارا معبود وہی ایک ہے اس کے تابعدار رہو اور (اے پیغمبر!) عاجزی کرنے والوں کو (ہماری رضا وجنت کی) خوشخبری دے دو۔ جن کے دل اللہ کا نام لیتے ہی ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے وہ اس سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے اللہ کے نام کی ادب والی چیزوں میں سے بنایا ہے ان میں تمھارا (دین ودنیا کا) فائدہ بھی ہے۔ ان پر جب وہ (نحر کے وقت) پاؤں بندھے کھڑے ہوں، اللہ کا نام لو اور جب وہ کروٹوں پر گر کر (ٹھنڈے ہوجائیں) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے فقیر اور مانگنے والے فقیر کو بھی کھلاؤ ہم نے اس طرح ان جانوروں کو تمھارے بس میں کردیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کو نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون بلکہ اسے تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے، اللہ نے اسی طرح ان جانوروں کو تمھارے بس میں کردیا اس لیے کہ اللہ نے جو تم کو راہ پر لگایا، تم بھی (اس کے بدلے میں) اللہ کی بڑائی کرو اور (اے پیغمبر!) نیک لوگوں کو (جنت کی) خوشخبری دے دیں۔“

حج وعمرہ
کے
فضائل وبرکات

مجموعۂ عبادات:

نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح ہی حج وعمرہ بھی ایک اہم عبادت ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو یہ دیگر عبادات سے بھی جلیل القدر ہے کیونکہ نماز اور روزہ صرف بدنی عبادات ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے جبکہ حج وعمرہ مالی اور بدنی ہر قسم کی عبادات کا مجموعہ ہے۔

اسلام کا رکن:

دینِ اسلام میں حج وعمرہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَصَومِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ»[1]

---

[1] یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مختلف سندوں سے مروی ہے۔ اسے بخاری (۸) مسلم ﴿۱۹۰﴾

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔''

افضل عمل:

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حج کو افضل اعمال میں شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح

---

⑲⓪ (۱/ ۱۷۶۔ ۱۷۷) ترمذی (۲۶۰۹) نسائی (۸/ ۱۰۷۔ ۱۰۸) سب نے "کتاب الایمان" میں، ابن خزیمہ (۳۰۸، ۳۰۹، ۱۸۸۰۔ ۱۸۸۱، ۲۵۵۰۵) ابن حبان (۱۵۸۔ تحقیق شعیب) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۲/ ۳۰۹، ۴۱۲) میں، بیہقی (۱/ ۳۵۸، ۴/ ۸۱، ۱۹۹) احمد (۲/ ۲۶، ۹۳، ۱۲۰، ۱۴۳) ابویعلی (۵۷۸۸) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۸۲۳) میں، ابوعبید نے "الإیمان" (۱۴) میں، ابن مندہ نے بھی "الإیمان" (۴۰۔ ۴۳۔ ۱۴۸۔ ۱۵۰) ہی میں، دولابی نے "الکنی" (۱/ ۸۰) میں آجری نے "الشریعة" (۱۰۶) میں، مروزی نے "تعظیم قدر الصلوۃ" (۴۱۱، ۴۱۸) میں اور بکری نے ''الاربعین'' (۸۲) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

۱۔ حدیثِ جریر رضی اللہ عنہ کو احمد (۴/ ۳۶۲، ۳۶۴) ابویعلی (۷۵۰۲، ۷۵۰۷) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲/ ۳۲۶، ۳۲۷) اور "المعجم الصغیر" (۲/ ۸) میں، مروزی (۴۱۹، ۴۲۲) اور ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' (۷/ ۳۸۶) میں روایت کیا ہے۔ اور یہ جریر رضی اللہ عنہ سے صحیح و ثابت ہے۔

۲۔ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابن النجار (۱۵/ ۳۸۷، ۳۸۸) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۲/ ۱۷۴) میں روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: ''جس نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی ترک کر دیا وہ کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔'' مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس کی سند پر بحث اور اس کی مفصل تخریج ہم دادا مرحوم کے رسالہ ''فلاحِ دارین'' حدیث (۳۳) میں کریں گے۔ (یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ مؤلف)

بخاری و مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: «أَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟» ''سب سے افضل عمل کون سا ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ» ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔''

کہا گیا کہ اس کے بعد؟ تو ارشاد ہوا:

«اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ» ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حَجٌّ مَبْرُوْرٌ»② ''حجِ مقبول۔''

حج مبرور...؟

علماء کرام نے ''حج مبرور'' کی شرح بیان کرتے ہوئے متعدد آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ ''القِرى لقاصد أم القُرىٰ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ حج ہے جس کے دوران کسی گناہ کا

---

② اس حدیث کو بخاری (۲۶، ۱۵۱۹) ''الایمان والحج''، مسلم (۲/ ۷۲) ''الایمان'' ابوعوانہ (۱/ ۶۲) نسائی (۵/ ۱۱۳، ۶/ ۱۹) ''الحج والجہاد'' اور ''الایمان'' (۸/ ۹۳، ۹۴) میں اس کا پہلا ٹکڑا، دارمی (۲/ ۲۰۱) ''الجہاد'' ابن حبان (۱۵۳۔ تحقیق الشیخ شعیب) بیہقی (۵/ ۲۶۲، ۹/ ۱۵۷) اور احمد (۲/ ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۶۹) نے سعید بن المسیب کے واسطے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (۱۶۵۸) ''فضائل الجہاد'' طیالسی (۱/ ۲۰۲، ۲۳۲) اور اسی طرح احمد (۲/ ۲۵۸، ۲۸۷، ۳۴۸، ۴۴۲، ۵۲۱) نے بھی ابو ہریرہ سے دو اور واسطوں سے بھی کچھ لفظی فرق سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عبداللہ بن حُبشی، عبداللہ بن سلام، عمرو بن العاص اور عائشہ یا شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے مگر خوفِ طوالت سے ان کی احادیث کی تخریج ترک کی جاتی ہے۔

ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ حج ہے جو عنداللہ مقبول ہوجائے۔بعض کا کہنا ہے کہ اس سے وہ حج مراد ہے جس میں ریا وشہرت، فحاشی اورلڑائی جھگڑا نہ کیا گیا ہو۔ اور کچھ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ اس سے آدمی پہلے کی بہ نسبت بہتر ہو کر لوٹے اورگناہ کی کوشش نہ کرے۔حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا حج جس کے بعد انسان دنیا سے بے رغبت اورآخرت کا طلبگار بن جائے۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حج کے مفہوم میں یہ سبھی امور شامل ہیں۔''

(مرعاۃ المفاتیح: ۶/ ۱۹۰، طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ پاکستان)

گناہوں سے مکمل طہارت:

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو فریضۂ حج سے سبکدوش ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اورسابقہ گناہوں سے مکمل طور پر پاک ہوکر لوٹتے ہیں جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ جنم لیتے وقت اس دنیا میں گناہوں سے پاک آتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

«مَن حَجَّ ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»[۳]

---

[۳] اس حدیث کو بخاری (۱۵۲۱، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰) ''الحج''، مسلم (۹/ ۱۱۹) ترمذی (۸۱۱) نسائی (۵/ ۱۱۴) دارمی (۲/ ۳۱) ابن خزیمۃ (۲۵۱۴) بیہقی (۵/ ۶۷، ۲۶۱، ۲۶۲) اور احمد (۲/ ۲۲۹، ۲۴۸، ۴۱۰، ۴۸۴، ۴۹۴) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: بحشل الواسطی نے ''تاریخ واسط'' (۱۸۲) میں اور دارقطنی (۲/ ۲۸۴، ۲۱۳) نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کے ہاں اس میں ''اَوِ اعْتَمَرَ'' (یا جس نے عمرہ کیا) اس کا اضافہ بھی ہے مگر یہ اضافہ صحیح نہیں کیونکہ اس اضافے کو روایت کرنے والے حجاج بن ارطاۃ ہیں اور یہ بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں کہا ہے۔

''جس نے حج کیا اوردورانِ حج اس سے نہ کوئی شہوانی فعل سرزد ہوا اور نہ
ہی اس نےفسق وفجور (گناہ) کا ارتکاب کیا۔ وہ گناہوں سے اس طرح
پاک ہوکرلوٹا، گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔''

صحیح مسلم وابن خزیمہ میں حضرت ابن شماسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معروف صحابیِ رسول حضرت عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر موت کا عالَم طاری ہوا تو اس وقت ہم ان کے پاس موجود تھے۔ وہ دیر تک خشیتِ الٰہی سے روتے رہے اور پھر اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ سنانے لگے اور فرمایا: ''جب اللہ نے میرے دل میں قبولِ اسلام کا جذبہ پیدا کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک شرط پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: وہ کیا؟ میں نے عرض کیا: صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عَمرو! کیا تمھیں معلوم نہیں:

---

(190) یہی اضافہ ایک دوسرے طریق (سند) میں بھی ہے، اس طریق سے اس حدیث کو عقیلی (۴/ ۳۳۸) اور ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۷/ ۱۴۳) میں روایت کیا ہے مگر اس طریق میں بھی یہ اضافہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی ہشام بن سلیمان ہے۔ اس کی جو حدیث ابن جریج سے نہ ہو اس میں اس کو وہم ہوتا ہے جیسا کہ عقیلی نے کہا ہے، اور یہ حدیث اس نے ابن جریج سے نہیں بلکہ ثوری سے بیان کی ہے۔ نیز اس سے اس حدیث کی سند میں بھی غلطی ہوئی ہے جیسا کہ عقیلی نے صراحت کی ہے، اسی لیے ذہبی نے ''میزان'' (۴/ ۲۹۹) میں کہا ہے کہ اس نے یہ حدیث عجیب سند سے روایت کی ہے اور ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے، ہِشام اسے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس نے لفظ ''الاعتمار'' بڑھا دیا ہے۔

«اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ، وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا، وَاِنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ »④

''اسلام قبول کرنا پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور (دین کی خاطر) ہجرت کرنا پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور حج کرنا بھی سابقہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔''

جنت کی بشارت:

حج وعمرہ سے حاصل ہونے والی سعادتوں، کامرانیوں اورفضائل وبرکات کا یہ عالَم ہے کہ تمام گناہوں کے کفارے کے ساتھ ساتھ جنت کی خوش خبریاں بھی کانوں میں رس گھولتی، دلوں میں ایمان جگاتی اور روح کو بالیدگی وتازگی بخشتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں نبی آخر الزماں ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ»⑤

''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور حجِ مبرور کا ثواب تو جنت ہی ہے۔''

بوڑھوں، ضعیفوں اورعورتوں کا جہاد:

میدانِ کارزار میں کفار ومشرکین کو تہہِ تیغ کرنے والے غازیوں اورشہیدوں

④ اس حدیث کو مسلم (۲/ ۱۳۷، ۱۳۸) ''الایمان'' ابن خزیمۃ (۲۵۱۵) اور اسی طرح ابو عوانہ (۱/ ۷۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

⑤ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس کو مالک (۱/ ۳۴۶/ ۶۵) بخاری (۱۷۷۳) مسلم (۹/ ۱۱۷۔ ۱۱۸) نسائی (۵/ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵) ترمذی (۹۳۳) دارمی (۲/ ۳۱) ابن ماجہ (۲۸۸۸) ابن خزیمۃ (۲۵۱۳، ۳۰۷۲، ۳۰۷۳) بیہقی (۴/ ۳۴۳، ۵/ ۲۶۱) اور احمد (۲/ ۲۴۶، ۴۶۱، ۴۶۲) نے روایت کیا ہے۔

کو اللہ تعالیٰ جو مقام و مرتبہ عطا فرماتا ہے وہ صرف انھیں لوگوں کا حصہ ہے جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے اور سروں پر کفن باندھے محاذِ جنگ پر دشمنوں کو للکارتے ہیں مگر وہ انسانی طبقے جو اس دل گردے کے مالک نہیں ہوتے کہ معرکۂ حق و باطل کو سر کر سکیں، انھیں جہاد کا ثواب عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حج کو اس کا نعم البدل قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

«نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْاَعْمَالِ، اَفَلَا نُجَاهِدُ ؟»

''ہم جہاد کو افضل اعمال میں سے سمجھتے ہیں تو کیا ہم (عورتیں) بھی جہاد نہ کریں؟''

اس پر نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَكِنَّ اَفْضَلُ الْجِهَادِ: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ»⑥

''تمھارے لیے افضل جہاد: حجِ مبرور ہے۔''

جبکہ صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ»⑦ ''تمھارا جہاد حج ہے۔''

---

⑥ ان الفاظ سے اس حدیث کو بخاری (۱۵۲۰، ۲۷۸۴) "الحج والجهاد" بیہقی (۹/ ۲۱) اور ابویعلی (۴۷۱۷) نے روایت کیا ہے۔ مذکورہ الفاظ سے کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ بھی یہ حدیث مروی ہے، اور ان الفاظ سے بھی اس کو بخاری (۱۸۶۱) "جزاء الصيد" بیہقی (۴/ ۳۲۶) اسی طرح نسائی (۵/ ۱۱۴، ۱۱۵) احمد (۶/ ۷۹) اور ابن مندۃ نے "الإيمان" (۲۲۹) میں روایت کیا ہے۔

⑦ ان الفاظ سے اس حدیث کو بخاری (۲۸۷۵) "الجهاد" بیہقی (۴/ ۳۲۶، ۹/ ۲۱) اور احمد (۶/ ۶۷، ۱۶۵، ۱۶۶) نے روایت کیا ہے۔ بیہقی اور احمد میں "جهاد كنّ" کے ⑲⓪

جبکہ مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ، اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ »⑧

''ہاں! ان پر ایسا جہاد ہے جس میں کوئی قتال وجنگ نہیں۔ اور وہ ہے: حج اور عمرہ۔''

اس حدیث کی سند کو محدّثِ عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

(تحقيق المشكوٰة: ٢/ ٧٧٧، حديث: ٢٥٣٤، إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل: ٤/ ١٥١)

جبکہ نسائی شریف کی ایک حسن سند والی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« جِهَادُ الْكَبِيرِ والضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةِ: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ »⑨

﴾ بعد "أو حسبُكنّ" کے الفاظ بھی ہیں۔ اس حدیث کو سعید بن منصور (۲۳۳۹) ابن عدی (۴/ ۱۳۸۷) اور ابویعلی (۴۵۱۱) نے "جهاد النساء: الحج" (عورتوں کا جہاد حج ہے) کے الفاظ سے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ملاحظہ ہو: ''مسند احمد'' (٦/ ٦٨، ١/ ١٢٠، ١)

⑧ اس کو احمد (٦/ ١٥٦) ابن ابی شیبۃ (۳/۱۲۲۔ دار التاج) ابن ماجۃ (٢٩٠١) ابن خزیمۃ (۳۰۷۴) فاکہی (١/ ٣٧٦، ٣٧٧) اور دارقطنی (۲/۲۸۴، ۲۱۵) نے عائشہ بنت طلحہ کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ ابن خزیمۃ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور نووی نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''المجموع'' (۷/۴)۔ احمد (٦/ ٧٥) بیہقی (۴/ ۳۵۰) اور دارقطنی نے اس کو عمران بن حطان کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور یہ سند جید ہے۔ نووی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

⑨ اس کو نسائی (۵/۱۱۴) سعید بن منصور (۲۳۴۴) بیہقی (۴/ ۳۵۰، ۹/۲۳) عبدالرزاق ﴿

''بوڑھوں، ضعیفوں، کمزوروں اور عورتوں کا جہاد حج وعمرہ ہے۔''

(حسنهٔ المنذري في الترغيب والترهيب: ٣/ ٥ بتحقيق محمد محي الدين عبد الحميد)

اللہ کے مہمان:

حجاجِ کرام کے لیے یہی شرف کیا کم ہے کہ عازمینِ حج وعمرہ کو نبی اکرم ﷺ کی بعض احادیث میں اللہ کے وفد اور مہمان قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ نسائی شریف کی ایک حدیث ہے جس کی سند کو علاّمہ البانی رحمہ اللہ نے (تحقیق المشکوٰۃ: ٤/ ٧٧٨ حدیث: ٢٥٣٧) حسن قرار دیا ہے اور اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ اس میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«وَفْدُ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: اَلْغَازِي وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ»[10]

---

(190) (٧٠٩، ٩٧١٠) اور احمد (٢/ ٤٢١) نے روایت کیا ہے۔
منذری نے اگرچہ اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر یہ مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں علی، ام سلمۃ اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں:

١۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کو قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (٨١) میں روایت کیا ہے۔

٢۔ حدیثِ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کو ابن ابی شیبۃ (٣/ ١٢٢، دار التاج) ابن ماجہ (٢٩٠٢) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (٢٣/ ٢٩٢، ٣٩٣) میں فاکہی نے ''أخبار مکۃ'' (١/ ٣٧٧) میں، طیالسی (١/ ٢٠٢) احمد (٦/ ٢٩٤، ٣٠٣، ٣١٤) ابو یعلی (٦٩١٦، ٧٠٢٩) اور قضاعی نے روایت کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ ''ہر کمزور کا جہاد حج ہے۔''

٣۔ حدیثِ عائشہ، اس کی تخریج نمبر (7) میں ملاحظہ کریں۔

(10) اس کو نسائی (٥/ ١١٣، ٦/ ١٦) ''الحج والجہاد'' اسی طرح ابن خزیمۃ (٢٥١١) ابن حبان (٩٦٥) حاکم (١/ ٤٤١) بیہقی (٥/ ٢٦٢) ابن مندہ نے ''الایمان'' (٢٣١) میں اور ابو نعیم نے ''الحلیۃ'' (٨/ ٣٢٧) میں روایت کیا ہے، اور اس کو ابن خزیمۃ، ابن حبان اور حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے اور یہ مسلم کی شرط پر ہی ہے۔

''تین قسم کے لوگ اللہ کے وفد (مہمان) میں ہیں: جہاد، حج اور عمرہ کرنے والے۔''

قابلِ رشک زندگی اورقابلِ فخر موت:

حاجی کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر شرف وثواب سے نوازا ہے کہ اس کا جینا بھی قابلِ رشک ہے اور اس کی موت بھی قابلِ فخر واعزاز ہے۔ صحیح بخاری ومسلم شریف میں مروی ہے کہ میدانِ عرفات میں ایک شخص اونٹنی سے گرا اور جانبر نہ ہوا بلکہ اس کی روح پرواز کر گئی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اسے بیری کے پتوں والے پانی سے غسل دو اور انھیں احرام کے کپڑوں میں کفن دے دو۔ اس کے سر کو ڈھانپو اور نہ ہی اسے خوشبو لگاؤ۔''

پھر فرمایا:

«فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّياً»[11]

''کیونکہ یہ قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ یہ ''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ'' پکار رہا ہوگا۔''

رمضان میں عمرہ:

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ صاحبِ استطاعت لوگ ماہِ رمضان المبارک میں اکثر عمرے کے لیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہی ہے کہ دیگر مہینوں کی بہ نسبت رمضان المبارک کے مہینے میں عمرے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ رمضان میں عمرہ کی

---

[11] اس کو بخاری (۱۲۶۵، ۱۲۶۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۹، ۱۸۵۱) ''الجنائز وجزاء الصید'' مسلم (۸/ ۱۲۶، ۱۳۰) ''الحج'' ابو داود (۳۲۳۸، ۳۲۴۱) ''الجنائز'' ترمذی ''الحج'' (۹۵۱) نسائی (۴/ ۳۹، ۵/ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۹۵، ۱۹۷) ''الجنائز والحج، ابن ماجہ ''مناسک'' (۳۰۸۴) وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

فضیلت بیان کرتے ہوئے صحیح بخاری ومسلم میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِنَّ عُمْرَۃً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّۃً)) ⑫

''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔''

مگر یاد رہے کہ اس عمرے سے اسلام کے رکن حج کی فرضیت ہرگز ساقط نہیں ہوگی، بلکہ جب کسی پر فرضیتِ حج کی شرائط پوری ہوجائیں تو اس پر حج کرنا فرض ہوگا۔

---

⑫ یہ حدیث ابن عباس، جابر، وہب بن خنبش، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ام معقل، ام طلیق اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

۱۔ ابن عباس کی حدیث کو بخاری (۱۷۸۲، ۱۸۶۳) مسلم (۹/ ۲) نسائی (۴/ ۱۳۰، ۱۳۱) دارمی (۲/ ۵۱) وغیرہ نے عطاء کے واسطے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابو داود (۱۹۹۰) وغیرہ میں یہ ایک دوسری سند سے مروی ہے۔

۲۔ جابر کی حدیث کو احمد (۳/ ۳۵۲، ۳۶۱، ۳۹۷) اور ابن ماجہ (۲۹۹۵) نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ''تلخیص'' (۲/ ۲۲۷) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳۔ حدیث وہب بن خنبش کو احمد (۴/ ۱۷۷، ۱۸۶) ابن ماجہ (۲۹۹۱) اور خطیب نے ''الموضح'' (۲/ ۴۳۸، ۴۳۹) میں روایت کیا ہے اور بوصیری نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (مصباح الزجاجۃ: ۱۰۴۸) ابن ماجہ (۲۹۹۲) احمد (۴/ ۱۷۷) بیہقی (۴/ ۳۴۶) دولابی نے ''الکنی'' (۲/ ۱۶۲) اور خطیب نے ''الموضح'' (۲/ ۲۳۹) میں اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ایک تو یہ سند ضعیف ہے، نیز اس میں وہب کی بجائے ہرم ہے جو کہ صحیح نہیں بلکہ صحیح وہب ہی ہے جیسا کہ بخاری اور خطیب نے کہا ہے۔

۴۔ حدیثِ یوسف بن عبداللہ بن سلام کو احمد (۴/ ۳۵) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

۵۔ حدیثِ ام معقل کو ابو داود (۱۹۸۸) اور ترمذی (۹۳۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۶۔ حدیثِ ام طلیق کو بزار (۱۱۵۱) اور دولابی نے ''الکنی'' (۱/ ۴۱) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

فرضیتِ حج:

یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے حج وعمرہ پر ان تمام فضائل وبرکات اور عظیم انعامات کی بشارت دی ہے جن کا ذکر ہم نے سابقہ سطور میں کیا ہے، ورنہ مسلمانوں کے لیے تو اس کی فرضیت کا حکم ہی تعمیلِ ارشاد کے لیے کافی ہے، اور اس کی فرضیت قرآن وسنت اوراجماعِ امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۷]

''اورلوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق (فرض) ہے کہ جو اس کے گھر (بیت اللہ شریف) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں وہ اس کا حج کریں اور جو کوئی اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے تو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

صحیح بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج وعمرہ کو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔[۱۳] جبکہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشادفرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا))[۱۴]

''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔''

امام نووی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہوئے امام شوکانی رحمہ اللہ

---

[۱۳] اس حدیث کی مفصل تخریج نمبر (۱) میں گزر چکی ہے۔

[۱۴] اس حدیث کی تخریج نمبر (۱۵) میں آرہی ہے۔

لکھتے ہیں کہ اس بات پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حج اور عمرہ کرنا فرض ہے۔

(نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار: ٤/ ٤/ ٣١٣، طبع مصر)

نفلی حج:

اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ مرتبہ حج کرے تو وہ نفلی ہوگا کیونکہ صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَد فُرِضَ عَلَيُكُمُ الُحَجُّ فَحُجُّوا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عامٍ يَا رَسُولَ اللّٰه؟ فَسَكَتَ، حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثاً»

''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہر سال حج کریں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتی کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا۔''

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَوُ قُلُتُ، نَعَمُ، لَوَجَبَتُ وَلَمَا اسُتَطَعُتُمُ»[۱۵]

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال حج کرنا) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ پاتے۔''

سنن نسائی، مسند احمد اور سنن دارمی میں سوال کرنے والے اس شخص کا نام بھی مذکور ہے جو کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ ہیں۔[۱۶]

⑮ اس حدیث کو مسلم (۹/ ۱۰۰، ۱۰۱) نسائی (۵/ ۱۱۰) ابن خزیمۃ (۲۵۰۸) دارقطنی (۲/ ۲۸۱، ۲۸۲) بیہقی (۴/ ۳۲۶) احمد (۴/ ۵۰۸) اور ابن حزم نے ''المحلی'' (۱/ ۶۴) اور "الإحكام في أصول الأحكام" (۸/ ۱۷) میں روایت کیا ہے۔

⑯ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور اس کی تخریج نمبر (۱۹) میں آ رہی ہے۔

اس ارشادِ رسالت مآب ﷺ سے معلوم ہوا کہ حج وعمرہ زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلْعُمْرَةُ اِلٰی الْعُمْرَةِ کَفَّارَةٌ لِّمَا بَیْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ)) (۱۷)

''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا تو صرف جنت ہی ہے۔''

اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے مفتی عالمِ اسلام سماحۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی وڈائریکٹر جنرل اداراتِ بحوثِ علمیہ ودارالافتاء ودعوت وارشاد۔ سعودی عرب) نے لکھا ہے کہ نفلی حج وعمرہ میں کثرت مسنون ہے۔

(التحقیق والإیضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزیارة، ص: ۸، وفي الباب أحادیث أخریٰ، انظرها في الفتح الربّاني للبنا: ۱۱/ ۸، ۹، ۱۰)

صحیح ابن حبان، سنن بیہقی، مصنف عبدالرزاق، مسند ابی یعلی اور طبرانی اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنَّ عَبْداً صَحَّحْتُ لَهٗ جِسْمَهٗ، وَوَسَّعْتُ عَلَیْهِ فِی الْمَعِیْشَةِ، تَمْضِيْ عَلَیْهِ خَمْسَةُ اَعْوَامٍ، لَا یَفِدُ اِلَيَّ لَمَحْرُوْمٌ)) (۱۸)

---

(۱۷) اس کی تخریج نمبر (۵) میں گزر چکی ہے۔

(۱۸) ابن حبان (۹۶۰) بیہقی (۵/ ۲۶۲) عبد الرزاق (۸۸۲۶) ابویعلی (۱۰۳۱) طبرانی ''اوسط'' (۴۹۰) میں، اسی طرح اس کو ابن عدی (۳/ ۹۳۳) فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۱/ ۴۳۶، ۴۳۷) میں، بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۸/ ۴۲، ۴۳) میں اور خطیب نے (۱۹۰)

''اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں نے اپنے بندے کو جسمانی صحت اور مالی وسعت عطا کی مگر پھر بھی پانچ سال گزرنے کے باوجود وہ میرے پاس (حج کے لیے) نہیں آتا تو ایسا آدمی (فضائل و برکات سے) یقیناً محروم ہوتا ہے۔''

سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد اور سنن بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلْحَجُّ مَرَّةً ، فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ)) [19]

''فرض حج صرف ایک مرتبہ ہے، جو زیادہ کرے وہ نفل ہے۔''

فریضۂ حج کی ادائیگی میں جلدی کرنا:

جب کوئی اتنی رقم اور وسائل کا مالک ہو جائے کہ وہ حج کرسکتا ہے تو اسے حکم ہے کہ وہ فوراً اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے، کیونکہ مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

---

(190) بھی ''تاریخ بغداد'' (۸/ ۳۱۸) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس کو عقیلی (۲/ ۲۰۶، ۲۰۷) ابن عدی (۴/ ۳۹۶) فاکہی، بیہقی اور خطیب نے ''الموضح'' (۱/ ۲۶۶، ۲۶۷) میں روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے اس کو "سلسلة الأحاديث الصحيحة" (۱۶۶۲) میں ذکر کیا ہے۔

(19) اس حدیث کو ابو داود (۱۷۲۱) نسائی (۵/ ۱۱۱) ابن ماجہ (۲۸۸۶) دارمی (۲/ ۲۹) ابن ابی شیبہ (۴/ ۸۵) دارقطنی (۲/ ۲۷۸، ۲۸۰) حاکم (۱/ ۴۴۱، ۴۷۰) بیہقی (۴/ ۳۲۶۔ ۵/ ۱۷۸) احمد (۲۵۵۱، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۵۲، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۶۷۷) میں ابو سفیان کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ابن الجارود (۴۱۰)، دارمی ، طیالسی (۲۰۲/۱) اور احمد (۲۹۲/۱، ۳۰۱، ۳۲۵) نے اس کو عکرمہ کے واسطے سے بھی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس سے بھی ابو سفیان کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

«تَعَجَّلُوا اِلَى الْحَجِّ [يَعْنِي الْفَرِيضَةَ] فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهٗ مِنْ مَرَضٍ اَوْ حَاجَةٍ »[20]

---

(20) اس حدیث کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے یا عبداللہ سے فضل نے یا فضل نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ یہ شک بعض راویوں کی طرف سے ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے، اس کو احمد (۱/ ۲۱۴، ۳۱۴، ۳۲۳، ۳۵۵) ابن ماجہ (۲۸۸۳) طبرانی نے "المعجم الكبير" (۱۸/ ۲۸۷۔ ۲۸۸، ۲۹۶) میں، فاکہی نے "أخبارِ مكة" (۱/ ۳۸۴) میں، بیہقی (۴/ ۳۴۰) اور خطیب نے ''الموضح'' (۱/ ۴۰۷) میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ سند ابو اسرائیل اسماعیل بن خلیفہ کی وجہ سے ضعیف ہے مگر طبرانی (۱۸/ ۲۸۸) میں اس کی سند کی متابعت موجود ہے۔ اس سند میں ایک راوی عبدالکریم ہے۔ یہ عبدالکریم اگر عبدالکریم الجزری ہیں تو یہ سند حسن درجہ کی ہے غالبًا یہ عبدالکریم جزری ہی ہیں کیونکہ اس حدیث کو عبدالکریم سے روایت کرنے والا ''فرات بن سلمان الجزری'' ہے۔ فرات کو ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (۷/ ۸۰) میں ذکر کیا ہے اور اپنے والد ابو حاتم سے اس کے بارے میں یہ کلمات نقل کیے ہیں: ''لَابَأْسَ بِهٖ، مَحلُّهُ الصِّدْقُ، صَالِحُ الْحَدِيْثِ'' اس سند کے باقی سب راوی ثقہ ہیں اگر عبدالکریم، عبدالکریم بن ابی المخارق نہیں بلکہ عبدالکریم الجزری ہوں۔ اس حدیث کی ابن عباس سے ایک دوسری سند بھی ہے مگر اس سند کے الفاظ مختصر ہیں اور وہ ہیں:

«مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ» ''جو حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے جلدی کرنی چاہیے۔''

ان الفاظ سے اس کو ابو داود (۱۷۳۲) دارمی (۲/ ۲۸) حاکم (۱/ ۴۴۸) بیہقی (۴/ ۳۴۰) احمد (۱/ ۲۲۵) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۶۷۰) میں اور دولابی نے ''الکنی'' (۲/۱۲) میں روایت کیا ہے۔

اس سند میں ابن عباس سے راوی ''مہران ابو صفوان'' ہے، اور یہ مجہول ہے جیسا کہ ''تقریب'' (۲/ ۲۷۹) میں ہے۔ شیخ البانی نے "إرواء الغليل" (۹۹۰) میں اسرائیل اور مہران والی دونوں سندوں کو ملا کر اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ان کے پیش نظر اگر عبدالکریم والی سند بھی ہوتی تو غالبًا وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے۔

حاصل کلام: اس حدیث کی سب سندوں کو ملا لینے سے یہ حدیث صحیح ہے۔

''فریضۂ حج کی ادائیگی میں جلدی کرو۔ اس لیے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اسے کب کوئی بیماری یا شدید ضرورت اس سے روک لے۔''

اس حدیث اور ایسی ہی دیگر احادیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے قدرت واستطاعت حاصل ہوجانے پر فوراً حج کی ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے جبکہ امام شافعی، اوزاعی، ثوری اور محمد (صاحبِ ابی حنیفہ) رحمہم اللہ اور بقول ماوردی صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عباس، انس اور جابر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے امام عطاء و طاؤس رحمہما اللہ کے نزدیک وقتِ وجوب کے بعد جب چاہے حج کرسکتا ہے۔
(جانبین کے دلائل کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتح الرباني وشرحهٔ بلوغ الأماني از أحمد عبد الرحمن البنّا: ۱۱/ ۱۹۔ ۲۲)

ترکِ حج پر وعید:

جو شخص استطاعت کے باوجود اپنے دنیاوی مشاغل میں مصروف رہے اور جان بوجھ کر فریضۂ حج کی ادائیگی کو مؤخر کرتا جائے حتیٰ کہ اسی حالت میں حج کیے بغیر ہی اسے موت آجائے تو اس کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

سنن سعید بن منصور میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''میں نے ارادہ کیا ہے کہ دوسرے شہروں کی طرف اپنے آدمی بھیجوں، جو ہر اس آدمی کا پتہ چلائیں جس نے طاقت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، تاکہ میرے آدمی ایسے لوگوں پر غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس (جزیہ) نافذ کر دیں۔ پھر فرمایا:

((مَا هُمْ بِمُسْلِمِينَ، مَا هُمْ بِمُسْلِمِينَ))[21]

''وہ مسلمان نہیں، وہ مسلمان نہیں۔''

❀❀❀

[21] اس اثر کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تلخیص الحبیر" (۲/۲۲۳) میں سنن سعید بن منصور کی ⑲٠

⑲⓪ طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ بعد میں مجھے یہ اثر ایک دوسرے مصدر میں بھی مل گیا۔اس کو لالکائی نے "شرح الاعتقاد" (۱۵۶۷) میں مطر کے واسطے سے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں "مَاهُمْ بِمُسْلِمِيْنَ" کی بجائے ہے:
"وَاللّٰهِ مَا أُولٰئِكَ بِمُسْلِمِيْنَ" ''اللہ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہیں۔''

اور آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:

((وَاللّٰهِ لَوْ تَرَكُوا الْحَجَّ لَقَاتَلْتُهُمْ كَمَا قَاتَلْتُهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ))

''اور اللہ کی قسم اگر وہ حج ترک کر دیں تو میں ان سے اسی طرح ہی جنگ کرونگا جس طرح کہ ان سے نماز اور زکٰوۃ (کے ترک) پر جنگ کی ہے۔''

مگر اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ مطر کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے جیسا کہ اس کتاب کے محقق نے کہا ہے۔

''سنن سعید بن منصور'' میں یہ اثر اسی مطر ہی کے طریق سے ہے یا کہ اس میں اس کی کوئی دوسری سند ہے؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس سنن کا جو حصہ ملا ہے اور مطبوع بھی ہے وہ کتاب الفرائض ، کتاب النکاح اور کتاب الجہاد پر مشتمل ہے۔ کتاب الحج اس میں نہیں کہ مراجعہ کر کے سند دیکھی جاسکے۔

بعد میں پھر مجھے یہ اثر ایک دوسری سند سے بھی ملا مگر اس میں جزیہ وغیرہ کا ذکر نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں:

((عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اَرَادَ اَنْ يُّفْرِضَ عَلٰى أَهْلِ الْأَمْصَارِ عِدَّةً يَحُجُّوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ فَلَمَّا رَأٰى تَسَارُعَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ تَرَكَهُمْ))

''سعید بن جبیر کہتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ ہر علاقے میں سے لوگوں کی ایک تعداد مقرر کر دیں جو ہر سال حج کے لیے جائے لیکن جب دیکھا کہ لوگ خود ہی اس سلسلہ میں سبقت لے جا رہے ہیں تو انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔''

ان الفاظ کے بعد اس میں وہ اضافہ بھی ہے جو لالکائی کے ہاں ہے۔ اس سند سے اس کو فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۳۸۴/۱) میں روایت کیا ہے اور اس کتاب کے محقق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سند میں بھی انقطاع ہے کیونکہ سعید بن منصور کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً تئیس (۲۳) سال کے بعد ہوئی ہے۔

عمرے کا طریقہ

اور

احکام و مسائل

مفہومِ استطاعت:

حج وعمرہ کی فرضیت کے لیے استطاعت اور طاقت وقدرت کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا استطاعت کے مفہوم اور اس کی اقسام کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے تاکہ اس بات کا فیصلہ کرنا آسان ہوجائے کہ کسی مسلمان پر کب تک حج فرض نہیں ہوتا اور کب اور کن حالات میں فرض ہوجاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سورۂ آل عمران میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾

[آل عمران: ۹۷]

''لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق (فرض) ہے کہ جو اس کے گھر (بیت اللہ شریف) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، وہ اس کا حج کریں۔''

① زادِ راہ اور سواری:

اس آیت میں جس طاقت واستطاعت کا ذکر ہوا ہے اس کے مفہوم کی تعیین کے سلسلے میں قرآن وسنت ہر دو میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ [البقرة: ١٩٧]

''اور زادِ راہ (سفرخرچ) اپنے ساتھ رکھو، اس لیے کہ اچھا توشہ یہی ہے کہ (بھیک مانگنے سے) بچے رہو۔''

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کا سببِ نزول بیان کرتے ہوئے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''كَانَ اَهلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ، وَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ، وَيَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ، فَاِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ، سَأَلُوْا النَّاسَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾''

(تفسير ابن كثير: ١/ ٢٣٩، طبع حلبي مصر)

''اہلِ یمن حج کے لیے نکلتے تو کوئی زادِ راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور اپنے آپ کو کہتے کہ ہم متوکّل ہیں، لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے بھیک مانگتے تھے۔ اس پر یہ ارشادِ الٰہی نازل ہوا کہ ''زادِ راہ اپنے ساتھ رکھو اس لیے کہ اچھا توشہ یہی ہے کہ (بھیک مانگنے سے) بچے رہو۔''

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی تفسیری قول صحیح بخاری شریف، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ اورمتعدد دیگر کتبِ حدیث میں بھی مذکور ہے۔[۲۲]

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اس آیتِ مذکورہ میں ''تقویٰ'' سے اس کا معروف اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ یہاں اس کا لغوی معنی ''بچنا'' مراد ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں وضاحت کی ہے۔

(تفسیر روح المعانی: ۱/ ۲/ ۸۶ طبع بیروت، و اشرف الحواشی از مولانا محمد عبدہٗ الفلاح، ص: ۳۸، حاشیہ نمبر: ۷، ناشر شیخ محمد اشرف، لاہور)

---

[۲۲] بخاری (۱۵۲۳) وابوداود (۱۷۳۰) والواحدی فی ''أسباب النزول'' (۳۷)

طاقت کی تعیین اورمفہومِ استطاعت کے سلسلے ہی میں سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے ،جس کی سند کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تلخیص میں حضرت حسن رحمہ اللہ تک صحیح قرار دیا ہے اور اسے ''مرسل'' کہا ہے اور اس کے موصول ہونے کو وہم قرار دیا ہے۔

(الفتح الرباني: ١١/ ٤٠، مرعاة المفاتيح: ٢٨٦٦)

اس روایت میں ہے:

«قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا السَّبِيلُ؟».

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ (ارشادِ ربانی : ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ میں) سبیل سے کیا مراد ہے؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ»[٢٣] ''زادِ راہ اور سواری۔''

---

[٢٣] حسن بصری رحمہ اللہ کی اس مرسل روایت کو بیہقی (۴/ ۳۲۷، ۳۳۰) نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ابن عمر، ابن عباس، عبداللہ بن مسعود، جابر، عبداللہ بن عَمر و اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے موصولاً بھی مروی ہے:

۱۔ حدیثِ ابن عمر کو ابن ابی شیبہ (۴/ ۹۰) ترمذی (۳/ ۸) ابن ماجہ (۲۸۹۶) دارقطنی (۲/ ۲۱۷، ۱/ ۱۰) بیہقی (۴/ ۳۳۰)، (۵/ ۵۸، ۲۲۵) ابن عدی (۱/ ۲۲۸) عقیلی (۳/ ۳۳۲) اور شافعی نے ''مسند'' (۱۰۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔

۲۔ ابن عباس کی حدیث کو ابن ماجہ (۲۸۹۷) نے روایت کیا ہے۔ بوصیری نے اس کو "مصباح الزجاجة" (۱۰۲۲) میں حسن کہا ہے مگر حافظ ابن حجر نے ''تلخیص'' میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ البانی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے اور اس میں تین علتیں بیان کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: "إرواء الغليل" (۴/۱۶۳)۔

۳۔ حدیث ابن مسعود، جابر اور عبداللہ بن عَمر و کو دارقطنی (۲/ ۲۱۵، ۲۱۶) نے روایت کیا ہے۔

۴۔ حدیثِ عائشہ کو دارقطنی (۲/۲۱۷/۸) بیہقی (۴/۳۳۰) اور عقیلی (۳/۳۳۲) نے روایت کیا ہے مگر ان سب احادیث میں سے کسی ایک کی بھی سند صحیح نہیں ہے بلکہ ⑲⓪

اورزادِ راہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے پاس اتنا مال ہو کہ جو اس کی مکہ مکرمہ تک آمدورفت، وہاں پر اس کی مدتِ اقامت کے دوران اخراجات اوراس کے گھر والوں کی گزر اوقات کے لیے کافی ہو۔

سواری سے مراد آمد و رفت کا ذریعہ ہے۔ سواری خواہ اپنی ہو یا کرائے پر ہو جیسا کہ بعض ممالک سے حج وعمرہ کے لیے لے جانے والے بسوں کے کارواں اور قافلے ہوتے ہیں، یا پھر بحری و ہوائی جہاز ہیں، ان میں سے کسی بھی شکل میں سواری پر آنے والا خرچ موجود ہو۔

② امن:

ایسے ہی اہلِ علم نے ''استطاعتِ حج'' کی شرائط میں اس چیز کو بھی داخل کیا ہے کہ بیت اللہ شریف تک آنے جانے کا راستہ اور سفر پر امن ہو اور کسی جانی یا مالی نقصان کا خطرہ غالب نہ ہو۔ (الفتح الرباني: ١١/٤٢، ٤٣)

③ مُحرم:

اگر حج کرنے والی عورت ہو تو اس کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی بھی محرم ہو۔ محرم میں ہر وہ رشتہ دار مرد شامل ہے جس سے اس عورت کا نکاح حرام ہے جیسے باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ۔ سفرِ حج میں محرم کے ساتھ ہونے کے متعدد دلائل کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(190) بعض کی سندیں انتہائی ضعیف ہیں، اس لیے اس حدیث کو ابن المنذر، عبدالحق اشبیلی، نووی، ابن دقیق العید، ابن حجر اور البانی نے ضعیف کہا ہے مگر امام بیہقی نے مرسل حسن بصری کے پیشِ نظر اس کو قوی کہا ہے، اسی طرح شیخ شعیب نے ''تحقیق شرح السنۃ'' (۷/ ۱۴) میں کہا ہے کہ یہ حدیث کثرتِ شواہد کی بنا پر قوی ہے۔

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلَا تُسَافِرَنَّ الْمَرْأَةُ إِلَّا وَمَعَهَا مُحَرَّمٌ»[۲۴]

''کوئی (غیر محرم) مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت محرم کے بغیر کسی قسم کا کوئی سفر اختیار نہ کرے۔اس حدیث میں اس سفر کی مدت وغیرہ کا ذکر نہیں جبکہ بعض دیگر احادیث میں سفر کی مدت بھی مذکور ہے۔مثلاً صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنْهَا»[۲۵]

''اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی محرم کے بغیر ایک دن اور رات کی مسافت کا سفر کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شب وروز کا سفر ہو تو کوئی عورت محرم کے بغیر نہ نکلے جبکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

[۲۴] اس کو بخاری (۳۰۰۶، ۵۲۳۳) ''الجہاد والنکاح''، مسلم (۹/ ۱۰۹) ''الحج'' اور بیہقی نے ''سنن'' (۱۳۹/۳، ۵/ ۲۲۶، ۷/ ۹۰) اور ''الآداب'' (۷۵۰) میں، اسی طرح احمد (۱/ ۲۲۲) اور ابویعلی (۲۳۹۱) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی ایک روایت میں سفر کی بجائے حج کا ذکر ہے اور اس کو دارقطنی (۲/ ۲۲۲، ۲۲۳/ ۳۰) نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو بزار کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''الدرایۃ'' (۲/۴)

[۲۵] یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور اس کو مالک (۲/ ۹۷۹) بخاری (۱۰۸۸) ''تقصیر الصلوٰۃ''، طیالسی (۱/ ۱۲۴) اور احمد (۲/ ۲۵۰، ۲۵۱، ۳۴۰، ۳۴۷، ۴۳۷، ۴۴۵، ۴۹۳) نے روایت کیا ہے۔

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَراً يَكُوْنُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِداً إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ أَخُوْهَا أَوْ ذُوْمَحْرَمٍ مِنْهَا»[۲۶]

''اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا سفر اکیلی اختیار کرے جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، بیٹا، شوہر، بھائی یا کوئی دوسرا محرم ہو۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ کے الفاظ اس طرح ہیں:

«لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثاً إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ»[۲۷]

''کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔''

ان احادیث سے جو مجموعی مفہوم سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اول تو ایک شب و روز کی مسافت پر ہی کوئی عورت اکیلی سفر پر نہ نکلے اور اگر مزید وسعت سے بھی کام لیا جائے تو پھر تین دن یا اس سے زیادہ ایام کا سفر ہو تو عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم ہونا شرط ہے۔ اور حج تو اس سے کم مدت میں ممکن ہی نہیں کیونکہ اس کے لیے تو کئی ہفتے درکار ہوتے ہیں۔

---

[۲۶] اس حدیث کو مسلم (۹/ ۱۰۸) ابو داود (۱۷۲۶) ابن ماجہ (۲۸۹۸) دارمی (۲/ ۲۸۹) ابن خزیمۃ (۲۵۱۹، ۲۵۲۰) بیہقی (۳/ ۱۳۸، ۵/ ۲۲۷، ۷/ ۹۸) احمد (۳/ ۵۴ اور ابن المنذر نے ''الأوسط'' (۲/ ۳۰۶) میں روایت کیا ہے۔

[۲۷] اس حدیث کو بخاری (۱۰۸۷ أیضاً ۱۰۸۶) مسلم (۹/ ۱۰۲) ابو داود (۱۷۲۷) ابن خزیمۃ (۲۵۲۱) بیہقی (۳/ ۱۳۸، ۵/ ۲۲۷) احمد (۲/ ۱۳، ۱۹، ۱۴۲، ۱۴۳) اور ابن المنذر نے ''الاوسط'' (۲/ ۳۰۶) میں روایت کیا ہے۔

ایک وضاحت:

ایک شب وروز یا تین دنوں کا سفر بھی بقول امام بیہقی بظاہر مختلف لوگوں کے مختلف مقامات پر کیے گئے سوالات کے جوابات میں اکیلی عورت کے لیے منع فرمایا گیا ہے۔ مثلاً کسی نے سوال کیا کہ ایک دن کے سفر پر اکیلی عورت نکل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ کسی نے دو، تین یا اس سے زیادہ دنوں کے سفر کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ اور امرِ واقعہ کو سننے والوں نے انھی الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ شاید تین دن سے کم مسافت کے سفر پر اکیلی عورت کا نکلنا جائز ہوگا۔ ہرگز نہیں، بلکہ ابوداود کی ایک حدیث میں تو ایک ''برید'' یعنی نصف دن کا سفر بھی اکیلی عورت کے لیے منع کیا گیا ہے۔[۲۸]

اور حقیقت یہ ہے کہ مطلق مسافت جسے عرفِ عام میں سفر کہا اور سمجھا جاتا ہو اس کے لیے اکیلی عورت کا نکلنا منع ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ کے الفاظ میں صراحت پائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُسَافِرِ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ))[۲۹]

''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

---

۲۸ یہ نمبر (۲۵) میں مذکور حدیثِ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت ہے اور اس کو ابو داود (۱۷۲۵) ابن خزیمۃ (۲۵۲۶) اور حاکم (۱/ ۴۴۲) نے روایت کیا ہے اور اسے ابن خزیمۃ اور حاکم نے صحیح کہا ہے اس کی سند تو حسن درجہ کی ہے مگر اس میں لفظ ''برید'' محلِ نظر ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اور متن میں اضطراب ہے۔ ملاحظہ ہو: ''فتح الباری'' (۲/ ۵٦۸، ۵٦۹)

۲۹ اس حدیث کی تخریج نمبر (24) میں گزر چکی ہے۔

اور وہ عورت جو اس بھری دنیا میں اکیلی ہی رہ گئی ہو اور اس کا شوہر یا کوئی بھی محرم نہ ہو تو یہ صورت اگرچہ نادر ہی ہے مگر کہیں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے یا کم از کم ممکن ہے تو ایسی عورت سے فریضۂ حج ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ اس پر شرائطِ استطاعت پوری نہیں ہوتیں۔ البتہ بعض اہلِ علم نے ایسی مجبوری کی حالت میں اسے دوسری ثقہ عورتوں کی رفاقت میں فرض حج کی ادائیگی کی اجازت دی ہے مگر وہ اس شکل میں نفلی حج یا عمرہ کے لیے نہیں جاسکتی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: بلوغ الأماني: ٥/ ٨٥)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورت اکیلی بلا محرم سفرِ حج (فرض) اختیار کرسکتی ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ٢٩/١٢٠)

جبکہ بعض کبار علماء ومحدّثین نے دوسری ثقہ عورتوں کی رفاقت میں حج پر جانے کو بھی ناپسند کیا ہے اور اس کے کئی مفاسد بیان کیے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب ایسی لامحرم یا دوسری کوئی بھی عورت کسی غیر محرم مرد کے ساتھ عارضی طور پر نکاح کر کے اور پھر اسی عارضی نکاح میں سفرِ حج پر روانہ ہوجاتی ہے تو اس میں کئی قباحتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ عارضی نکاح، نکاح نہیں بلکہ ''متعہ'' ہے جو کہ اسلام میں حرام ہے۔ پھر ایسے عارضی محرم اور حقیقی نامحرم شخص کے ساتھ اس عورت کا اختلاط اور اٹھنا بیٹھنا بے حجابی و بے پردگی کا موجب ہوگا جو کہ ایک قطعی ممنوع فعل ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں: مناسك الحج والعمرة للألباني، ص: ٤٨، ٤٩، طبع جمعية إحياء التراث الإسلامي كويت)

ایک اہم سوال:

موجودہ ہوائی سفر کی سہولتوں کے پیشِ نظر ایسی صورت بھی سامنے آسکتی ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ یا بیوی یا کسی بھی محرم عورت کو کراچی یا ممبئی وغیرہ سے ہوائی جہاز پر سوار کرادیتا ہے اور جدہ میں اس خاتون کا شوہر، بیٹا، بھائی، یا کوئی دوسرا محرم رشتہ دار

موجود ہے جو ائیر پورٹ سے اسے اپنے ساتھ لے لیتا ہے۔اس طرح ہوائی سفر میں چند گھنٹے ایسے گزرتے ہیں جو کسی محرم کے بغیر ہوتے ہیں ۔ آیا یہ صورت جائز ہوگی اوراس طرح کیا ہوا حج درست ہوگا؟

جواب:

گزشتہ سطورمیں ''ایک وضاحت'' کے زیرِعنوان اس دنیا میں اکیلی رہ جانے والی عورت کی جوصورت گزری ہے وہ مجبوری کی حالت میں تھی کہ اس کا کوئی ''محرم'' موجود ہی نہیں۔اور پھراس صورت میں بھی عورت کو دوسری ثقہ عورتوں کے ساتھ حج پر جانے کی اجازت کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں بلکہ بعض نے اجازت دی ہے اوردوسرے اہل علم ممانعت کے قائل ہیں جبکہ یہاں ویسی کوئی مجبوری درپیش نہیں بلکہ محض ''خرچہ'' بچانے کی غرض ہے۔ کچھ بھی ہو:

أولاً: تو اس سفر کی ممانعت سابقہ احادیث میں سے اس حدیث کی رو سے واضح ہے جس میں مطلق سفر سے اکیلی عورت کومنع کیا گیا ہے۔

ثانیاً: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) اپنی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' میں لکھتے ہیں کہ اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے کبار ائمہ وفقہاء کے نزدیک ''سفرِشرعی'' کے لیے تین دنوں کی مدت مطلوب نہیں بلکہ اتنی مسافت مطلوب ہے جسے انسان پیدل تین دن میں طے کرسکے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز کا یہ سفر اگرچہ چند گھنٹوں کا ہے لیکن ہے توسفرِ شرعی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مختصر وقت میں بھی نمازیں قصر پڑھی جائیں گی۔لہٰذا اس قلیل عرصہ میں بھی خواتین کے لیے شوہر یا کسی محرم کے ساتھ ہونا ضروری ہے، اور اس کے بغیر یہ سفر جائز نہ ہوگا۔ اور فقہاء نے ایک حد تک اس کی صراحت کی ہوئی ہے کہ عورت کے حق میں یہ شرط بھی معتبر ہے کہ اس کے

ساتھ کوئی محرم ہو جو شریکِ حج ہو یا پھر اس کا شوہر ہو۔ ان میں سے کسی ایک کے بغیر عورت کے لیے سفرِ حج درست نہیں۔ بشرطیکہ اس عورت کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دنوں یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو۔

(مختصر القدوری بحوالہ جدید فقہی مسائل، ص: ۱۲۹، ۱۳۰، طبع مجلس تحقیقات اسلامی، حیدر آباد، انڈیا)

④ جسمانی استطاعت:

استطاعت کی ایک قسم جسمانی استطاعت بھی ہے کہ انسان صحت مند اور تندرست و توانا ہو، یہاں تک کہ کم از کم وہ ہر قسم کی سواری، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریل گاڑی، بس، کار، اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر بآسانی سفر کر سکتا ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر خود اس کا سفرِ حج پر جانا واجب نہیں بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص سفرِ حج و عمرہ کرے گا جیسا کہ صحیحین اور سننِ اربعہ میں ہے:

«اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخاً كَبِيْراً لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ»[۳۰]

''بنو خثعم کی ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کا اپنے بندوں پر عائد کردہ فریضۂ حج میرے باپ پر عائد ہو چکا ہے مگر وہ نہایت ضعیف العمر بوڑھا ہے حتیٰ کہ وہ سواری پر بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔''

---

[۳۰] اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۵۹) بخاری (۵۱۳) مسلم (۹/ ۹۷) ابو داود (۹۔ ۱۸) ترمذی (۹۲۸) نسائی (۵/ ۱۱۸، ۱۱۹) ابن ماجہ (۲۹۰۹) دارمی (۲/ ۴۰) ابن الجارود (۴۹۷) ابن خزیمۃ (۳۰۳۰، ۳۰۳۳، ۳۰۳۶ ۳۰۴۲) بیہقی (۴/ ۳۲۸، ۳۲۹، ۵/ ۱۷۹) اور احمد (۱/ ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۵۱، ۳۲۹، ۳۴۶، ۳۵۹) نے روایت کیا ہے۔

حج بدل:

① مذکورہ بالا حدیث سے جہاں جسمانی استطاعت کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص (مردوزن) مالدار تو ہو اور باقی تمام شرائطِ استطاعت بھی پوری ہوں مگر دائمی مرض و کمزوری یا کبر سنی و بڑھاپے کی وجہ سے وہ خود سفرِ حج اور ادائے مناسک کی مشقت برداشت کرنے سے قاصر ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ خود تو حج کے لیے نہ جائے البتہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو اپنے خرچ پر حج کرنے کے لیے بھیج دے۔ اسے ''حجِ بدل'' کہا جاتا ہے۔

② حجِ بدل کی مشروعیت وجواز کی ایک دلیل تو حدیثِ مذکور ہے جبکہ ایک دوسری دلیل صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

«اَتَیٰ رَجُلٌ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ اُخْتِي نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ، وَإِنَّهَا مَاتَتْ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ» [31]

''ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ (حج کیے بغیر ہی) فوت ہوگئی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟ اس

---

(۳۱) اس حدیث کو بخاری (۱۶۹۹) "الإيمان والنذور" نسائی (۵/ ۱۱۶) ابن خزیمۃ (۳۰۴۱) ابن الجارود (۵۰۱) بیہقی (۵/ ۱۷۹، ۶/ ۲۷۷) طیالسی (۱/ ۲۴۸) اور احمد (۱/ ۲۳۹، ۲۴۰، ۳۴۵) نے روایت کیا ہے۔

تنبیہ: صاحبِ ''مشکوٰۃ'' نے اس حدیث کو مسلم کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر یہ مسلم میں نہیں ہے۔

نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا قرض (اس کی طرف سے حج) ادا کرو کیونکہ اللہ تو ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔''

④ حجِ بدل کی مشروعیت کی تیسری دلیل صحیح مسلم، سنن ابوداود اور ترمذی میں مذکور ہے۔ اس حدیث میں ایک عورت کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہے کہ میری ماں وفات پا گئی ہے اس حال میں کہ

«اِنَّهٗ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا؟ قَالَ: صُوْمِيْ عَنْهَا»

''اس پر ایک ماہ کے روزے باقی ہیں، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رکھ لو۔''

وہ مزید کہتی ہے:

«إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟»

''اس نے کوئی حج نہیں کیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟''

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«حُجِّيْ عَنْهَا»[۳۲] ''اس کی طرف سے تم حج کرو۔''

اس حدیث سے حجِ بدل کی مشروعیت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی مرنے والے پر کچھ روزے (نذر وغیرہ کے) باقی ہوں جو مرض الموت کی وجہ سے اس سے رہ گئے ہوں تو اس کے وارثوں پر ضروری ہے کہ اس کی طرف سے وہ روزے رکھیں تاکہ مرنے والا اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائے۔

⑤ حجِ بدل کی مشروعیت کی چوتھی دلیل سنن ابو داود اور ابن ماجہ میں ہے جسے شیخ

---

[۳۲] یہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس کو مسلم (۸/ ۲۵) ''الصوم'' ابو داود (۲۸۷۷) ''الوصایا'' ترمذی (۶۶۷، ۹۲۹) ''الزکاۃ والحج'' حاکم (۴/ ۳۴۷) بیہقی (۴/ ۲۵۶، ۳۲۵) اور احمد (۵/ ۳۴۹) نے روایت کیا ہے۔

البانی نے تحقیق المشکوٰۃ (۲/ ۷۷۶، حدیث: ۲۵۲۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَمِعَ رَجُلاً يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ. قَالَ: مَنْ شُبْرُمَةُ؟ قَالَ: أَخٌ لِي أَوْ قَرِيبٌ لِي، قَالَ: أَحَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟ قَالَ لَا: قَالَ: حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»[۳۳]

''نبی اکرم ﷺ نے کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ'' یعنی اے اللہ! میں شبرمہ کی طرف سے حج کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''شبرمہ کون ہے؟'' اس نے کہا: ''میرا بھائی یا قریبی عزیز ہے۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم اپنی طرف سے حج کر چکے ہو؟'' اس نے کہا: ''نہیں''، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔''

---

[۳۳] اس حدیث کو ابو داود (۱۸۱۱) ابن ماجہ (۲۹۰۳) ابن خزیمۃ (۳۰۳۹) ابن حبان (۹۶۲) ابن الجارود (۴۹۹) دارقطنی (۲/ ۲۷۰) بیہقی (۴/ ۳۳۶) ابو یعلی (۲۴۴۰) اور ابن عبدالبرّ نے ''التمہید'' (۹/ ۱۳۷، ۱۳۸) میں سعید بن جبیر کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابن خزیمۃ، ابن حبان، بیہقی، ابن عبدالبرّ اور نووی نے ''المجموع'' (۷/ ۱۱۷) میں صحیح کہا ہے۔ بعض راویوں نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے، امام احمد بن حنبل، طحاوی اور ابن المنذر نے اسی موقوف ہی کو ترجیح دی ہے جبکہ عبدالحق اشبیلی، ابن القطان اور ابن حجر نے مرفوع کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو: "تلخيص الحبير" (۲/ ۲۲۳) مرفوع کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ طبرانی نے "المعجم الصغير" (۱/ ۲۲۶) میں اس حدیث کو ابن عباس سے عطاء کے واسطے سے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے اس سند کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: "إرواء الغليل" (۴/ ۱۷۲) دارقطنی اور بیہقی نے اس کو دوسرے طُرق سے بھی مرفوعاً بیان کیا ہے مگر یہ طُرق ضعیف ہیں۔

حجِ بدل کی شرائط:

سابقہ چاروں احادیث میں مذکورہ واقعات سے جہاں ''حجِ بدل کے جواز ومشروعیت'' کا پتہ چلتا ہے وہاں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ مرد کے بدلے میں عورت اورعورت کے بدلے میں مرد بھی حج کرسکتا ہے ۔ کیونکہ پہلی حدیث والے واقعہ میں قبیلۂ بنوخثعم کی عورت اپنے باپ کی طرف سے حجِ بدل کی اجازت طلب کرتی ہے ۔ دوسری حدیث میں مذکور واقعہ ایک مرد سے تعلق رکھتا ہے جس نے اپنی ہمشیرہ کی طرف سے حجِ بدل کرنے کی اجازت چاہی ۔ تیسری حدیث میں ایک عورت اپنی ماں کی طرف سے حجِ بدل کرنے کی اجازت کی طلب گار ہے، اور چوتھی حدیث میں ایک مرد، کسی دوسرے مرد کی طرف سے حاضر ہوا ہے ۔ اورچاروں کو نبی کریم ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ اگر چہ چوتھے کوحکم فرمایا کہ پہلے خود اپنی طرف سے حج کرنا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ ہرگز ضروری یا شرط نہیں ہے کہ مرد کی طرف سے صرف مرد ہی حجِ بدل کرے اورعورت کی طرف سے صرف عورت ۔ بلکہ حجِ بدل کی کل چار ہی شکلیں ہوسکتی ہیں :

١ مرد کی طرف سے عورت۔ ٢ عورت کی طرف سے مرد۔
٣ عورت کی طرف سے عورت۔ ٤ مرد کی طرف سے مرد۔

یہ چاروں شکلیں ہی جائز اور ثابت ہیں۔ ان چاروں شکلوں میں سے پہلی دو کے بارے میں مرد وعورت کے احکامِ حج میں فرق ہونے کی بنا پر شبہ ہوسکتا تھا، جو اِن احادیث نے رفع کردیا ہے ۔ اور رئیس المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تو اپنی صحیح میں چند باب ہی اس طرح ذکر کیے ہیں:

١ ''بَابُ الْحَجِّ وَالنُّذُوْرِ عَنِ الْمَيِّتِ، وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ''

''فوت شدہ کی طرف سے حج کرنے اوراس کی مانی ہوئی نذر پوری کرنے کا بیان۔ اورعورت کی طرف سے مرد کے حج کرنے کا بیان۔''

۲ ''بَابُ حَجِّ الْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ''

(صحيح البخاري مع فتح الباري: ٤ / ٦٤، ٦٧ طبع دار الإفتاء السعودية)

''مرد کی طرف سے عورت کے حج کرنے کا بیان۔''

البتہ حجِ بدل کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ اگر یہ کسی زندہ کی طرف سے ہوتو پھر یہ کسی ایسے ضعیف العمر بوڑھے، دائمی مریض اورلاغر وکمزور مرد یا عورت کی طرف سے کیا جائے جس کے تندرست وتوانا ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو اوروہ عمر رسیدہ یا کمزور ہونے کی وجہ سے کسی سواری پر بھی بیٹھا نہ رہ سکتا ہو جیسا کہ مذکورہ احادیث میں سے پہلی حدیث میں عورت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا ہے:

'' بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ لَا يَسْتَطِيعُ الثُّبُوتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ ''

(صحيح البخاري مع الفتح: ٤/ ٦٦)

''اس شخص کی طرف سے حجِ بدل کا بیان جوسواری پر بیٹھا نہ رہ سکتا ہو۔''

حجِ بدل کے لیے دوسری اہم شرط یہ ہے کہ حجِ بدل کرنے والا شخص پہلے اپنی طرف سے حج ادا کر چکا ہواوراس فریضہ سے پہلے خودسبکدوش ہو چکا ہو جیسا کہ سابقہ احادیث میں سے چوتھی حدیث میں مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک آدمی کو ((لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ)) پکارتے سنا تو پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور جب یہ بات آپ ﷺ کے علم میں آگئی کہ وہ اس کا بھائی یاقریبی رشتہ دار ہے تو آپ ﷺ نے دوسرا سوال کر دیا کہ آیا تم اپنی طرف سے حج ادا کر چکے ہو؟ اس نے بتایا: نہیں، تو آپ ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو۔ پھر اپنے

کسی بھائی یا قریبی رشتے دار کی طرف سے حج کرنا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حجِ بدل صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو پہلے اپنی طرف سے حج کر کے اس فریضہ سے خود سبکدوش ہو چکا ہو۔

روانگی سے قبل چند اہم امور

یہاں چند ایسے اہم امور کی طرف نشاندہی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو حجاجِ بیت اللہ کا مدِّ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ حج کے مقبول ومبرور ہونے میں ان امور کا گہرا دخل ہے۔ یہ امور درج ذیل ہیں:

① تقویٰ:

ہر عازمِ حج کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرے اورمقدور بھرکوشش کرے کہ پورے سفرِ حج اورادائے مناسک کے دوران کسی ایسے کام کا ارتکاب نہ کرنے پائے جسے بحالتِ احرام اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے ممنوع قراردیا ہے مثلاً بیہودہ اورشہوانی افعال، لڑائی جھگڑا اور دیگر فسق وفجور۔ کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ [البقرة: ١٩٧]

''حج کے مہینے مقرر ومعلوم ہیں۔ پس جوشخص ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ لے تو شہوت کی باتیں، گناہ اور جھگڑا نہ کرے اور جو نیک کام تم کرو گے، اللہ کومعلوم ہو جائے گا۔''

ایسے ہی ''فضائل وبرکاتِ حج وعمرہ'' کے ضمن میں جو ایک حدیث گزری ہے

اس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ''جس نے حج کیا اور اس دوران اس سے کوئی شہوانی امر اور گناہ کا کام سرزد نہ ہو تو وہ شخص گناہوں سے ایسے پاک ہو کر لوٹا کہ گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔''

اس ارشادِ نبوی ﷺ سے بھی معلوم ہوا کہ دورانِ حج اِن افعال کا ارتکاب کرنا نہ صرف منع ہے بلکہ کفارۂ ذنوب کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بھی ہے اور حج کے مقبول ومبرور ہونے میں ایک مانع کی حیثیت رکھتا ہے۔

② توبہ:

ہر حاجی کو چاہیے کہ سفرِ حج پر روانگی سے قبل اپنے سابقہ تمام گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ کرلے کیونکہ سورۂ نور (آیت: ۳۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اور یاد رہے کہ پرخلوص توبہ وہ ہوتی ہے جس میں:

① گناہوں سے مکمل اور فوری اجتناب اختیار کیا جائے۔
② آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہدِ مصمم اور پختہ ارادہ کیا جائے۔
③ سابقہ گناہوں پر ندامت وشرمندگی کا اظہار کیا جائے۔[۳۴]

---

[۳۴] صحیح حدیث میں ہے: ((الندم توبة)) ''ندامت توبہ ہے۔'' یہ حدیث عبداللہ بن مسعود، انس، ابو ہریرہ، اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

ا۔ حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابن ماجہ (۴۲۵۲) ''الزھد'' طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/۳۳) میں، حاکم (۴/۲۴۳) طیالسی (۲/ ۷۷) احمد (۱/ ۳۷۶، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۳) ابو یعلی (۴۹۶۹، ۵۰۸۱، ۵۱۲۹، قضاعی (۱۳، ۱۴) خطیب بغدادی نے ''الموضح'' ⑲⓪

اگر توبہ کر لینے کے بعد اپنے آپ کو ان امور پر سختی سے پابند پائے تو سمجھ لے کہ اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ غفّار نے قبول کر لیا ہے اور اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے ہیں کیونکہ اس بات کی گواہی سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ»[35]

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔''

③ حقوق اور امانتوں کی ادائیگی:

اللہ کے گھر کی طرف روانگی سے پہلے دوسرے لوگوں کے حقوق اور امانتیں ادا کر دے۔ کسی پر کوئی ظلم وزیادتی کی ہو تو اس سے معافی مانگے۔ کسی سے کوئی قرضہ لیا ہوا ہو اور تاحال واجب الاداء ہو تو وہ دے کر جائے یا کم از کم لکھ کر یا ویسے ہی اپنے گھر والوں کو اچھی طرح سمجھا دے کہ فلاں شخص کی فلاں چیز میرے پاس امانت ہے یا

---

(190) (۱/ ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۰) اور مزی نے ''تہذیب الکمال'' (۹/ ۵۱۱م۵۱۳) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ حاکم، ذہبی اور بوصیری نے بھی مصباح الزجاجة (۱۵۲۱) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بزار (۳۲۳۹، زوائد) ابن حبان (۲۴۵۲) اور حاکم (۴/ ۲۴۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو طبرانی نے "المعجم الصغیر" (٦٩٨) میں روایت کیا ہے۔

[35] اس حدیث کو ابن ماجہ (۴۲۵۰) ''الزہد'' طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۰/ ۱۸۵) اور ''الدعا'' (۱۸۰۷) میں، سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۹۹) میں، ابونعیم نے ''حلیة الاولیاء'' (۴/ ۲۱۰) میں، قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (۱۰۸) میں اور خطیب نے ''الموضح'' (۱/ ۲۵۸) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند تو منقطع ہے مگر اس کے بعض شواہد ہیں جن کی بنا پر حافظ ابن حجر اور شیخ البانی نے اس کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: "سلسلة الأحاديث الضعيفة" (٦١٥-٦١٦)

اس سے میں نے اتنا قرض لیا ہے تاکہ بوقتِ ضرورت ومہلت وہ ادا کرسکیں۔ اس سلسلے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨]

''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس لوٹا دو۔''

④ خلوص وللّٰہیت:

سفرِ حج پر روانگی کے وقت اسے یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے اندر خلوص وللّٰہیت پیدا کرے۔ ویسے تو تمام اعمال میں ہی اخلاص قبولیتِ عمل کی بنیادی شرط ہے مگر خصوصاً حج وعمرہ کے اس جلیل القدر عمل کو ریا کاری، شہرت اور فخر ومباہات کا ذریعہ ہرگز نہیں بنانا چاہیے جیسا کہ بعض لوگ یہ غلط روش اختیار کرتے ہیں کہ گھروں کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے، دروازوں پر محرابیں بنائی جاتی ہیں، انھیں رنگ و روغن کیا جاتا ہے اور دروازے پر ''حج مبارک'' اور تاریخ وغیرہ لکھی جاتی ہے اور حاجی کو بہت بڑے جلوس کی شکل میں الوداع کیا جاتا ہے۔ یہ سب نمود ونمائش، ریا کاری و دکھلاوا اور فخر ومباہات نہیں تو اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ کریم کے متعدد مقامات پر ایسے افعال سے روکا اور اخلاص کی تعلیم دی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة: ٥]

''لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

⑤ مالِ حلال:

حج وعمرہ پر جانے کے لیے حلال وپاکیزہ مال استعمال کیا جائے جس میں حرام

کی آمیزش تک نہ ہو کیونکہ صحیح مسلم وسنن ترمذی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی مروی ہے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ، وَلَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّباً، وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ: ﴿يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّي بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ [المومنون: ٥١] وقال: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [البقرة: ١٧٢] »

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اورصرف حلال وپاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔ اور اللہ نے مومنوں کو بھی وہی حکم فرمایا ہے جو انبیاء ورسل کو فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: اے میرے رسولو! پاکیزہ وحلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، میں جانتا ہوں۔ اور ارشادِ الٰہی ہے: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دی ہیں وہ تم کھاؤ۔“

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کے اوصاف یوں تھے:

«يُطِيْلُ السَّفَرَ، اَشْعَثَ، اَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَقُوْلُ: يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟»[٣٦]

[٣٦] یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس کو مسلم (٧/ ١٠٠) ”الزکاۃ“ ترمذی (٢٩٨٩) ”التفسیر“ دارمی (٢/ ٣٠٠) ”الرقاق“ عبدالرزاق (٨٨٣٩) احمد (٢/ ٣٢٨) اور بیہقی نے ”الآداب“ (٤٨٤) میں روایت کیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث میں ہے: ”جو شخص مالِ حرام سے حج کے لیے جاتا ہے جب وہ «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ» کہتا ہے تو آسمان سے ایک منادی اسے نداء دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا ”لبیک“ کہنا مقبول نہیں۔ تیرا مال حرام کا ہے، تیرا زادِ سفر اور سواری مالِ حرام سے ہے۔“ (مختصراً) اس ⑲⓪

''وہ لمبا سفر کر کے آتا ہے، اس کے بال پراگندہ ہوتے ہیں، وہ گرد وغبار سے اٹّا ہوا ہوتا ہے، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یارب! یارب! کہتا ہے جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور اس کی ساری غذا بھی حرام سے ہے۔ بھلا ایسے شخص کی دعائیں کہاں سنی جائیں گی؟''

اس ارشادِ گرامی کو پیشِ نظر رکھ کر وہ لوگ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر سوچیں جن کے ذرائع روزگار ہی سراسر غیر شرعی ، غیر قانونی اور ناجائز وممنوع کاروبار ہیں ۔ ایسے کاروبار سے حاصل شدہ مال خرچ کر کے اس سے حج بھی کیا تو کیا حاصل؟ جبکہ وہ مقبول ومبرور نہ ہوا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اس حدیث شریف میں مذکور شخص کے واقعہ سے درسِ عبرت حاصل کریں جو سود پر ہی ہر کام کرتے ہیں حتیٰ کہ حج کرنے کے لیے بھی بینکوں سے لون (سودی قرض) لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ ان کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔

سود کی قباحت وشناعت، اس کا گناہ وانجام، رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع روزگار، ممنوع کاروبار اور حرام اشیاء کی تفصیل ہم اپنے ریڈیو پروگرام میں ذکر کر چکے ہیں اور وہ بھی الگ مستقل کتابی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

⑥ ممنوع زیب وزینت:

بعض حجاج کرام زیب و زینت کے زعم میں داڑھی کو خوب صاف کر کے (منڈوا کر) احرام باندھتے اور ''لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' پکارتے ہیں حالانکہ داڑھی منڈوانا یا مونڈنا تو عام حالات میں بھی فسق وگناہ ہے اور اس بات کا غالبًا ہر مسلمان کو

[190] حدیث کو بزار (۱۰۷۹) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند سلیمان بن داود یمامی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کامل ابن عدی (۳/ ۹۷۳) میں اسی معنی کی مگر مختصر ایک روایت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہ بھی ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

علم ہے کہ سنتِ رسول ﷺ بلکہ سنتِ انبیاء علیہم السلام داڑھی بڑھانا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم اور سنن نسائی شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، اِحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَاَوْفُوا اللُّحٰی»[٣٧]

''مشرکین کی مخالفت کرو۔ (اس طرح کہ) مونچھیں خوب کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔''

آرائش وزیبائش کی خاطر بعض حجاج سونے کی انگوٹھی یا چین پہن لیتے ہیں حالانکہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیل کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔ خاص انگوٹھی کے بارے میں تو صحیح بخاری ومسلم میں ایک حدیث موجود ہے جس میں مذکور ہے:

«نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ»[٣٨]

''نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے۔''

اسی طرح گلے میں سونے کی چین ڈالنا بھی ممنوع ہے۔ لہٰذا یہ دونوں کام (مردوں کے لیے انگوٹھی یا چین پہننا اور داڑھی منڈوانا) تو عام حالات میں بھی ممنوع

---

٣٧ اس حدیث کو بخاری (٥٨٩٢، ٥٨٩٣) ''اللباس'' مسلم (٣/ ١٣٧) ''الطہارۃ'' ابو عوانۃ (١/ ١٨٩) ابو داود (٤١٩٩) ''الترجل'' ترمذی (٢٧٦٣، ٢٧٦٤) ''الأدب'' نسائی (١/ ١٦، ٨/ ١٨١، ١٨٢) ''الطہارۃ والزینۃ'' احمد (٢/ ١٦، ١٥٦) اور بیہقی نے ''السنن'' (١/ ١٥١) اور ''الآداب'' (٦٩١) میں مختلف سندوں سے نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مسلم اور ابو عوانہ میں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں ''مشرکین'' کی بجائے ''مجوس'' کی مخالفت کا حکم ہے۔ ابو عوانہ میں حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں بھی مجوس کی مخالفت کا ذکر ہے۔

٣٨ اس حدیث کو بخاری (٥٨٦٤) مسلم (٤/ ٦٥) نسائی (٨/ ١٧٠-١٩٢) اور بیہقی نے ''الآداب'' (٦٥٨) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہیں، چہ جائیکہ حجاجِ کرام اور زائرینِ حرمین شریفین روانگی کے وقت اور بِرّ وتقویٰ کے اس سفر کے دوران ان کا ارتکاب کریں؟ بنا بریں اگر اس نیک سفر کو ایسے امور سے پاک نہ رکھا جائے تو حج وعمرہ کے مبرور ہونے کا معاملہ مخدوش ہو جائے گا۔

⑦ شرک وبدعات:

اس سلسلے کی ساتویں، آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس سفرِ مبارک کو شرک وبدعات کی تمام انواع واقسام اور آلائشوں سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ شرک وہ مرض ہے جو انسان کے تمام اعمال کو اکارت وضائع کر دیتا ہے۔ سورۂ انعام کے دسویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ جلیل القدر انبیاء ورسل علیہم السلام کے نام لے لے کر ان کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٩]

''اگر ان (انبیاء) نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان کے بھی تمام اعمال اکارت اور ضائع ہو جاتے۔''

اور خاص امام الانبیاء والرسل حضرت محمد رسول اللہ علیٰ نبینا وعلیہم السلام سے مخاطب ہو کر اِرشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الزمر: ٦٥]

''آپ کی طرف اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف وحی کی جا چکی ہے کہ اگر آپ بھی شرک کریں تو یقیناً آپ کا سارا عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اندازہ فرمائیں! شرک کے معاملے میں جب انبیاء ورسل علیہم السلام کو اس طرح خطاب فرمایا گیا ہے تو ان کے سامنے ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ ہمیں تو اور بھی زیادہ

احتیاط کے ساتھ اپنی ساری زندگی کو اس مرضِ خطیر سے محفوظ رکھنا چاہیے اور خصوصاً زائرین دیارِ مقدسہ کو اس سفرِ سعادت میں اپنے آپ کو شرک سے بچا کر رکھنا چاہیے۔

شرک کی طرح ہی اپنے آپ کو انواع واقسام کی بدعات سے بھی بچانا چاہیے اور ہر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیے جو بظاہر کتنا ہی بھلا معلوم کیوں نہ ہوتا ہو مگر اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے کچھ بتایا ہو نہ ہی خود کیا ہو ،اورخلفاء وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل سے بھی اس کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ کیونکہ ہر ایسا کام ''ایجادِ نو'' یا بالفاظِ دیگر ''بدعت'' شمار ہوگا بشرطیکہ اسے دین اور نیکی وثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ کیونکہ بدعات کی نہ صرف یہ کہ عند اللہ کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ صاحبِ بدعت کے لیے باعثِ وبال ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ٦٣]

''جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نہ آجائے۔''

اسی طرح صحیح مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ [وَفِي لَفْظٍ آخر] مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »[٣٩]

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔''

[اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:] ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی

---

[٣٩] یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔« مَنْ عَمِلَ عَمَلاً... » کے الفاظ سے یہ مسلم (١٢/ ١٦) "الأقضية" میں ہے۔ اور « مَنْ أَحْدَثَ... » کے الفاظ سے یہ بخاری (٢٦٩٧) "الصلح"، مسلم، ابو داود (٤٦٠٦) ''السنۃ'' اور ابن ماجہ (١٤) وغیرہ میں ہے۔ اس کی مفصل تخریج ہم "نزهة الخاطر تخريج روضة الناظر" میں کریں گے۔

ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔‘‘

جبکہ صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((... وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ [و في رواية النسائي]: ... وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ))[40]

’’...اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نو ایجاد کردہ ہیں اور دین میں ہر ایجادِ نو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے‘‘۔ (اور نسائی و ابن خزیمہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) ’’... ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔‘‘

سود وغیرہ کی طرح ہی شرک وبدعات کا موضوع بھی بڑی تفصیل سے طبع کروا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے ۔وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ لہٰذا یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: ’’قبولیتِ عمل کی شرائط‘‘ اور ’’ضمیمہ شکوک وشبہات کا ازالہ‘‘)

[40] یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو مسلم (۶/ ۱۵۳) نسائی (۳/ ۱۸۸، ۱۸۹) اور ابن ماجہ (۴۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ((وَكُلَّ ضَلَالَةٍ)) کے الفاظ ’’صحیح ابن خزیمۃ‘‘ وغیرہ میں بھی مروی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”القول المقبول في تخريج وتعليق صلوة الرسول ﷺ“ (ص: ۴۷، نمبر: ۲)

حج وعمرہ کے لیے روانگی
اور
عام آدابِ سفر

سفر حج وعمرہ کے لیے ہو یا کسی بھی دوسری غرض کے لیے، اس کا آغاز کرنے کے لیے اس کے کون کون سے اسلامی آداب ہیں؟ روانگی کے لیے کون سا دن اور کون سا وقت مناسب ہے؟

وسعت:

اس سلسلے میں حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی بھی دن کے کسی بھی وقت اور ہر چہار جانب سے کسی بھی طرف سفر کرنے سے ہمیں منع نہیں فرمایا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے بعض ضعیف العقیدہ لوگوں سے جو یہ بات سننے میں آتی ہے کہ فلاں دن کو فلاں سمت یا طرف سفر نہ کرنا ورنہ تم جس کام کے لیے جاؤ گے وہ پورا نہیں ہوگا بلکہ جیتی ہوئی بازی بھی ہار آؤ گے۔ مثلاً صوبہ پنجاب کے لوگوں میں سے بعض وہمی لوگوں کا کہنا ہے ؎

منگلوار نہ جاویں پہاڑ!!
جتی ہوئی بازی آویں ہار!!

''منگل کے روز شمال کی جانب سفر پر نہ نکلنا ورنہ جیتی ہوئی بازی ہار آؤ گے۔''

ایسے ہی ممکن ہے کہ دیگر علاقوں میں دوسرے نظریات پائے جاتے ہوں جبکہ ایسے نظریات وعقائد قطعاً بے سروپا، غیر اسلامی اور غلط وہم ہیں۔ آپ جب چاہیں اور جس جہت کو چاہیں سفر کر سکتے ہیں۔ شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں بلکہ اس میں وسعت ہے۔

اسوۂ حسنہ:

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے امام و پیشوا اور مطاع و راہنما ہیں۔ آپ ﷺ کا طرزِ عمل ہمارے لیے بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١]

''رسول اللہ کی ذاتِ گرامی تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

لہٰذا آپ ﷺ کے طرزِ عمل کو اختیار کرنے میں ہمارے لیے عزّ وشرف کے علاوہ اجر وثواب بھی ہے تو کیوں نہ ہم آغازِ سفر اور دیگر تمام دینی و دنیوی امور میں آپ ﷺ کے طرزِ عمل کو اپنائیں۔ اس طرح اپنا کام بھی ہوجائے اور نیکیاں بھی پائیں۔

مسنون ومستحب دن:

یوں تو کسی بھی دن سفر کا آغاز کیا جاسکتا ہے لیکن مسنون ومستحب یہ ہے کہ سفرِ حج وعمرہ بالخصوص اور دیگر اغراض کے لیے بالعموم جمعرات کے دن سفر شروع کیا جائے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«لَقَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخرُجُ فِي سَفَرٍ اِلَّا يَوْمَ الْخَمِيْسِ [وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيّ] أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ» ⑷①

⑷① اس حدیث کو بخاری (٢٩٤٩) سعید بن منصور (٢٣٨٠) اور سعید بن منصور سے ⑲⓪

''نبی اکرم ﷺ جمعرات کے سوا کسی دوسرے دن سفر پر کم ہی نکلا کرتے تھے۔'' [اور بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں]: ''نبی ﷺ جمعرات کو سفر پر نکلنا پسند فرماتے تھے۔''

اور اگر جمعرات کو نکلنا کسی وجہ سے ناممکن یا دشوار ہو تو پیر (سوموار) کا دن بھی مناسب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے پیر ہی کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ جیسا کہ کتبِ سیرت میں معروف ہے۔

مسنون ومستحب وقت:

یہ بھی مسنون ومستحب ہے کہ سفر علی الصبح شروع کیا جائے کیونکہ سنن ابو داود وترمذی اور سنن دارمی کی ایک جید سند والی حدیث میں حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِھَا»

دیکھیں: تحقیق المشکاۃ للألباني (٢/ ١١٤٤)

''اے اللہ! میری امت کے لیے صبح گاہی میں برکت عطا فرما۔''

---

(190) ابو داود (٢٦٠٥) نے، اسی طرح اس کو دارمی (٢/ ٢١٤) ابن خزیمۃ (٢٥٠٧) ابن ابی شیبۃ (١٢/ ٥١٦) بیہقی نے ''السنن'' (٥/ ٢٥٠، ٢٥١، ٩/ ١٥١) اور ''الآداب'' (٨٢٤) میں، طیالسی (١/ ١٢٣) احمد (٣/ ٣٥٦) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (٣٧٥) میں روایت کیا ہے۔

«كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّخْرُجَ ...» یہ الفاظ بخاری (٢٩٥٠) اور ''مسند احمد'' (٣/ ٤٥٥) کی ایک روایت کے ہیں۔ ان الفاظ سے اس کو طبرانی نے بھی ''الاوسط'' (١٣١٣) میں روایت کیا ہے۔ انھیں الفاظ سے یہ حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کو ابو یعلی نے ''معجم الشیوخ'' (٢٦٤) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ''عمرو بن حصین'' کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

اسی حدیث میں حضرت صخر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَكَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشاً بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ»

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ یا لشکر بھیجتے تو صبح کے وقت ہی بھیجتے تھے۔''

اور حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی بیان کرتے ہیں:

«وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِراً، فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ، فَأَثْرَىٰ وَكَثُرَ مَالُهُ»[۴۲]

[۴۲] ابن ماجہ (۲۲۳۶) ''التجارۃ'' دارمی (۲/۲۱۴) ''السیر'' ابن ابی شیبۃ (۱۲/ ۵۱۶) سعید بن منصور (۲۳۸۲) بیہقی (۹/ ۱۵۱، ۱۵۲) طیالسی (۱/ ۲۵۹) احمد (۳/ ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴/ ۳۸۴، ۳۹۰، ۳۹۰، ۳۹۱) عبد بن حمید "المنتخب من المسند" (۴۳۲) قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (۱۴۹۱، ۱۴۹۳) میں، مزی نے ''تہذیب الکمال'' (۱۳/ ۱۲۵، ۱۲۶) میں اور ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (۳/ ۱۷۵) میں عمارۃ بن حدید کے واسطے سے صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ عمارہ مجہول ہے۔ اس کو ابو حاتم، ابوزرعہ، ابن السکن، ذہبی اور حافظ ابن حجر نے مجہول کہا ہے۔ اور علی بن مدینی نے بھی اس کے مجہول ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "الجرح والتعديل" (۳/ ۳۶۲)، الكاشف (۲/ ۲۶۲) ميزان الاعتدال كلاهما للذهبي، تهذيب التهذيب (۷/ ۳۶۲)۔ حافظ ابن حبان کے اس کو "الثقات" میں ذکر کرنے سے خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیے کیونکہ ان کا مجہول راویوں سے حجت لینے کے بارے میں قاعدہ معروف ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عمارہ مجہول ہے لہٰذا شیخ البانی کا "تحقيق المشكوٰة" میں اس حدیث کی سند کو جید کہنا صحیح نہیں ہے مگر یہ حدیث صحیح یا حسن درجہ کی ہے کیونکہ یہ دوسری سندوں سے دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض حفاظ نے اس حدیث کے طُرق جمع کرنے کا اہتمام کیا تو جن صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے ان کی تعداد بیس کے قریب پہنچ گئی۔ (فتح الباري: ۶/۱۱۴) ان صحابہ میں علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان کی ⑲⓪

''حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے اور وہ اپنا مالِ تجارت بھی صبح کے وقت ہی روانہ کیا کرتے تھے (اسی کی برکت سے) وہ بہت بڑے مالدار ہوگئے تھے۔''

اوراگر علی الصبح نکلنا کسی وجہ سے ناممکن یا دشوار ہوتو پھر زوالِ آفتاب کے بعد روانہ ہونا بھی ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اورسنن ابو داود میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعاً وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ»[٤٣]

''نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں چار رکعتیں (مکمل) پڑھی اورعصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں (قصر) پڑھی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ زوالِ آفتاب کے بعد نمازِ ظہر مدینہ طیبہ میں ادا فرما کر سفر پر روانہ ہوگئے تھے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ سے تین میل باہر واقع مقام ''ذوالحلیفہ'' تک پہنچتے پہنچتے عصر ہوگئی اور وہاں پر آپ ﷺ نے قصر کر کے نمازِ عصر پڑھی، لہٰذا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے زوالِ آفتاب کے بعد نکلنا بھی ثابت ہے۔

رفیقِ سفر:

آدابِ سفر میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ کسی موحّد، متّبع سنت اور اخلاقِ عالیہ کے مالک انسان کو اپنا رفیقِ سفر منتخب کرلیں کیونکہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(190) حدیث کو ابن ابی شیبۃ، ابو یعلی (٤٢٥) (٤٢) بزار (١٢٤٨) اورعبداللہ بن احمد نے ''زوائد المسند'' (١/ ١٥٣، ١٥٤، ١٥٥، ١٥٦) میں روایت کیا ہے۔ بقیہ احادیث کی تخریج کے لیے ''مسند الشہاب'' (٢/ ٣٤١، ٣٤٣) اور ''مجمع الزوائد'' (٤/ ٦٤، ٦٥) دیکھیں۔

(٤٣) اس حدیث کو بخاری (١٠٨٩) مسلم (٥/ ١٩٩، ٢٠٠) ابو داود (١٢٠٢) ابوعوانہ (٢/ ٣٤٧) ترمذی (٥٤٦) اور دارمی (١/ ٣٥٤، ٣٥٥) نے روایت کیا ہے۔

((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ))[۴۴]

''اگر لوگوں کو تنہا سفر کرنے کی وہ قباحتیں معلوم ہوجائیں جنھیں میں جانتا ہوں تو کوئی سوار بھی رات کو اکیلا سفر پر نہ نکلے۔''

نمازِ سفر:

بعض لوگ سفر کا آغاز کرنے اور گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں جس کی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے ہیں اوراس کے لیے مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی اور ابن عساکر میں مطعم بن مقدام رحمہ اللہ سے مروی ایک مرفوع روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جس میں ہے:

((مَا خَلَّفَ اَحَدٌ عِنْدَ اَهْلِهِ اَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يَرْكَعُهُمَا عِنْدَهُمْ حِيْنَ يُرِيْدُ السَّفَرَ))[۴۵]

---

[۴۴] اس کو بخاری (۲۹۹۸) ترمذی (۱۶۷۳) ابن ماجہ (۳۷۶۸) دارمی (۲/ ۲۸۹) ابن خزیمہ (۲۵۶۹) ابن حبان (۲۷۰۴۔ تحقیق شعیب) ابن ابی شیبۃ (۱۵۴۸۶) بیہقی نے ''السنن'' (۵/ ۲۵۷) اور ''الأ داب'' (۸۰۶) میں، احمد (۲/ ۲۳، ۲۴، ۶۰، ۸۶، ۱۱۲، ۱۲۰) حمیدی (۶۱) اور عبد بن حمید نے ''المنتخب من المسند'' (۸۲۴) میں روایت کیا ہے۔

[۴۵] یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس پر مفصل کلام اوراس سلسلے کے بعض آثار کا ذکر ہم نے ''پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں'' کی مفصل تخریج میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: حدیث: ۱۳۰) جسے یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے والے مطعم بن مقدام اور انس رضی اللہ عنہ ہیں:

۱۔ حدیثِ مطعم کو ابن ابی شیبۃ (۱/ ۴۲۴۔ دار التاج) نے اور ابن ابی شیبۃ سے خطیب نے ''الموضح'' (۲/ ۴۰۵) میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو طبرانی نے ''المناسک'' میں اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ ابن علان نے ''الفتوحات الربانية'' (۵/ ۱۰۵) میں حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ اس کی سند تو صحیح ہے مگر حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ مرسل یا معضل روایت ہے اس لیے کہ مطعم بن مقدام تابعی یا اتباع تابعین ۱۹۰

''ارادۂ سفر کے وقت گھر میں پڑھی گئی دو رکعتوں سے بہتر اس کے اہل وعیال کے لیے دوسری کوئی چیز نہیں۔''

حالانکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب

---

(190) میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں ان کو طبقہ سادسہ میں شمار کیا ہے اور ان کے نزدیک یہ وہ طبقہ ہے جس کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہے۔ مزید تفصیل "تهذيب التهذيب" (۱۰/ ۱۶۰) اور "الفتوحات الربانية" میں دیکھیں۔

تنبیہ: امام نووی نے ''الأذکار'' (۱۹۴) میں ان کو صحابی کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''تہذیب'' میں کہا ہے کہ یہ سبقتِ قلم ہے۔

اسی طرح ''تخریج الأذکار'' میں بھی ان کا رد کیا ہے جیسا کہ ابن علان نے ذکر کیا ہے۔

دوسری تنبیہ: ''الأذکار'' میں مطعم کی بجائے ''المقطم'' ہے جو کہ صحیح نہیں۔

۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ انتہائی ضعیف حدیث ہے، اس میں دو رکعت کی بجائے چار رکعت کا ذکر ہے۔ اسے حافظ عراقی نے "تخريج أحاديث إحياء علوم الدين" (۲/ ۲۷۷) میں خرائطی کی ''مکارم الأخلاق'' کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ایک ایسا راوی ہے جس کا حال معلوم نہیں۔ اس کو حاکم نے بھی ''تاریخ نیسابور'' میں ''نصر بن باب'' کے ترجمہ میں روایت کیا ہے اور اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی ''تخریج الأذکار'' میں۔ دیکھیں: "الفتوحات الربانية" (۵/ ۱۰۷)

نصر بن باب متروک ہے، بلکہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے۔ ملاحظہ ہو: ''میزان'' (۴/ ۵۰) اس حدیث کو نصر نے اپنے شیخ سعید بن مرتاش سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ اس حدیث میں ہے کہ ان رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی جائے مگر یہ سخت ضعیف حدیث ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔ اس سلسلہ میں بعض آثار بھی ہیں:

۱۔ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''جب تم گھر سے نکلو تو دو رکعت ادا کرو۔''

۲۔ نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کہیں جانے کا ارادہ کرتے تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ان آثار کو ابن ابی شیبۃ (۱/ ۴۲۴) نے روایت کیا ہے۔ اثرِ علی رضی اللہ عنہ کی سند ضعیف ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی سند صحیح ہے۔

"الكلم الطيب" میں اسے صیغۂ تمریض سے ذکر کر کے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی تحقیق میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے، اسی طرح "سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة" میں انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
(الكلم الطيب، ص: ٩٣، الضعيفة: ١/ ٣٧٢، ضعيف الجامع: ٣/ ٩٣)
لہٰذا ان دو رکعتوں پر مشتمل نماز کی مشروعیت ثابت نہیں ہے۔

رات کے وقت اچانک گھر میں داخل نہ ہونا:

طویل عرصہ کے سفر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے آدابِ سفر میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ حتی الوسع رات کے وقت گھر میں نہ آیا جائے بلکہ دن کے وقت گھر میں داخل ہوں اور سیدھے گھر میں آنے کی بجائے پہلے مسجد میں جائیں اور وہاں دو رکعت نماز ادا کریں اور گھر پیغام بھیج دیں کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔

اس سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَاراً فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ لِلنَّاسِ))[46]

---

[46] اس حدیث کو بخاری (٣٠٨٨) "الجهاد" مسلم (٥/ ٢٢٧، ٢٢٨، ١٧/ ٩٠) "المساجد والتوبة" ابو عوانہ (٢/ ٢٦٨) ابو داود (٢٧٨١) "الجهاد" نسائی (٢/ ٥٣، ٥٤) "المساجد" بیہقی (٥/ ٣٦١) اور احمد (٣/ ٤٥٥، ٤٥٦، ٤٥٧، ٦/ ٣٨٦، ٣٨٧، ٣٨٨) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر اور ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی پر گھر جانے سے قبل مسجد میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ حدیث ابن عمر کو ابو داود (٢٧٨٢) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ حدیث ابو ثعلبہ کو حاکم (١/ ٤٨٨، ٤٨٩) ابو نعیم نے "حلية الأولياء" (٢/ ٣٠) میں اور ابن الأعرابی نے "القبلة والمعانقة والمصافحة" (١٩) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

”نبی اکرم ﷺ سفر سے واپسی پر دن کے وقت صبح کو (گھر) آتے تھے اور جب آپ ﷺ پہنچتے تو سب سے پہلے مسجد میں جاتے، وہاں دو رکعتیں نماز پڑھتے اور لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ جاتے تھے۔“

صحیح بخاری ومسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهٗ لَيْلاً وَكَانَ لَا يَدْخُلُ إلَّا غُدْوَةً أوْ عَشِيَّةً»[47]

”نبی کریم ﷺ رات کے وقت گھر نہیں لوٹا کرتے تھے۔آپ ﷺ صبح یا شام کو گھر میں داخل ہوتے تھے۔“

نیز صحیح بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

«إِذَا اَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقُ أَهْلَهٗ لَيْلاً»[48]

”جب تم میں سے کوئی طویل عرصہ تک غائب رہے تو وہ رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ لوٹے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے:

«كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، قَالَ لِيْ: اُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ»[49]

”میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو

---

[47] اس حدیث کو بخاری (۱۸۰۰)”العمرۃ“،مسلم (۷۰/۱۳)”الجہاد“اوربیہقی نے ”السنن“ (۲۶۱/۵)اور”الآداب“ (۸۲۲) میں روایت کیا ہے۔

[48] اس حدیث کو بخاری (۵۲۴۴)”النکاح“اورمسلم نے (۷۱/۱۳)”الجہاد“ میں روایت کیا ہے۔

[49] اس کو بھی بخاری (۴۴۳) ”المساجد“ بیہقی (۱۷۵/۹) اور احمد (۳۶۳/۳) نے روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا: ''مسجد میں داخل ہوکر دو رکعتیں ادا کرو۔''

ان مذکورہ احادیث سے واضح ہوگیا کہ جب کوئی شخص کچھ عرصہ گھر سے باہر رہ کر واپس لوٹے تو:

① گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں جائے اور دو رکعتیں ادا کرے۔

② ایسے وقت کا انتخاب کرے کہ گھر میں داخلہ صبح یا سرشام ہو۔

③ رات گئے اچانک گھر میں نہ جائے۔

رات کے وقت اچانک اپنے گھر میں داخل نہ ہونے کی مصلحتیں:

رات گئے اچانک گھر میں داخل نہ ہونے میں کئی مصلحتیں ہیں جن میں سے بعض کی طرف تو خود نبی اکرم ﷺ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی شخص بلا پیشگی اطلاع کے رات گئے اپنے گھر لوٹ آیا۔ بیوی کام کاج میں مصروفیت کی وجہ سے اپنے بدن اور کپڑوں کی خاطر خواہ صفائی نہیں رکھ سکی۔ ایسے میں عین امکان ہے کہ باہر سے آنے والے شوہر کا دل میلا ہو اور یہ ان کے ازدواجی تعلقات پر اثر انداز ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو نبی اکرم ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ اگر ناچار بلا اطلاع رات کو ہی گھر لوٹنے کی نوبت آجائے تو گھر میں داخل ہونے سے قبل انہیں اتنی مہلت ضرور دے کہ وہ صفائی ستھرائی سے فارغ ہوسکیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِذَا دَخَلْتَ لَيْلاً، فَلَا تَدْخُلْ عَلٰى أَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ، وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ ......»[50]

---

[50] اس حدیث کو بخاری (۵۲۴۶) "النکاح، باب طلب الولد" مسلم (۱۰/ ۵۴) "النکاح، باب استحباب نکاح البکر" (۱۳/ ۷۱، ۷۲) ''الجہاد'' اور ابو داود نے (۲۷۷۸) ''الجہاد'' میں روایت کیا ہے، اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

''اگر رات کو گھر میں داخل ہو تو اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تمھارے گھر والی زائد بالوں کی صفائی ستھرائی اور سر کے پراگندہ بالوں کی کنگھی پٹی نہ کر لے۔''

سبحان اللہ! بظاہر یہ بات اگرچہ معمولی ہی محسوس ہو لیکن حقیقت میں میاں بیوی کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا ایک زبردست راز لیے ہوئے ہے کہ نہ دلوں میں بال آئے نہ کشیدگی پیدا ہو اور نہ حالات خراب ہونے کی نوبت آنے پائے۔ اسی طرح شارحینِ حدیث نے رات کے وقت اچانک گھر میں داخل نہ ہونے کی کئی اور مصلحتیں بھی ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدایت پر عمل کرنے والے مسافر کے دل میں بال آتا ہے نہ اس کے اپنی بیوی پر بھرپور اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے اور نہ ہی ان کی خلوص ووفا سے معمور محبت میں کوئی فرق آتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري ۹/ ۳۳۹۔ ۴۳۲)

سفر کی دعائیں:

1. سفر کی تیاری کے امور سے فارغ ہو کر جب گھر سے نکلنے لگیں تو سنن ابی داود میں مذکور یہ دعا کریں:

«بِسۡمِ اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ»

''اللہ کا نام لے کر اور اس پر توکل کر کے (گھر سے نکل رہا ہوں) اور اس کی توفیق کے بغیر نہ نیکی کرنے کی ہمت ہے نہ بُرائی سے بچنے کی طاقت ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنے چیلوں کو بھی اس کا پیچھا چھوڑ دینے کی

ہدایت کر دیتا ہے۔“[51]

[2] مسافر کو الوداع کرنے کے لیے جو لوگ آئے ہوں وہ سب مسافر کے لیے ترمذی شریف میں مذکور یہ دعا کریں:

«اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ»

”میں تیرے دین و امانت اور خاتمۂ عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“

حضرت قزعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کام سے بھیجا اور بھیجتے وقت فرمایا:

«تَعَالَ حَتّٰى أُوَدِّعَكَ كَمَا وَدَّعَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَرْسَلَنِيْ فِيْ حَاجَةٍ لَهُ»[52]

”آؤ میں تمھیں اسی طرح الوداع کروں جس طرح مجھے نبی اکرم ﷺ نے اپنے کسی کام سے بھیجتے وقت الوداع کیا تھا۔“

اور پھر مذکورہ بالا دعا کی۔ تو گویا یہ دعا نبی ﷺ کی تعلیم فرمودہ ہے۔

[3] اس دعا کے ساتھ ہی الوداع کرنے والے مسافر کے لیے ترمذی شریف میں مذکور یہ مسنون دعا بھی کریں:

---

[51] یہ دعا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کو ابو داود (۵۰۹۵) ”الأدب“ ترمذی (۳۴۲۶) ”الدعوات“ نسائی نے ”عمل اليوم والليلة“ (۱۷۸) میں اور دیگر کئی ائمہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند تو ضعیف ہے مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج اور اس کے شواہد کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو: ”تخريج صلوٰة الرسول ﷺ“ (حدیث نمبر: ۶۷۶)

[52] اس حدیث کو ابو داود (۲۶۰۰) ”الجهاد“ ترمذی (۳۴۴۲، ۳۴۴۳) ”الدعوات“ نسائی نے ”عمل اليوم والليلة“ (۵۰۹) میں اور ابن خزیمة (۲۵۳۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے، اس کو ترمذی، ابن خزیمة، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

« زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوىٰ، وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ كُنْتَ »[۵۳]

''اللہ تعالیٰ تمھیں تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت سے نوازے، تمھارے گناہ معاف کرے اور بھلائی کو تمھارے لیے آسان کردے چاہے تم جہاں بھی رہو۔''

۴ سفر پر روانہ ہونے والا شخص اپنے گھر والوں اورالوداع کرنے کے لیے آئے ہوئے لوگوں کے لیے عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی وغیرہ میں مذکور یہ دعا کرے:

« اَسْتَودِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهٗ »[۵۴]

''میں تمھیں اس ذاتِ الٰہی کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد کی گئی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔''

۵ سفر پرروانہ ہونے والا شخص جب سوار ہونے لگے تو صحیح مسلم اور مسند احمد میں مذکور یہ دعا کرے:

« اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ » ﴿سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ »

[الزخرف: ۱۳، ۱۴]

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لیے مسخّر

---

[۵۳] اس حدیث کو ترمذی (۳۴۴۴) ابن خزیمۃ (۲۵۳۲) ابن السنی (۵۰۳) اور حاکم (۲/ ۹۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس کو حسن کہا ہے، اوراس کے بعض شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ صحیح ہے۔

[۵۴] یہ دعا ابن ماجہ (۲۸۲۵) ''الجہاد'' نسائی ''عمل الیوم واللیلۃ'' (۵۰۸) ''مسند احمد'' (۲/ ۴۰۳) اور ابن السنی (۵۰۶، ۵۰۸) میں ہے، اور یہ حسن درجہ کی ہے۔

(تابعدار) کیا ورنہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی، اور ہم سب اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

«اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْمَالِ وَالْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْمَالِ وَالْأَهْلِ»[55]

''اے اللہ! ہم آپ سے اس سفر میں نیکی وتقویٰ اور تجھے راضی کر دینے والے عملِ صالح کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس سفر کو آسان کر دے اور اس کی دوری کو سمیٹ دے۔ اے اللہ! اس سفر میں تو ہی میرا ساتھی ہے اور میرے اہل ومال کا محافظ بھی ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سفر کی مشقت، اہل ومال میں بُرے منظر اور نامرغوب انقلاب کے رونما ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔''

ہوائی جہاز، بس، کار، ریل گاڑی، اونٹ یا گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوتے وقت تو مذکورہ دعا ضرور کرلیں۔

[۶] اگر بحری جہاز یا کشتی پر سوار ہوں تو اس وقت سورۂ ہود میں مذکور یہ قرآنی دعا بھی کرلیں:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [هود: ٤١]

''اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا (ٹھہرنا) اللہ کے نام سے ہے۔ بے شک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

[55] اس حدیث کو مسلم (۹/ ۱۱۰، ۱۱۱) ''الحج'' ابو داود (۲۵۹۹) ''الجهاد'' اور احمد (۲/ ۱۵۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام نے تاریخ انسانی کے مشہور واقعہ ''طوفانِ نوح'' کے موقع پر اپنی کشتی میں سوار ہوتے وقت کی تھی۔ اس بنا پر یہ دعا کی جاسکتی ہے، البتہ اس دعا کی فضیلت کے بارے میں مسند ابی یعلی اور عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی کے حوالے سے جو حدیث بیان کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے:

((اَمَانٌ لِأُمَّتِي مِنَ الْغَرَقِ اِذَا رَكِبُوْا أَنْ يَّقُوْلُوْا ......))[56]

''میری امت کے لیے غرق ہونے سے تحفظ اس میں ہے کہ جب وہ سوار ہونے لگیں تو یہ دعا پڑھ لیں ......''

یہ روایت ضعیف اور من گھڑت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صیغۂ تمریض سے نقل کر کے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ علاّمہ البانی نے اس روایت کو ''ضعيف جدا بل هو موضوع'' قرار دیا ہے کہ یہ سخت ضعیف بلکہ موضوع و من گھڑت ہے۔ (الكلم الطيب لابن تيمية مع تحقيق الألباني، ص: ٩٧)

---

[56] یہ حدیث حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حدیثِ حسین کو ابن عدی (۷/ ۲۶۵۵، ۲۶۵۶) ابن السنی (۵۰۱) طبرانی نے ''الدعاء'' (۸۰۳) میں اور ابو یعلی (۶۷۸۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ''یحییٰ بن العلاء'' ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: یہ کذاب ہے اور احادیث گھڑتا ہے۔ اسی طرح وکیع نے بھی اس کو کذاب کہا ہے اور دیگر کئی ائمہ نے اس کو ''متروک'' کہا ہے۔

حافظ ہیثمی نے اس کو یحییٰ کی بجائے ابویعلی کے شیخ جبارہ بن مغلس کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ اور یہ ان کا تساہل ہے کیونکہ انھوں نے ایک کذاب راوی کی بجائے ایک ضعیف راوی سے اس کو معلول کیا ہے۔

حدیثِ ابن عباس کو طبرانی نے ''الدعاء'' (۸۰۴) اور ''المعجم الكبير والأوسط'' میں (جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے) روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی علی بن سعید کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

دورانِ سفر:

صحیح بخاری شریف میں مذکور ایک حدیث کی رو سے مسافرین کیلئے سنت یہ ہے کہ جب وہ کسی اونچائی کی طرف چڑھیں تو ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہیں اور جب گہرائی کی طرف اتریں تو ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہیں، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا))[۵۷]

''جب ہم اونچائی کی طرف چڑھتے تو ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے اور جب گہرائی کی طرف اترتے تو ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہتے تھے۔''

---

۵۷ اس حدیث کو بخاری (۲۹۹۳، ۲۹۹۴) دارمی (۲/ ۲۸۸) نسائی نے "عمل الیوم واللیلة" (۵۴۲) میں اور طبرانی نے ''الدعاء'' (۸۵۱) میں روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ احمد (۳/۳۳۳) نسائی (۵۴۱) ابن السنی (۵۱۷) اور دارقطنی (۴/۲۳۳) میں یہی حدیث حسن بصری کے واسطے سے جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس میں یہ صراحت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ کہا کرتے تھے۔ ابو داود (۲۵۹۹) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث میں ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لشکر اونچائی پر چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' اور گہرائی میں اترتے ہوئے ''سبحان اللہ'' کہتا۔'' بظاہر تو یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے مگر حقیقت میں یہ ابن جریج کا قول ہے، لہٰذا اس حدیث میں یہ جملہ معضل سند سے ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: "شرح الأذکار لابن علان" (۵/ ۱۴۰) احمد (۲/ ۳۲۵) ترمذی (۳۴۴۵) اور ابن ماجہ (۲۷۷۱) وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ میں سفر پر جانا چاہتا ہوں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تجھے اللہ سے ڈرنے اور ہر اونچائی پر تکبیر کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔'' یہ حدیث حسن درجہ کی ہے اور امام ترمذی نے بھی اس کو حسن کہا ہے۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور یہ مسلم کی شرط پر ہی ہے۔

ایسے ہی جہاں رات بسر کریں، کوئی شہر دیکھیں، صبح طلوع ہو، شام کی تاریکی ڈیرے ڈالنے لگے تو ان تمام مواقع کے لیے بھی دعائیں ہیں، وہ سب بھی کسی صحیح سند سے ثابت شدہ مسنون دعاؤں والی کتاب سے یاد کر لینی چاہییں۔ ایسی کتابوں سے ہماری نظر میں سب سے بہترین کتاب "صحيح الكلم الطيب" ہے جو کہ دراصل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الكلم الطيب" کا اختصار ہے۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے پہلے اس کتاب کی تخریج وتحقیق کی، جو شائع شدہ ہے، پھر انھوں نے اس کتاب میں مذکور صحیح سند سے ثابت شدہ دعاؤں کو مستقل شکل میں "صحيح الكلم الطيب" کے نام سے شائع کیا۔ مذکورہ کتاب کی اسی خصوصیت کے پیش نظر ہم نے اسے اردو داں طبقہ کے لیے اردو کے قالب میں ڈھال کر اور طویل ضمیمہ شامل کر کے "مسنون ذکرِ الٰہی" کے نام سے شائع کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

ایسے ہی ہمارے ایک مصری فاضل شیخ ابو عبیدہ عبدالعزیز الماجد (موظف الشئون الإسلامية بوزارة الدفاع، أبو ظهبى) کی کتاب "صحيح الأذكار" بھی ہے جو انتہائی معیاری اور اول الذکر کتاب سے دو یا سہ گنا زیادہ ضخیم بھی ہے۔ یہ کتاب ابوظہبی سے شائع ہوئی ہے۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں حضرت العلّام مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کی کتاب "پیارے رسول کی پیاری دعائیں" بھی نہایت عمدہ ہے۔ عربی زبان میں امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب "الاذکار" اور اردو میں مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کی کتاب "اسلامی وظائف" دونوں اپنے موضوع کی ضخیم کتابیں ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب "الاذکار" پر تو شیخ عبدالقادر ارناؤوط نے تحقیقی کام بھی کیا ہے اور یہ کتاب ان کی تحقیق وتخریج کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ البتہ آخر الذکر کتاب "اسلامی وظائف" بھی دورِ حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق تحقیق

وتخریج کے ساتھ شائع ہوجائے تو پھر مفید تر ہوجائے گی۔ اب دیکھیں کہ یہ سعادت کس کے مقدر میں لکھی ہے۔ ﴿۵۸﴾

المختصر سارا سفر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں ، قصر وجمع یا صرف قصر کر کے اوقاتِ مقررہ پر باجماعت نمازیں ادا کرتے جائیں ۔ لایعنی اور فضول گفتگو سے پرہیز کریں۔ یہ طرزِ عمل صرف سفرِ حج یا عام سفر میں ہی نہیں بلکہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ضروری ہے کہ لایعنی امور اور فضول گوئی سے اجتناب کیا جائے ۔ یہ کسی مسلمان کے ''حُسنِ اسلام'' کی علامت ہے جیسا کہ سنن ترمذی وابن ماجہ ، موطاامام مالک اور مسند احمد میں حدیث ہے :

((مِنُ حُسُنِ اِسُلَامِ الُمَرُءِ تَرُکُهٗ مَا لَا یَعُنِیهِ)) ﴿۵۹﴾

﴿۵۸﴾ اب اس کتاب کی تخریج بھی مولانا بستوی کے فاضل فرزند مولانا عبدالرحمٰن نے کردی ہے۔ [اور اب حال ہی (۲۰۱۱) میں مکتبہ اسلامیہ، لاہور کی طرف سے اس کا جدید ایڈیشن تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہوا ہے]

﴿۵۹﴾ یہ صحیح حدیث ہے۔اس کو ابوہریرہ، حسین بن علی، زید بن ثابت، ابوبکر، علی بن ابی طالب اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔اسی طرح یہ علی بن حسین (معروف بہ زین العابدین) سے مرسلاً بھی مروی ہے:

۱۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترمذی (۲۳۱۷) ''الزھد'' ابن ماجہ (۳۹۷۶) ''الفتن'' طبرانی نے ''الاوسط'' (۳۶۱) میں، بیہقی نے ''الآداب'' (۱۰۱۲) میں اور قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (۱۹۲) میں روایت کیا ہے۔ ابن عدی (۴/ ۱۵۸۸) ابن ابی الدنیا نے "الصمت و آداب اللسان" (۱۰۸) میں اور ابوالشیخ نے "طبقات المحدثین" (۴/ ۲۸۷) میں اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔اسی طرح ابن ابی الدنیا (۷۵۰) نے اس کو تیسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں۔

۲۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کو احمد (۱/ ۲۰۱) عقیلی (۲/ ۹) ابن عدی (۳/ ۹۰۷، ۶/ ۲۳۴۱) طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۲/ ۱۱۱) میں، ابن جمیع نے ''معجم الشیوخ'' ﴿۱۹۰﴾

''لایعنی امور اور فضول گفتگو کو ترک کردینا آدمی کے حسنِ اسلام کی علامت ہے۔''

پیدل حج...؟

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ بعض لوگ پیدل جا کر حج وعمرہ ادا کرنا زیادہ کارِثواب سمجھتے ہیں ۔مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ اگر چہ من کلّ الوجوہ نہیں تو من بعض الوجوہ غلط ہے:

① نبی اکرم ﷺ کا عملِ مبارک ہمارے سامنے ہے جو کہ افضلیت کی دلیل بھی ہے اور یہ بات بلااختلاف معروف ہے کہ آپ ﷺ نے پیدل نہیں بلکہ سواری پر جا کر حج وعمرہ ادافرمایا تھا۔

② سواری پر حج کے لیے جانا دعا وابتہال اورذکرِ الٰہی کی کثرت میں معاون ہوتا ہے۔ پیدل سفر کرنے والا تھکن سے چور، ان امور میں سے کیا بجا لائے گا؟

③ منفعت بھی اسی میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک پیدل جانے

---

⑲ (۲۱۷) میں اور قضاعی (۱۹۴) نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیثِ زید بن ثابت کو طبرانی نے "المعجم الصغير" (۲/ ۴۳) میں اور قضاعی نے روایت کیا ہے۔

۴۔ حدیثِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شیخ شعیب نے ''الکنی للحاکم'' کی طرف، حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کو ''تاریخ حاکم'' اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ''ابن عساکر'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: "تحقيق رياض الصالحين" للشيخ شعيب الأرناؤوط (۷۳)۔

۵۔ زین العابدین کی مرسل روایت کو مالک (۲/ ۹۰۳) بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۴/ ۲۲۰) میں، ترمذی (۸/ ۲۳) عبدالرزاق (۷/ ۲۰۶) عقیلی، ابن ابی الدنیا (۱۰۷) اور قضاعی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔امام نووی نے اس حدیث کو ''ریاض الصالحین'' ''الاذکار'' (۳۶۳) اور ''الاربعون'' (ص: ۱۰۵۔ شرح ابن رجب) میں حسن کہا ہے۔ شیخ شعیب نے شواہد کی بنا پر اس کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے بھی ⑲

کی بجائے سوار ہوکر جانا اور حج وعمرہ کرنا افضل ہے۔ (فقه السنه: ١/ ٦٤٠)

④ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى شَيْخاً يُهَادَىٰ بَيْنَ ابْنَيْهِ قَالَ: مَا بَالُ هَذَا؟ قَالُوا: نَذَرَ أَنْ يَّمْشِيَ، قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَّرْكَبَ)) [٦٠]

''نبی ﷺ نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے کندھوں کے سہارے چل رہا تھا تو آپ ﷺ نے پوچھا: اسے کیا ہے؟ اس کے لڑکوں نے بتایا: اس نے نذر مان رکھی ہے کہ پیدل (کعبہ شریف تک) جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اپنے آپ کو عذاب دینے سے اللہ کی ذات غنی ہے۔ پھر اسے حکم فرمایا کہ سوار ہوکر سفر کرے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

---

[190] ''صحیح الجامع'' (٥٧٨٧) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

[٦٠] ا۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بخاری (١٨٦٥، ٦٧١) مسلم (١١/١٠٢) ابو داود (٣٣٠١) ترمذی (١٥٣٧) نسائی (٧/ ٣٠) سب نے ''کتاب الایمان والنذور'' اور بخاری نے ''جزاء الصید'' میں بھی، ابن الجارود (٩٣٩) ابن خزیمة (٣٠٤٤) طبرانی نے ''الاوسط'' ٣٠٠) میں اور بیہقی (١٠/ ٧٨) نے روایت کیا ہے۔

٢۔ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلم (١١/ ١٠٣) ابن ماجہ (٢١٣٥) ابن خزیمة (٣٠٤٣) اور بیہقی (١٠/ ٧٨) نے روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ الفاظ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بوڑھے کو سوار ہونے کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: ((فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ)) ''اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے۔'' نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ حدیث صرف مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔

نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم نہیں فرمایا جس کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ پیدل کی بہ نسبت سوار ہوکر حج کرنا افضل ہے، اور پیدل چلنے کی نذر ترکِ افضل کو لازم کرتی ہے لہٰذا اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ۔ یا پھر اس لیے کہ وہ اپنی نذر پوری کرنے سے عاجز آچکا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اسے سوار ہونے کا حکم فرمایا۔ اس واقعہ میں یہی وجہ زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ (فتح الباري: ٤/٦٩)

معلوم ہوا کہ عام ارادۂ سفر تو کجا نبی اکرم ﷺ نے تو پیدل چل کر جانے کی نذر ماننے والے کو بھی اس کے پورا کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داود و بیہقی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ایک عورت کے پیدل کعبہ شریف تک جانے کی نذر ماننے کا واقعہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے یہ نذر مان لی اور نبی ﷺ سے فتویٰ پوچھنے کے لیے اپنے بھائی کو بھیجا، وہ گئے تو ان کے استفسار پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لِتَمْشِ وَ لْتَرْكَبْ)) [61]

''جتنا چل سکتی ہے چل لے اور (پھر) سوار ہو جائے۔''

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس نذر کے پورا نہ کرنے پر تین دن کے روزے (نذر پوری نہ کر سکنے کے کفارہ کی ایک شکل) کا حکم فرمایا۔

۵ آج جب سواریاں عام اور سستی بھی ہیں جو کہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں، تو انھیں چھوڑ کر پیدل سفرِ حج اختیار کرنا اگر کفرانِ نعمت نہیں تو کم از کم یہ شکرانِ نعمت بھی نہیں، اور اس پر مستزاد یہ کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں کوئی شخص اگر حج و عمرہ کے طویل سفر پر کسی ملک سے پیدل نکلے گا تو یہ دور دراز کا سفر اس کے عمل کو صحافت (میڈیا) کی اپروچ سے نہیں بچا سکے گا۔ نتیجتاً اس میں

---

[61] تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباری (۴/ ۷۹، ۸۰، ۱۱/ ۵۸۸، ۵۸۹)

نمود ونمائش اورریا کاری کے عنصر کے شامل ہوجانے کا خدشہ بھی ہوگا جیسا کہ ماضی قریب میں متحدہ عرب امارات کے شہر اور دارالخلافہ ابوظہبی سے کوئی شخص پیدل حج پر روانہ ہوا تھا تو اس کی اور اس کے سامان والی ٹرالی کی تصاویر اور روودادِ سفر وہاں کے ایک عربی روزنامے میں شائع ہوئیں۔ ہاں البتہ اس سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص بیت اللہ شریف سے زیادہ دوری پرنہیں اوروہاں تک جانے کے لیے سواری نہیں یا اس کے پاس کرایہ نہیں تو وہ پیدل حج کرلے اور اگر دوری پر ہے اورسواری یا کرایہ نہیں تو اس پر حج فرض ہی نہیں جیسا کہ ''مفہومِ استطاعت'' کے ضمن میں ''زادِ راہ اورسواری'' کی شرط اوراس کی تفصیل مذکور ہے۔

لیکن اگر حج وعمرہ کرنے والا مکہ سے دوری پر ہے اورسواری بھی موجود ہے یا کرایہ ادا کرسکتا ہے،اس کے باوجود زہد وتقویٰ کے زعم میں وہ پیدل سفرِ حج پر مصرّ ہے تو پھر وہ اپنی مرضی سے اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کررہا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدرومنزلت نہیں بلکہ وہ اس سے غنی وبے نیاز ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ کے الفاظ:((اِنَّ اللّٰہَ عَنْ تَعْذِیْبِ ھٰذَا نَفْسَہٗ لَغَنِیٌّ)) سے واضح ہورہا ہے۔

مواقیتِ حج وعمرہ

مواقیت جمع کا صیغہ ہے جس کا مفرد ''میقات'' ہے۔ حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے وقت اور جگہ کو میقات کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے میقات کی دو قسمیں ہیں:

① میقاتِ زمانی۔ ② میقاتِ مکانی۔

① میقاتِ زمانی:

میقاتِ زمانی ان اوقات اور مہینوں کو کہا جاتا ہے جن میں احرام باندھا اور حج وعمرہ کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص صرف عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہے تو اِس کیلئے سال کے کسی بھی مہینہ اور کسی بھی وقت احرام باندھا جاسکتا ہے، اس کیلئے کوئی مہینہ، دن یا وقت مقرر نہیں ہے۔ (الفتح الرباني: ١١ / ٥١- ٥٨)

اب رہا معاملہ حج وعمرہ کی ایک ساتھ سعادت سے بہرہ ور ہونے کا تو اس کے لیے مہینے مقرر ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ (آیت: ١٨٩) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾

''لوگ آپ سے چاند کی مختلف شکلوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ یہ لوگوں کے امور اور حج کے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔''

اور آگے چل کر سورۃ البقرۃ (آیت: ١٩٧) ہی میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ ''حج کے مہینے مقرر ہیں۔''

ان مقررہ مہینوں کا ذکر صحیح بخاری شریف میں موجود ہے کہ وہ شوال، ذوالقعدہ اور عشرۂ ذوالحج ہیں۔[62]

② میقاتِ مکانی:

میقاتِ مکانی سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں سے حج وعمرہ کے لیے احرام باندھا جاتا ہے اور احرام باندھے بغیر حُجاج وعُمار کا وہاں سے گزرنا جائز نہیں۔ میقاتِ مکانی کے لیے نبی کریم ﷺ نے پانچ مختلف جگہیں مقرر فرمائی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

---

(62) یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور امام بخاری نے اس کو تعلیقاً (بلا سند) ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے ''مسند'' (۱۲۱) میں، حاکم (۲/ ۲۷۶) دارقطنی (۲/ ۲۲۶) اور بیہقی (۴/ ۳۴۲) نے اس کو موصولاً (سند کے ساتھ) روایت کیا ہے۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے۔ اور یہ ان سے تین چار سندوں سے مروی ہے۔ امام حاکم نے اپنی سند کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ کی یہی تفسیر ابن عباس، ابن مسعود اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ان کے یہ آثار دارقطنی اور بیہقی میں ہیں۔ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ کی یہ تفسیر بعض مرفوع روایات میں بھی آئی ہے۔ مرفوع روایات ابو امامہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ابوامامہ کی روایت کو طبرانی نے ''الاوسط'' (۱۶۰۷) اور ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۶۶) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند معین بن مخارق کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ''تفسیر'' (۱/ ۲۴۳) میں اس کو ابن مردویہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو موضوع کہا ہے۔ ابن عمر کی روایت کو سیوطی نے ''الاوسط طبرانی'' اور ابن عباس کی روایت کو ''خطیب'' کی طرف منسوب کیا ہے دیکھیں: "الدر المنثور" (۱/ ۵۲۴) ان دونوں روایتوں کی اسنادی حیثیت کیسی ہے؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ.

«وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُوالْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، فَهُنَّ لَهُنَّ وِلِمَنْ أَتَىٰ عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهٗ مِنْ أَهْلِهٖ، وَكَذَاكَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا»[٦٣]

''رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنے کے لیے اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل اوراہلِ یمن کے لیے یلملم کے مقامات مقرر فرمائے۔ یہ مقامات ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان جگہوں سے گزر کر آئیں اورحج وعمرہ کا ارادہ بھی رکھتے ہوں اور جو ان جگہوں کی اندرونی جانب (مکہ مکرمہ کی طرف) رہنے والے ہیں وہ جہاں سے بھی چلیں وہیں سے احرام باندھ لیں حتیٰ کہ اہلِ مکہ اپنے شہر (اپنے گھروں) سے ہی احرام باندھ لیں۔''

اس حدیث میں چار مقامات کا ذکر ہے جبکہ ''ذاتِ عرق'' نامی میقات کا ذکر صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَالطَّرِيْقُ الْآخَرُ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ، وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ»[٦٤]

---

[٦٣] اس کو بخاری (۱۵۲۴، ۱۵۲۶، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۸۵۴) مسلم (۸/ ۸۳، ۸۴) اسی طرح ابو داود (۱۷۳۸) نسائی (۵/ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶) دارمی (۲/ ۳۰) ابن الجارود (۴۱۳) ابن خزیمۃ (۲۵۹۰۔ ۲۵۹۱) دارقطنی (۲/ ۲۳۷۔ ۲۳۸) بیہقی (۵/ ۲۹) طیالسی (۱/ ۲۰۸) اوراحمد (۱/ ۲۳۸، ۲۴۹۔ ۳۳۲۔ ۳۳۹) نے روایت کیا ہے۔

[٦٤] یہ حدیث مسلم (۸/ ۸۶) ابن ماجہ (۲۹۱۵) ابن خزیمۃ (۲۵۹۲) بیہقی (۵/ ۲۷) مسند احمد (۳/ ۳۳۶) اورمسند ابو یعلی (۲۲۲۲) میں ہے۔

’’اہلِ مدینہ کا میقات (جائے احرام) ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستے پر جحفه ہے اور اہلِ عراق کا میقات ذاتِ عِرق ہے اور اہلِ نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہلِ یمن کا میقات یلملم ہے۔‘‘

سنن دارقطنی میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں اہلِ عراق کے میقات ذاتِ عِرق کے علاوہ یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ جُحفہ اہلِ شام کی طرح ہی اہلِ مصر کا بھی میقات ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ، وَمِصْرَ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ»[۶۵]

’’نبی کریم ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لیے ذو الحلیفہ، اہلِ یمن کے لیے یلملم، اہلِ شام ومصر کے لیے جُحفہ اور اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عِرق کو میقات مقرر فرمایا۔‘‘

① ذوالحلیفہ:

یہ مدینہ منورہ کے لوگوں یا اس راستہ سے مکہ مکرمہ آنے والے حجاج کا میقات ہے جو آج کل ’’بئرِ علی‘‘ کے نام سے معروف ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے پانچ میل باہر مکہ مکرمہ کی طرف اور مکہ مکرمہ سے دس مراحل یا اسّی فرسخ یا دو سو چالیس میل یا چار سو تیس کلومیٹر دور ہے۔

---

⑥⑤ اس حدیث کو دارقطنی (۲/ ۲۳٦/ ۵) اسی طرح نسائی (۵/ ۱۲۳، ۲۲۵) ابن عدی (۱/ ۴۰۸) بیہقی (۵/ ۷۸) اور ابو یعلی نے بھی ”معجم الشیوخ“ (۱۰۳) میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ ابو داود (۱۷۳۹) میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف ’’ذاتِ عرق‘‘ کا ذکر ہے۔ اس حدیث کے کئی شواہد بھی ہیں جن سے اس کو تقویت ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو: ”تلخیص الحبیر“ (۲/ ۲۲۹)

② جُحفه:

یہ شام اور مصر وغیرہ سے آنے والے حجاج کا میقات ہے۔ آج کل یہ جگہ تو ویران ہوچکی ہے اس لیے لوگ اس کے قریبی مقام ''رابغ'' سے احرام باندھتے ہیں جو مکہ مکرمہ سے پانچ مراحل یا چالیس فرسخ یا ایک سو بیس میل یا دو سو ایک کلومیٹر دور ہے۔ شام ومصر کے علاوہ اندلس، الجزائر، لیبیا، روم اور مراکش وغیرہ کی طرف سے آنے والے لوگوں کا بھی یہی میقات ہے۔

③ قرنُ المنازل:

یہ اس مقام کا قدیم ومعروف نام ہے جسے صرف ''قرن'' بھی کہا گیا ہے۔ آج کل اس جگہ کو ''السیل الکبیر'' کہاجاتا ہے ۔ یہ نجد ،حجاز اور خلیجی مما لک سے خشکی کے راستے آنے والے عازمین حج وعمرہ کا میقات ہے۔ اسی جگہ کا ایک اور نام ''وادیٔ محرم'' بھی ہے اور یہ مکہ مکرمہ سے دو مراحل یا سولہ فرسخ یا اڑتالیس میل یا اسی کلومیٹر دور ہے۔

④ یلملم:

اس نام کے میقات والی جگہ آج کل ''سعدیہ'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ بھی مکہ شریف سے اتنی ہی دوری پر واقع ہے جتنی دوری پر ''قرن المنازل'' ہے۔ یلملم یا سعدیہ سے اہلِ یمن، جنوب سعودیہ، انڈونیشیا، چین، جاوہ، انڈیا اور پاکستان سے آنے والے لوگ احرام باندھتے ہیں۔

⑤ ذاتِ عِرق:

یہ مقام مکہ مکرمہ سے مسافت کے لحاظ سے یلملم اور قرن المنازل کے مساوی ہے۔ یہ عراق، ایران اور شمال مشرق سے بغداد اور حائل کے راستے آنے والے حجاج کا میقات ہے۔

ان پانچوں مقامات کے بارے میں مزید تفصیلات فتح الباری (۳/۳۸۴۔۳۹۱) الفتح الربانی (۱۱/ ۱۰۵ ومابعد) المرعاۃ شرح المشکوٰۃ از مولانا عبید اللہ رحمانی (۶/ ۲۳۲ ومابعد) مناسک الحج والعمرۃ از شیخ البانی، ارشاد السالک الیٰ احکام المناسک للقاضی احمد بن حجر آل بوطامی قطر، فقہ السنہ از سید سابق اور فقہ السنہ اردو از مولانا محمد عاصم الحداد (جلد دوم) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

احرام کے بغیر...؟

مذکورہ پانچوں مقامات ان لوگوں کے لیے مواقیت (جائے احرام) ہیں جو ان مقامات کے باشندے ہوں یاپھر ان راستوں سے گزر کر مکہ مکرمہ کی طرف آرہے ہوں اورحج وعمرہ کاارادہ بھی رکھتے ہوں۔ عازمینِ حج وعمرہ سے اگر کوئی شخص میقات سے احرام باندھے بغیر گزر گیا اورآگے کہیں جاکراحرام باندھا تو اس کاحج توصحیح ہوگا البتہ اسے فدیہ کے طورپرایک بکرا ذبح کرنا پڑے گا۔ (الفتح الرباني: ١١/ ١١٣، والمرعاة: ٦/ ٢٣٦)

اگر کوئی شخص کسی ذاتی غرض مثلاً کمپنی کی طرف سے کسی کام، ذاتی تجارت، سیر وسیاحت یاعلاج معالجہ کی نیت سے آرہا ہو اور حج یاعمرہ کاارادہ نہ ہوتو اس کے لیے ان مواقیت سے احرام باندھنا ضروری نہیں کیونکہ مواقیت کے سلسلے کی پہلی حدیث میں «لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ» کے الفاظ شاہد ہیں۔

جولوگ حدودِ مواقیت کے اندر رہتے ہوں، وہ مقامی باشندے ہوں یا بیرونی ہوں لیکن یہاں رہائش پذیر ہوگئے ہوں، ان کا حج کے احرام کے لیے کسی میقات پرجانا ضروری نہیں ہے۔ پہلی مرتبہ عمرہ کے وقت چونکہ وہاں سے گزرتے ہوئے وہ احرام باندھ کر داخل ہوئے تھے لہٰذا اب وہ اپنی رہائش گاہوں سے ہی یا جہاں بھی وہ مقیم ہوں وہیں سے احرام باندھ لیں۔ جیسا کہ احادیثِ مواقیت کے سلسلہ کی اول الذکر حدیث کے الفاظ «فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهٗ مِنْ أَهْلِهٖ وَكَذَاكَ حَتّٰى

أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا» شاہد ہیں کہ جو لوگ ان مواقیت کے اندر (مکہ مکرمہ کی جانب) ہیں وہ اپنے گھروں ہی سے احرام باندھ لیں۔

عمرۂ تنعیم:

البتہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ میں مقیم لوگوں کو بھی حدودِ حرم سے باہر آکر تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھ کر جانا چاہیے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمرے کا واقعہ موجود ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئیں اور طوافِ عمرہ یا قدوم سے پہلے ہی راستہ میں ایک مقام (سرِف) پر حائضہ ہوگئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق وہ تمام مناسک ادا کرتی رہیں حتیٰ کہ جب وہ انقطاعِ حیض کے بعد غسل کر کے طوافِ افاضہ بھی کرچکیں تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ سب لوگ حج اور عمرہ کر کے لوٹ رہے ہیں، کیا میں صرف حج کر کے ہی لوٹ جاؤں گی؟ یعنی میں طوافِ عمرہ تو کر ہی نہیں سکی تھی۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ انھیں تنعیم لے جائیں اور وہاں سے (احرام باندھ کر) عمرہ کرائیں۔ اس طرح انھوں نے حج کے بعد ماہِ ذوالحج میں عمرہ کیا۔[٦٦]

اس سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں مقیم کوئی شخص اگر عمرہ کرنا چاہے تو وہ حدودِ حرم سے باہر تنعیم یا جعرانہ وغیرہ کسی قریبی جگہ سے احرام باندھ کر آئے۔ امام فاکہی کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تنعیم مکہ مکرمہ (حرم شریف) سے باہر مدینہ طیبہ کی طرف چار میل کے فاصلے پر ہے۔

(عمرہ تنعیم کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري: ٣/ ٦٠٦)

---

٦٦ اس حدیث کو بخاری (١٧٨٤) مسلم (٨/ ١٥٨) ترمذی (٩٣٤) ابن ماجہ (٢٩٩٩) دارمی (٢/٥٢) اور احمد (١/ ١٩٧) نے روایت کیا ہے۔

چھوٹا عمرہ، بڑا عمرہ...؟

یہیں اس بات کی وضاحت بھی کردیں کہ حرم کے قریب کرائے کی گاڑیوں والے کاروباری ڈرائیور لوگ یہ آوازیں لگاتے سنائی دیتے ہیں: چھوٹا عمرہ، بڑا عمرہ۔ اور ہمارے لوگ ان کے ساتھ سوار ہوکر بار بار عمرہ کرتے رہتے ہیں اور اپنے عزیز واقارب کی طرف سے درجنوں عمرے کرتے ہیں حالانکہ ان کے اس فعل کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع فتاویٰ میں لکھا ہے:

> ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے نکل کر عمرہ نہیں کیا کرتے تھے سوائے عمرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ مکرمہ میں مقیم ہوتے تو بکثرت طواف کیا کرتے تھے۔ مکی عمرہ (چھوٹے عمرے یا بڑے عمرے) سے طواف کی کثرت ہی افضل ہے۔''

چھوٹے اور بڑے عمرے کی بابت موصوف لکھتے ہیں کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد یہ لوگ جو ماہ ذوالحج میں بکثرت عمرے کرتے ہیں، سلف صالحین ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔

پھر آگے لکھا ہے کہ حج کے بعد عمرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور اس پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ایسا کیا کرتے تھے۔ عمرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں انھوں نے علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ محض ان کی تطییبِ خاطر کے لیے کرایا تھا کہ ان کے دل میں تشنگی نہ رہے کہ میں نے حج کے ساتھ دوسرے صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہن کی طرح عمرہ نہیں کیا۔

(ملخصاً از مجموع فتاوى شيخ الاسلام ابن تيمية: ٢٦/ ٤٤ـ ٤٨)

اس تفصیل سے ہمارے لوگوں کے ان چھوٹے اور بڑے عمروں کا بے اصل ہونا ثابت ہوگیا لہٰذا کوشش یہ کرنی چاہیے کہ قیامِ مکہ کے دوران بکثرت طواف کیا جائے نہ کہ عمرے۔

ایک ضروری وضاحت:

مواقیت سے متعلقہ ہی ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ پاک وہند وغیرہ سے جو عازمینِ حج وعمرہ ہوائی جہاز کے ذریعے آرہے ہوں، انھیں چاہیے کہ جہاز پر سوار ہونے سے قبل ہی احرام کی چادریں باندھ لیں اور عورتیں بھی احرام کے کپڑے پہن لیں مگر ابھی حج وعمرہ میں سے کسی کی نیت نہ کریں اور نہ ہی لبیّک پکاریں۔ اور جب تک وہ لبیّک نہیں پکاریں گے ان پر احرام کی پابندیاں لازم نہیں ہوں گی۔ پھر جب جہاز کا عملہ بتائے کہ ہم میقات سے گزرنے والے ہیں تو فوراً دل میں نیت کرلیں اور لبیّک پکارنا شروع کردیں۔

ہوائی مسافروں کے لیے جدہ میں اتر کر احرام باندھنا جائز نہیں کیونکہ ان کا جہاز میقات سے گزرکر جدہ جاتا ہے۔ اس موضوع پر امورِ حرمین شریفین کے رئیس اورسعودی جسٹس سپریم کونسل کے ڈائریکٹر جنرل چیف جسٹس شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید کا ایک مستقل رسالہ ”تنبیھات علیٰ أنّ جدة لیست میقاتاً“ ہے جو کہ انتہائی وقیع اورمدلل ہے۔ اسے جناب بشیر انصاری صاحب مدیرِ اعلیٰ ہفت روزہ ”اہلحدیث“ (لاہور) نے مولانا سیف الرحمٰن الفلاح (اوکاڑہ) سے اردوترجمہ کرواکر اپنی ضیاء الاسلام اکادمی (گوجرانوالہ) کی طرف سے شائع کیا ہے۔

علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے بھی مشکوٰۃ شریف کی بے مثال شرح مرعاۃ المفاتیح میں بڑے تحقیقی اورتفصیلی انداز سے ثابت کیا ہے کہ پاک وہند کے بحری جہاز کے ذریعے سفر کرکے جانے والے عازمینِ حج وعمرہ کے لیے جدہ میں اتر کر احرام باندھنے کی گنجائش ہے کیونکہ ان کے جہاز عہدِ قدیم کی طرح اب یمن کی کسی بندرگاہ پر نہیں رکتے کہ وہاں سے وہ خشکی کے راستے یلملم سے احرام باندھ کر آئیں اورنہ ہی ان کا جہاز یلملم کے ”محاذاۃ“ (برابر) سے گزرتا ہے۔ البتہ ان کے نزدیک بھی جمہور

اہلِ علم کے اس مسلک کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ میقات سے قبل احرام باندھنا جائز ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بحری جہاز کے عملہ کے اس اعلان کے ساتھ کہ ہم ''جبل یلملم'' کے ''محاذاۃ'' (برابر) سے گزر رہے ہیں، احرام باندھ لیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: مرعاة المفاتيح: ٦/ ٢٣٥۔ ٢٣٨، طبع مكتبه أثريه، سانگله هل، شيخوپوره، پاكستان)

احرام باندھنے کا طریقہ

اگر کوئی شخص حج کے مہینوں کے علاوہ مثلاً ماہِ شعبان یا رمضان المبارک وغیرہ میں میقات پر پہنچے تو وہ صرف عمرے کا احرام باندھ سکتا ہے لیکن اگر وہ موسمِ حج میں آئے تو اس کے لیے صرف عمرہ، صرف حج یا حج وعمرہ، تینوں طرح کے احرام میں سے کسی بھی ایک کا احرام باندھنا جائز ہے۔ (التحقيق والإيضاح لابن باز، ص: ٢٠)

غسل کرنا:

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ضرورت ہو تو ناخن تراشے جائیں اور غیر ضروری بال صاف کیے جائیں۔ پھر مسنون طریقہ سے غسل کیا جائے حتیٰ کہ حیض ونفاس اور چھوٹے بچے والی عورتیں بھی غسل کریں کیونکہ احرام کا یہ غسل سنتِ رسول ﷺ ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن اربعہ، دارقطنی اور مسند احمد میں حضرت جابر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں ہے:

﴿...حَتَّىٰ أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِیْ بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ ﷺ: اِغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِيْ﴾[٦٧]

''جب ہم ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے

---

[٦٧] یہ حدیثِ جابر مسلم وغیرہ میں ہے اور اس کی مفصل تخریج نمبر (١٩٣) میں آئے گی۔

محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو جنم دیا، تب انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج کر استفسار کیا کہ وہ کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غسل کرو اور شرمگاہ پر کپڑا باندھ لو اور احرام باندھ لو۔‘‘

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِغْتَسَلَ لِإِحْرَامِهِ»[68]

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے لیے غسل فرمایا تھا۔‘‘

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«نَفِسَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ بِمُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بِالشَّجَرَةِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ أَبَا بَكْرٍ يَأْمُرُهَا أَنْ تَغْتَسِلَ وَتُهِلَّ»[69]

’’شجرہ کے مقام پر (جو ذوالحلیفہ کے پاس ہی ہے) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد رضی اللہ عنہ کو جنم دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہو کہ وہ غسل کرلے اور احرام باندھ لے۔‘‘

اس حدیث پر امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں یہ باب قائم کیا ہے:

”بابُ إحرام النُفَساء، واستِحباب اغتسالِها للإحرَام، وكَذا الحَائض“ (شرح النووي علىٰ صحيح مسلم: ٨/ ١٤٣)

’’نفاس والی عورتوں کے احرام باندھنے اور احرام کے لیے اس کے غسل کرنے کے مستحب ہونے اور اسی کی طرح ہی حائضہ عورت کے احرام

---

[68] اس حدیث کو ترمذی (۸۳۰) دارمی (۲/ ۳۱) ابن خزیمۃ (۲۵۹۵) دارقطنی (۲/ ۲۲۰) اور بیہقی (۵/۲۲) نے روایت کیا ہے اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

[69] اس حدیث کو مسلم (۸/ ۱۳۳، ۱۳۴) ابو داود (۱۷۴۳) نسائی (۵/ ۱۲۷۔ ۱۲۸) اور ابن ماجہ (۲۹۱۱) نے روایت کیا ہے۔

کے لیے غسل کرنے کے مستحب ہونے کا بیان۔''

ان احادیث اور مذکورہ باب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حیض ونفاس والی عورتوں کو بھی احرام باندھنے سے پہلے غسل کرلینا چاہیے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک حیض ونفاس والی عورت کا احرام کے لیے غسل کرنا مستحب ہے جبکہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور اہلِ ظاہر کے نزدیک واجب ہے۔ مگر اس سلسلے میں جمہور کا مسلک ہی زیادہ صحیح ہے کہ یہ غسلِ احرام مسنون ومستحب ہے۔ عام حالات میں اگر کسی وجہ سے میقات پر کوئی مجبوری پیش آجائے اور غسل کرنا ممکن نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتح الرباني: ١١/ ١٢٣۔ ١٣١)

مردوں کا خوشبو لگانا:

غسل سے فارغ ہوکر مردوں کے لیے بدن کو ہر قسم کی خوشبو لگانا جائز ہے، چاہے اس کا اثر بعد میں تا دیر ہی کیوں نہ قائم رہے، کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كُنتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِاَطيَبَ مَا اَقدِرُ عَلَيهِ قَبلَ أَنْ يُّحرِمَ ثُمَّ يُحرِمُ)) ⑦⓪

''میں نبی کریم ﷺ کو حسبِ مقدور سب سے عمدہ خوشبو لگایا کرتی تھی اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ احرام باندھتے تھے۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

((طَيَّبتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِحَرمِهٖ حِينَ اَحرَمَ، وَلِحِلِّهٖ قَبلَ اَنْ

⑦⓪ اس حدیث کو بخاری (٥٩٢٨) ''اللباس''، مسلم (٨/ ١٠٠) نسائی (٥/ ١٣٨) اور دارمی (٢/ ٣٣) نے عثمان بن عروہ کے طریق سے اور عثمان نے اپنے باپ عروہ کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

يَفِيُضَ بِاَطُيَبِ مَا وَجَدُتُّ»[71]

''میں نے نبی اکرم ﷺ کواحرام باندھنے سے قبل اوراحرام اتارنے کے بعد طوافِ افاضہ کرنے سے پہلے سب سے عمدہ خوشبو لگائی۔''

شرح صحیح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگانا مستحب ہے اور اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کا اثر احرام باندھنے کے بعد تادیر باقی رہے۔ ہاں احرام باندھنے کے بعد از سرنو خوشبو لگانا حرام ہے۔ ہمارا، صحابہ وتابعین میں سے خَلقِ کثیر اور جمہور محدّثین کا یہی مسلک ہے، جن میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابن زبیر، معاویہ، عائشہ اور ام حبیبہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابو یوسف، احمد بن حنبل اور داود رحمہم اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح صحیح مسلم للنووي: ۸/ ۹۸- ۹۹)

احرام کے کپڑے پہننا:

غسل کرکے خوشبو لگا لینے کے بعد مردوں کے لیے دو چادروں میں احرام باندھنا ضروری ہے جن میں سے ایک تہبند کے طور پر اور ایک اوپر کے لیے ہوگی۔ مستحب یہ ہے کہ یہ چادریں سفید ہوں۔ اور عورتیں اپنے معمول کے کپڑے پہن لیں جو موٹے اور باپردہ ہوں البتہ چہرے پر نقاب نہ باندھیں اور نہ ہی دستانے پہنیں۔ ان

---

[71] ان الفاظ سے اس روایت کو مسلم (۸/ ۱۰۰) نے عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے مختلف لفظوں اور سیاقوں سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو: بخاری (۱۵۳۹، ۱۷۵۴، ۵۹۲۲، ۵۹۳۰) مسلم، ابو داود، ترمذی (۹۱۷) نسائی، ابن ماجہ (۲۹۲۶، ۳۰۴۲) دارقطنی (۲/ ۲۳۲) مسند طیالسی (۱/ ۲۰۸) اور مسند احمد (۶/ ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۴، ۲۱۶)

امور کے دلائل پر مبنی احادیث ''محرّ ماتِ احرام'' کے ضمن میں آرہی ہیں۔ مرد اپنے سروں کو ننگا رکھیں گے مگر عورتوں کا اپنے سروں کو کھلا رکھنا جائز نہیں۔ عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے سامنے آجانے کی شکل میں سر کی چادر لٹکا کر پردے کے آداب کو بھی ممکن حد تک ملحوظ رکھیں، جیسا کہ سنن ابو داود وابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا، وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ))[٦٢]

''سوار لوگ ہمارے پاس سے گزرتے جبکہ ہم احرام کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ جب وہ ہمارے برابر (قریب) آتے تو ہم اپنے سر کی چادر لٹکا کر اپنے چہرے پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہروں کو کھول لیتیں۔''

مرد ایسا جوتا پہنیں جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپے البتہ عورتوں کے لیے کوئی سا بھی جوتا جائز ہے۔

---

[٦٢] اس کو ابو داود (١٨٣٣) ابن ماجہ (٢٩٣٥) ابن الجارود (٤١٨) ابن خزیمۃ (٢٦٩) دارقطنی (٢٩٤/٢۔ ٢٩٥) بیہقی (٥/ ٤٨) اور احمد (٦/ ٣٠) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے مگر درج ذیل شواہد سے اس کو تقویت پہنچتی ہے۔ فاطمہ بنت المنذر کے واسطے سے ابن خزیمۃ (٢٦٩٠) اور حاکم (١/ ٤٥٤) نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ہم مردوں سے اپنے چہروں کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ اس کو ابن خزیمۃ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ مالک (١/ ٣٢٨) نے بسند صحیح انھی فاطمہ بنت المنذر سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں: ''ہم بحالتِ احرام پردہ کیا کرتی تھیں اور ہم اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوتیں۔''

نمازِ احرام:

اب احرام کی نیت کرنے اور تلبیہ «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ» کہنے کا آغاز کرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَرْكَعُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ قَائِمَةً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ أَهَلَّ ...»[۴۳]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ کے مقام پر دو رکعتیں پڑھتے اور اونٹنی پر سوار ہوتے۔ جب وہ سیدھی کھڑی ہوجاتی تو مسجد ذوالحلیفہ کے پاس ہی تلبیہ شروع کردیتے تھے۔''

اس حدیث کی بنا پر احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے، اور یہ دو رکعتیں نفلی ہوں گی۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ لہٰذا یہ دو رکعتیں مسنون (نفلی وسنت) ہیں، اگر کوئی پڑھ لے تو ثواب وفضیلت ہے اور اگر کسی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو کوئی گناہ یا دم نہیں ہے۔

(شرح صحيح مسلم للنووي: ٨/ ٩٢۔ ٩٣)

اور اگر کسی فرض نماز کا وقت ہو تو وہی نماز کافی ہے۔ پھر الگ سے دو رکعتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ وعلامہ ابن قیم اور دیگر کبار علماء کی تحقیق کے مطابق احرام کیلئے کوئی مخصوص نماز نہیں ہے۔ فرض، اشراق، ضحیٰ، تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھ لی جائے تو وہی کفایت کر جاتی ہے۔ کیونکہ حجۃ الوداع کے

---

[۴۳] بخاری (۱۵۵۴) مسلم (۸/ ۸۹) جبکہ ابو داود (۱۷۷۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت سے فراغت کے بعد حج کے لیے تلبیہ کہا۔ مگر اس حدیث کی سند خصیف بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرض نماز کے بعد ہی احرام باندھا تھا۔
(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۶/ ۱۰۸۔ ۱۰۹، اِرشاد السالک الیٰ احکام المناسک علامہ احمد بن حجر آف قطر، ص: ۲۸، اردو مترجم از مولانا مختار احمد ندوی)

اس نماز سے جب فارغ ہوجائیں تو دل میں نیت کریں اور تلبیہ پکارنا شروع کردیں۔ یہاں اب آپ کو اختیار ہے کہ حج کی تینوں اقسام میں سے جس قسم کا چاہیں احرام باندھیں اور اسی کے حساب سے تلبیہ کے آغاز میں قبلہ رو ہوکر:

اگر حجِ تمتُّع کرنا ہے تو «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ عُمْرَةً» کہیں۔

اگر حج قِران کرنا ہے تو «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ حَجّاً وَّعُمْرَةً» کہیں۔

اور اگر حجِ مفرد کرنا ہو تو «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ حَجّاً» کہیں۔

اور ساتھ ہی تلبیہ کہنا شروع کردیں۔

اقسامِ حج

یہاں حج کی مذکورہ تینوں قسموں کو الگ الگ ذرا اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ آپ کو تعیین میں یہ آسانی رہے کہ آپ کون سا حج اختیار کررہے ہیں۔

① حجِ تمتُّع:

اقسامِ حج میں سے ''حجِ تمتُّع'' یہ ہوتا ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اورتلبیہ شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ ﴿لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ عُمْرَۃً﴾ کہہ لیں۔ اور پھر تلبیہ کہتے جائیں اور مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کریں، مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو رکعتیں نماز پڑھیں، اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال کٹوائیں اور احرام کھول دیں۔ اب معمول کا لباس پہن لیں اور معمول کے مطابق زندگی گزاریں، آپ پر احرام کی پابندیوں میں سے کوئی چیز لازم نہیں رہی۔ پھر یومِ ترویہ یعنی آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھیں اور مناسکِ حج ادا کریں۔

② حجِ قِران:

یہ حج کی دوسری قسم ہے۔ ''حجِ قِران'' یہ ہوتا ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جاتا ہے اور مکہ پہنچ کر عمرہ کیا جاتا ہے لیکن طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے باوجود حجِ قِران کرنے والا نہ تو احرام کھول سکتا ہے اور نہ ہی اس سے احرام کی پابندیاں زائل ہوں گی بلکہ وہ احرام کی حالت میں ہی رہے گا اوراسی حالت میں یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کو منیٰ چلا جائے گا اور حج کے تمام مناسک ادا کرنے کے بعد ہی احرام کھولے گا۔

③حجِ مفرد:

حج کی تیسری قسم ''حجِ مفرد'' ہے۔ حجِ مفرد یہ ہوتا ہے کہ میقات سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھا، مکہ مکرمہ جا کر طوافِ قدوم اور سعی کی مگر احرام نہ کھولا بلکہ اسی طرح سیدھے منیٰ چلے گئے اور تمام مناسک پورے کر کے احرم کھول دیا۔ ''حجِ مفرد'' کرنے والے حجاج پر قربانی واجب نہیں ہے جبکہ دوسری دونوں قسموں کا حج کرنے والوں پر قربانی واجب ہے۔

یہ تینوں قسمیں ہی تمام ائمہ کرام کے نزدیک صحیح ہیں۔ (دیکھیں: الفتح الرباني: ١١/ ٩٥) البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ قران اور حجِ تمتّع اہلِ حرم اور اہلِ مکہ کے لیے نہیں ہیں۔ ان کا استدلال سورۂ بقرہ کے ان الفاظ سے ہے:

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

[البقرہ: ١٩٦]

''اور یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔''

اس آیت سے استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اس آیت میں تمتُّع کرنے کے لیے قربانی واجب قرار دی گئی ہے اور قربانی کی طاقت نہ ہونے کی شکل میں روزے بتائے گئے ہیں، اور یہ رعایت اہلِ حرم کے لیے نہیں ہے لہٰذا حجِ تمتُّع اہلِ حرم کے لیے نہ ہوا۔ اور چونکہ حجِ قِران میں بھی قربانی واجب ہے اور طاقت نہ ہونے کی شکل میں دس روزے ہیں، تین وہاں اور سات واپس وطن لوٹ کر۔ اور یہ رعایت بھی اہلِ حرم کے لیے نہیں ہے تو گویا حجِ قِران اور حجِ تمتُّع اہلِ حرم کے لیے نہ ہوئے۔ ان کا کہنا ہے کہ اہلِ حرم حجِ مفرد کریں اور مفرد ہی عمرہ بھی کریں جبکہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ

کے نزدیک اہلِ مکہ وحرم بھی حج قِران و حجِ تمتُّع بلاکراہت کرسکتے ہیں اور اس پر کوئی فدیہ اور مضائقہ نہیں ہے۔

(فقه السنة سيد سابق: ١/ ٦٥٩ طبع دارالكتاب العربي، بيروت)

حجِ مفرد عام طور پر سعودیہ وحجازِ مقدس کے باشندوں اور خصوصاً اہلِ حرمِ واہلِ مکہ کے لیے آسان ہے کہ یومِ ترویہ (۸؍ ذوالحج) کی صبح کواحرام باندھا۔عمرہ کرنے کا موقع ملا تو کرلیا ورنہ سیدھے منیٰ چلے گئے اور مناسکِ حج ادا کرلیے۔ اگر پہلے عمرہ نہ کر پایا ہوتو کبھی بعد میں کرلیا۔اس حجِ مفرد میں قربانی بھی واجب نہیں۔

افضل حج :

حج کی مذکورہ تینوں اقسام میں سے جائز تو تینوں ہی ہیں اورآسان ترین حجِ مفرد مگر افضل ترین قسم ''حجِ تمتُّع'' ہے بشرطیکہ کعبہ شریف کی طرف جاتے وقت قربانی کا جانور ساتھ نہ ہولیکن اگرکوئی شخص قربانی کا جانور ساتھ لایا ہوتو اس کے لیے حج قِران بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر قربانی ساتھ لائے تھے اور آپ ﷺ نے اسی بنا پر قِران کیا تھا لیکن اس پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ جو بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے اگر اس کا علم پہلے ہو جاتا تو میں اپنے ہمراہ قربانی نہ لاتا اور عمرہ کر کے احرام کھول لیتا اور حجِ تمتُّع ہی کرتا، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور سنن ابو داود میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

«لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ»[۴۷]

---

[۴۷] اس حدیث کو بخاری (۷۲۲۹) ''کتاب التمنی''، مسلم (۸/ ۱۵۴۔ ۱۵۵) ابو داود (۱۷۸۴) ابن خزیمۃ (۲۶۰۶) بیہقی (۵/ ۱۹) اور طیالسی (۱/ ۲۱۸) نے روایت کیا ہے۔یہی بات جابر، انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی مروی ہے:

۱۔ حدیثِ جابر کو بخاری (۱۵۶۸) اور مسلم (۸/ ۱۶۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

''جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔''

اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قربانی کے جانور بھی نہیں تھے اور انھوں نے حجِ قِران کی نیت سے احرام باندھ لیے تھے انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور قِران کی نیت کو فسخ کر کے تمتُّع کی نیت کرلیں۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی کیا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا»(۷۵)

''ہم نے سمع وطاعت کا مظاہرہ کیا اور احرام کھول لیے۔''

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو مشورہ سمجھتے ہوئے اپنے احرام نہیں کھولے تھے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَرْبعٍ مَضَيْنَ أَوْ خَمْسٍ، فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ، فقُلْتُ: مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ؟ قَالَ: اَوَ شَعَرْتِ، اَنِّيْ اَمَرْتُ النَّاسَ بَامْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ، وَلَوْ اَنِّيْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِىْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ حَتّٰى حَلَلْتُ كَمَا حَلُّوْا»(۷۶)

---

(190) ۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بھی بخاری (۱۵۵۸، ۱۶۵۱) اور مسلم (۸/ ۲۳۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیثِ ابن عباس مسند احمد (۱/ ۲۵۳، ۲۵۹) میں ہے مگر یہ سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور یہ ضعیف ہے۔

(۷۵) یہ الفاظ مسلم (۸/ ۱۶۳) اور بیہقی (۴/ ۳۳۸) میں ہیں۔

(۷۶) اس حدیث کو مسلم (۸/ ۱۵۴۔ ۱۵۵) اسی طرح ابن خزیمۃ (۲۶۰۶) بیہقی (۵/ ۱۹) طیالسی (۱/ ۲۱۸) اور احمد (۶/ ۱۷۵) نے روایت کیا ہے۔

''نبی اکرم ﷺ چار یا پانچ ذوالحج کو تشریف لائے اور بڑے غصے کی حالت میں میرے پاس آئے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کو کس نے ناراض کیا ہے؟ اللہ اسے آگ میں داخل کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا مگر وہ اس کی تعمیل میں تردّد کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو چیز مجھے اب معلوم ہوئی ہے وہ پہلے معلوم ہوجاتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا بلکہ یہاں سے خریدتا اور عمرہ کر کے احرام کھول دیتا جیسے دوسرے لوگوں (تمتّع کرنے والوں) نے کیا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کے ''حجِ تمتُّع'' کی تمنا کرنے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے انھیں عمرہ کر کے احرام کھول دینے اور حجِ قِران کی نیت فسخ کر کے حجِ تمتُّع میں بدل لینے کا حکم دینے کے پیشِ نظر کثیر اہلِ علم نے ''حجِ تمتُّع'' کو افضل قرار دیا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: نيل الأوطار: ٢/ ٤/ ٣١٠ـ ٣١٤، الفتح الرباني: ١١/ ٩٥ـ ٩٩)

ویسے بھی آج کل پاک و ہند، خلیجی ممالک یا عالَمِ اسلام بلکہ پوری دنیا سے آنے والے عازمینِ حج وعمرہ میں سے شاید ہی کوئی قربانی کا جانور ساتھ لاتا ہو، یہاں تک کہ جو لاسکتے ہیں وہ بھی نہیں لاتے۔ ایسی صورت میں حجِ تمتُّع ہی افضل ہے اور آسان بھی کہ مکہ مکرمہ پہنچیں، عمرہ کریں اور احرام کھول دیں اور احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہوکر معمول کی زندگی گزاریں، عبادتِ الٰہی میں مشغول رہیں اور پھر یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کو حج کا احرام باندھیں اور مناسکِ حج پورے کر کے دس ذوالحج کو احرام کھول دیں۔ پھر ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳، ذوالحج) کی رمی سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی آپ کا حج مکمل ہوگیا۔

یہ حج کرنے والے پر بھی قربانی واجب ہے جس کی دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [البقرة: ١٩٦]

''جو شخص حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے (حجِ تمتّع کرے) وہ حسبِ مقدور قربانی دے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات روزے گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اہلِ خانہ مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

تلبیه

یہاں تک تو میقات پر پیش آنے والی صورتِ حال کے بارے میں احکام ومسائل مذکور تھے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اپنے مناسبِ حال حج کی کسی ایک قسم کی نیت کریں اور تلبیہ کہنا شروع کر دیں۔ ویسے موجودہ حالات میں زیادہ تر لوگ حجِ تمتُّع ہی کرتے ہیں اور قربانی کا جانور ساتھ نہ ہونے کی شکل میں افضل بھی یہی ہے، لہٰذا اس کے لیے میقات پر صرف عمرہ کی نیت سے «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ عُمْرَةً» کہیں اور تلبیہ کہنے لگیں۔

مسنون تلبیہ:

تلبیہ کے مسنون الفاظ کے بارے میں صحیحین، سنن اربعہ، بیہقی، موطا امام مالک، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلبیہ کہتے ہوئے سنا:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ، وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ»[۶۶]

’’میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ بے شک ہر قسم کی تعریف اور تمام نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں

---

[۶۶] موطأ (۱/ ۳۳۱) بخاری (۱۵۴۹) مسلم (۸/ ۸۷۔ ۸۸) ابو داود (۱۸۱۲) ترمذی (۸۲۵، ۸۲۶) نسائی (۵/ ۱۶۰۔ ۱۶۱) ابن ماجہ (۲۹۱۸) حاکم (۱/ ۴۵۰ مختصراً) بیہقی (۵/ ۴۴) احمد (۲/ ۲۸) اسی طرح اس کو دارمی (۲/ ۳۴) ابن الجارود (۴۳۳) ابن خزیمة (۲۶۲۱، ۲۶۲۲) طیالسی (۱/۲۱۱) اور ابویعلی (۵۸۰۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اورساری بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔''

یہ الفاظ تمام عازمینِ حج وعمرہ کوخوب یادکرلینے چاہییں لیکن اگرکسی کو زیادہ بڑھاپے یاکسی وجہ سے یہ الفاظ یادنہ ہوسکیں توسنن نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اورمستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مختصر سا تلبیہ بھی مروی ہے جس کے صرف یہ تین ہی الفاظ ہیں:

((لَبَّیْکَ اِلٰہَ الْحَقِّ،لَبَّیْکَ)) ⑱

''میں حاضر ہوں اے معبودِ برحق! میں حاضر ہوں۔''

جبکہ صحیح مسلم، سنن ابوداود اور مسند احمد میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسنون تلبیہ کے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے:

((لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ، وَالْخَیْرُ بِیَدَیْکَ، وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْکَ والْعَمَلُ)) ⑲

''میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ اور ہرقسم کی بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ طلب وسوال تجھ ہی سے کرتا ہوں اورعمل بھی تیرے ہی لیے کرتا ہوں۔''

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تلبیہ کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا پڑھنا بھی مسنون ہے:

---

⑱ نسائی (۵/ ۱۶۱) ابن ماجہ (۲۹۲۰) بیہقی (۵/ ۴۵) اور مستدرک حاکم (۱/ ۴۵۰) اسی طرح اس کو ابن خزیمۃ (۲۶۲۳، ۲۶۲۴) ابن حبان (۹۷۵۔ موارد) دارقطنی (۲/ ۲۲۵) طیالسی (۱/ ۲۱۱) احمد (۲/ ۳۴۱، ۳۵۲) ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۹۰/ ۴۲) میں اور ابن حزم نے بھی ''المحلی'' (۷/ ۹۴) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

⑲ یہ الفاظ نمبر (۷۷) میں گزرنے والی حدیث ہی میں ہیں اور ان کا ذکر موطا مالک اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔

«لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ»[80] ''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔''

غرض یہ تمام الفاظ تلبیہ میں شامل ہیں لہٰذا ان سبھی کو زبانی یاد کرنا اور بکثرت پڑھنا چاہیے۔

آدابِ تلبیہ:

مردوں کے لیے تو یہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے مگر خواتین کو اجازت ہے کہ وہ اپنی آواز کو اس قدر دھیما اور پست رکھیں جسے وہ خود یا صرف ان کی ساتھی خواتین ہی سن سکیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسند احمد وطیالسی میں ابو عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا:

«اِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَيْفَ كَانَتْ تَلْبِيَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ سَمِعَهَا تُلَبِّيْ بَعْدَ ذٰلِكَ، لَبَّيْكَ ......»[81]

''میں نبی کریم ﷺ کا تلبیہ اچھی طرح جانتی ہوں۔ پھر میں نے انھیں یہ تلبیہ «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ...» کہتے ہوئے سنا۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مناسک میں لکھتے ہیں:

''اَلْمَرْأَةُ تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِحَيْثُ تُسْمِعُ رَفِيْقَاتِهَا، و يُسْتَحَبُّ الْاِكْثَارُ مِنْهَا عِنْدَ اخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ''

(بحواله مناسك الحج للألباني، ص: ١٨)

''عورت اسی قدر آواز سے تلبیہ کہے کہ اس کی ساتھی خواتین ہی سن سکیں اور مختلف اوقات و حالات میں بکثرت تلبیہ کہنا مستحب ہے۔''

---

[80] اس کو احمد (١/ ٤١٧) حاکم (١/ ٤٦١-٤٦٢) اسی طرح ابن خزیمۃ (٢٨٠٦) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمۃ نے صحیح کہا ہے۔ حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور اس کی سند اسی طرح ہی ہے۔

[81] اس کو بخاری (١٥٥٠) بیہقی (٥/ ٤٤، ٤٥) طیالسی (١/ ٢١١) احمد (٦/ ٣٢، ١٠٠، ١٨١، ٢٣٠، ٢٤٣ نیز ٢٢٩) اور ابو یعلی (٤٦٧١) نے روایت کیا ہے۔

فضائلِ تلبیہ:

بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔ اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے حتیٰ کہ اسے ''شعائرِ حج''میں سے قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ، فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! مُرْ اَصْحَابَكَ فَلْیَرْفَعُوْا أَصْوَاتَھُمْ بِالتَّلْبِیَةِ فَاِنَّھَا مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ 》[82]

[82] یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو زید بن خالد، ابو ہریرہ اور سائب بن خلاد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے مگر درحقیقت یہ تینوں حدیثیں ایک ہی حدیث ہے کیونکہ ان سب کا مخرج ایک ہی ہے مگر اختلافِ رواۃ کی وجہ سے یہ مختلف حدیثیں بن گئی ہیں:

۱۔ زید بن خالد کی حدیث کو ابن ماجہ (۲۹۲۳) ابن خزیمہ (۲۶۲۸) ابن حبان (۹۷۴) حاکم (۱/ ۴۵۰) بیہقی (۵/ ۴۲) احمد (۵/ ۱۹۲) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۲۷۴) میں خلاد بن السائب کے واسطے سے زید بن خالد سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے مگر اس کی سند میں ''المطلب بن عبداللہ'' ہیں اور یہ بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں اور انھوں نے یہاں سماع یا تحدیث کی صراحت بھی نہیں کی ہے۔

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو احمد (۲/ ۳۲۵) ابن خزیمۃ (۲۶۳۰) حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند حدیث زید بن خالد والی ہی ہے مگر اس کے ایک راوی اُسامہ بن زید لیثی نے زید بن خالد کی بجائے ابو ہریرہ کہا ہے، نیز اس نے خلاد بن السائب کا واسطہ بھی حذف کر دیا۔ جبکہ پہلی حدیث کو سفیان ثوری بیان کرنے والے ہیں۔ نیز ''صحیح ابن خزیمۃ'' (۲۶۲۹) میں اور ''بیہقی'' میں شعبۃ نے بھی اس حدیث کو ثوری ہی کی طرح زید بن خالد ہی سے روایت کیا ہے۔ اور یہ تینوں ثقہ ہیں جبکہ اُسامہ بن زید کو اوہام ہوتے ہیں، لہٰذا ثقات کی مخالفت کی صورت میں اس کی ⑲⓪

''میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کو حکم فرمائیں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ کہیں، کیونکہ یہ شعائرِ حج میں سے ایک شعار ہے۔''

اس تلبیہ کی فضیلت کا اندازہ سنن ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، بیہقی اور مستدرک حاکم میں مذکور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوجاتا ہے جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«مَا مِنْ مُلَبٍّ يُلَبِّي اِلَّا لَبّٰى مَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ، مِنْ حَجَرٍ وَشَجَرٍ وَمَدَرٍ، حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَ هَاهُنَا، عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ» (۸۳)

---

(190) حدیث معتبر نہیں ہے۔

۳۔ السائب بن خلاد کی حدیث کو مالک (۱/ ۳۳۴) ابو داود (۱۸۱۴) نسائی (۵/ ۱۶۲) ترمذی (۸۲۹) ابن ماجہ (۲۹۲۲) ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی نے خلاد بن السائب کے واسطے سے ان کے باپ السائب بن خلاد سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ترمذی، ابن خزیمۃ، حاکم اورنووی نے بھی "المجموع" (۷/ ۲۲۵) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ بعض نے اس حدیث کو خلاد بن السائب کے واسطے سے خالد بن زید سے روایت کیا ہے مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح وہی حدیث ہے جو خلاد بن السائب نے اپنے باپ السائب بن خلاد سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۲/ ۲۳۹) میں یہی بات امام بیہقی سے بھی نقل کی ہے، اسی طرح بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجۃ" (۱۰۳۱) میں السائب بن خلاد کی حدیث کو ہی محفوظ کہا ہے۔ جبکہ امام حاکم نے ان سب اسانید کو صحیح کہا ہے مگر علّامہ ذہبی ان کی اس تصحیح پر مطمئن نظر نہیں آتے۔

واضح رہے کہ حدیث السائب بن خلاد میں «فَاِنَّهٗ مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ» کے الفاظ نہیں ہیں۔

(۸۳) اس حدیث کو ترمذی (۸۲۸) ابن ماجہ (۲۹۲۱) ابن خزیمۃ (۲۶۳۴) طبرانی نے ''الاوسط'' (۲۵۸) میں، حاکم (۱/ ۴۵۱) ان سے بیہقی (۵/ ۴۳) اور ابو یعلی (۷۵۴۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے اور ابن خزیمۃ، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

''کوئی تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں والے تمام پتھر، درخت اور مٹی بھی تلبیہ کہنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے دائیں بائیں سے زمین منقطع ہوجاتی (یعنی وہ بھی تلبیہ کہنے لگتی) ہے۔''

شیخ احمد عبدالرحمٰن البنّا رحمہ اللہ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی میں لکھتے ہیں کہ تلبیہ کہنے والے کے دائیں بائیں سے زمین کے منقطع ہوجانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے دائیں بائیں سے نہ صرف شجر وحجر تلبیہ کہنے لگتے ہیں بلکہ زمین کے پتھر اور ڈھیلے بھی از مشرق تا مغرب تلبیہ میں شریک ہوجاتے ہیں ۔ یہ بات اس ذکر کی فضیلت اور اس ذکر کے عنداللہ مقام ومرتبہ اور شرف کا پتہ دیتی ہے اور بعید نہیں کہ تلبیہ کہنے والے کے نامۂ اعمال میں ان اشیاء کے تلبیہ کہنے کا ثواب بھی شامل ہو جائے کیونکہ ان چیزوں کے تلبیہ میں شریک ہونے کا سبب تو وہ شخص ہی بنا ہے۔ واللہ اعلم (بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني: ١١/ ١٨٤)

صحیح بخاری ومسلم میں مذکور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ڈھلانوں اور وادیوں کی طرف اترتے اور بلندیوں کی طرف چڑھتے وقت بکثرت تلبیہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«اَمَّا مُوسَىٰ عليه السلام كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ اِذَا انْحَدَرَ فِي الْوَادِيْ يُلَبِّيْ (وفي رواية:) كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَىٰ مُوسىٰ عليه السلام هَابِطاً مِّنَ الثَّنِيَّةِ لَهٗ جُؤَارٌ اِلَىٰ اللّٰهِ تَعَالىٰ بِالتَّلْبِيَةِ»[۸۴]

''میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب کسی وادی میں اترتے ہیں

[۸۴] اس کو بخاری (۱۵۵۵) مسلم (۲/ ۲۲۸، ۲۲۹) "الإيمان، باب الإسراء بِرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" اور بیہقی (۵/۴۲) نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ حالت میں دیکھنے کا یہ واقعہ کہاں اور کیسے پیش آیا؟ علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ بحالتِ خواب پیش آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''فتح الباری'' (۳/۴۱۴ - ۴۱۵)

تو تلبیہ کہتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے:) میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو کہ ثنیۃ الوداع نامی گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور کثرتِ تلبیہ سے قربِ الٰہی حاصل کیے ہوئے ہیں۔''

غرض فرض نمازوں کے بعد اور سحری کے وقت بکثرت تلبیہ کہنا چاہیے۔ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں مذکور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ احرام باندھنے سے لے کر حدودِ حرم تک یہ تلبیہ کی کثرت جاری رہنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما إِذَا دَخَلَ أَدْنَى الْحَرَمِ أَمْسَكَ عَنِ التَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَبِيتُ بِذِي طُوًى، ثُمَّ يُصَلِّي بِهِ الصُّبْحَ، وَيَغْتَسِلُ، وَيُحَدِّثُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ» (۸۵)

(۸۵) اس کو بخاری (۱۵۷۴) اور بیہقی (۵/ ۷۱) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے بعد مؤلف نے ابو داود اور ترمذی کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسے ابو داود (۱۸۱۷) ترمذی (۹۱۹) اور اسی طرح طبرانی نے بھی "المعجم الکبیر" (۱۱/ ۱۴۹) میں روایت کیا ہے۔ ابو داود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرہ کرنے والا حجرِ اسود کے استلام تک تلبیہ کہے۔'' جبکہ ترمذی اور طبرانی میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کے استلام کے وقت تلبیہ بند کرتے تھے۔'' طبرانی میں یہ اضافہ بھی ہے: ''اور حج میں قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرتے۔''
مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں اور یہ بہت زیادہ سیئ الحفظ ہیں۔ نیز عبدالملک بن ابی سلیمان اور ہمام نے ان کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے اس حدیث کو ابن عباس کا قول بیان کیا ہے جیسا کہ امام ابو داود نے کہا ہے۔ طبرانی (۱۱/ ۳۷، ۳۸) میں اس کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ان دونوں سندوں کی بنا پر اگر ہم اس حدیث کو حسن کہہ لیں تو اس کے مطابق عمرہ کرنے والے کو حجرِ اسود کے چھونے کے وقت تلبیہ بند کرنا چاہیے اور اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ ملاحظہ ہو: ''جامع ترمذی'' مگر حج میں جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کیا جائے جیسا کہ متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا فعل مروی ہے اور ان میں سے بعض احادیث بخاری اور مسلم میں بھی ہیں۔ (۱۹۰)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حدودِ حرم میں داخل ہوتے تو تلبیہ کہنا بند کردیتے۔ پھر مقامِ ذی طویٰ میں رات گزارتے، وہیں فجر پڑھتے اور پھر غسل کرتے۔ اور بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ شہرِ مکہ دیکھ لینے اور حدودِ حرم میں داخل ہونے تک تلبیہ جاری رکھا جائے گا جبکہ سنن ابو داود و ترمذی کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ طواف اور حجرِ اسود کے استلام تک تلبیہ جاری رکھا جائے۔ امام ترمذی سے نقل کرتے ہوئے سید سابق نے غالبًا ان دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرنے کے لیے ہی لکھا ہے کہ جب حاجی کسی میقات سے احرام باندھ کر آرہا ہو تو دخولِ حرم پر تلبیہ کہنا بند کردے اور اگر تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھا ہو تو جب شہرِ مکہ میں داخل ہو جائے تو تلبیہ کہنا منقطع کردے۔

(فقه السنة: ١/ ٦٦٤، حاشيه)

❀❀❀

---

⑲⓪ ملاحظہ ہو: اس کتاب کی حدیث (۳۱۰)

امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ اور صحابہ میں سے بھی اہلِ علم کا یہی قول ہے کہ حاجی کو جمرہ کی رمی کرنے تک تلبیہ بند نہیں کرنا چاہیے۔ شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

ملاحظہ ہو: ''جامع الترمذي، باب ماجاء متىٰ تقطع التلبية في الحج''

رہی حدیثِ ابن عمر تو اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ ابن عمر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے ممکن ہے۔ اس سے ان کی مراد ذی طویٰ میں رات بسر کرنا اور وہاں صبح کی نماز پڑھنا اور غسل کرنا ہو۔

۲۔ دوسرے صحابہ کی احادیث میں اضافہ ہے۔ یعنی انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرتے تھے جس کا ابن عمر کو علم نہ ہوا ہو۔ اس اضافہ کو لینا ضروری ہے کیونکہ یہ ثقات کی طرف سے ہے۔ ملاحظہ ہو: ''محلی ابن حزم'' (۷/ ۱۳۸)

حاصلِ کلام: عمرہ کرنے والا حجر اسود کے استلام کے وقت تلبیہ بند کرے مگر حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرے گا۔ سید سابق نے حدیثِ ابن عباس اور حدیثِ ابن عمر میں جو تطبیق دی ہے اس میں تکلّف ہے۔ مؤلفِ فقہ السنہ کے کہنے کے مطابق انھوں نے یہ تطبیق امام ترمذی سے نقل کی ہے جبکہ ترمذی نے یہ تطبیق نہیں دی۔

محرّماتِ احرام

جب کسی میقات سے احرام باندھ کر «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ» شروع کیا جائے تو اس وقت سے لے کر احرام کھولنے تک اس کے آداب اور شرعی پابندیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ ان پابندیوں کو ''محرّماتِ احرام'' کہا جاتا ہے جوکہ قرآن وسنت کی رو سے درج ذیل ہیں۔

① بال کاٹنا یانوچنا:

احرام کی حالت میں سر یا جسم کے کسی بھی حصے سے بالوں کا کاٹنا، مونڈنا یانوچنا حرام ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾

[البقرة: ١٩٦]

''اپنے سر نہ منڈواؤ، یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ پر پہنچ جائے۔''

فدیہ:

اگر کسی بیماری یا دوسرے جائز شرعی عذر کی وجہ سے بال کاٹنے ضروری ہو جائیں تو پھر اس کے بدلے میں فدیہ ادا کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة: ١٩٦]

''تم میں سے جو شخص (حالتِ احرام میں) بیمار ہو جائے یا کسی کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور اس بنا پر سر منڈ والے) تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی دے۔''

اس آیت میں فدیے کا ذکر تو موجود ہے مگر اس کی تعیین نہیں کی گئی کہ وہ کتنے روزے رکھے یا کتنا صدقہ کرے؟ اس فدیے کی تعیین نبی اکرم ﷺ نے فرمائی ہے کہ وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک بکرا قربانی کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ، وَالْقُمَّلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ، فَقَالَ: أَتُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ؟ قالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ، وَأَطْعِمْ فَرَقاً بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ، وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ، اَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً))[86]

''حدیبیہ کے مقام پر ان کے پاس سے نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوا جبکہ ابھی وہ مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے، وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے تو ان کے (سر سے) جوئیں چہرے پر گر رہی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ جوئیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟

---

[86] اس سیاق سے یہ حدیث مسلم (۸/ ۱۱۹، ۱۲۰) ترمذی (۹۵۳) اور بیہقی (۵/ ۵۵) میں ہے۔ ایک دوسرے سیاق سے بھی مطول اور مختصر اس حدیث کو بخاری (۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸) ابو داود (۱۸۵۶، ۱۸۶۱) نسائی (۵/ ۱۹۵) ابن ماجہ (۳۰۷۹، ۳۰۸۰) ابن الجارود (۴۵۰) ابن خزیمۃ (۲۶۷۶) دارقطنی (۲/ ۲۹۸) طیالسی (۱/ ۲۱۳) احمد (۱/ ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴) اور اسی طرح مسلم اور بیہقی (۴/ ۳۴۱، ۵/ ۱۶۹، ۲۱۴، ۲۴۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

انھوں نے عرض کیا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا سر منڈ والو اور چھ مسکینوں کو ایک ''فرق'' کھانے کے لیے بانٹ دو جو کہ تین ''صاع'' کے برابر ہے یا تین روزے رکھو یا پھر ایک بکرا ذبح کرو۔''

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ... الخ﴾ میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ایک دوسری روایت میں چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر یوں آیا ہے:

«اَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ»[۸۷]

''یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسکین کو نصف صاع اناج دو۔''

بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت میں قربانی کی وضاحت یوں آئی ہے:

«أَوْ يُهْدِيْ شَاةً»[۸۸] ''یا ایک بکری ذبح کرے۔''

بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا اور دنبہ سبھی کا حکم ایک ہے اور تین صاع اناج یا ہر مسکین کو نصف صاع دینا ہے۔ وہ کھجور ہو یا گندم اس میں کوئی فرق نہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث: «لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صُاعٍ» کھجور اور گندم میں فرق کرنے والوں کی تردید کرتی ہے۔ (فتح الباري: ٤/ ١٦)

صاعِ شرعی کا وزن۔ ایک تحقیق:

اب رہی یہ بات کہ فی مسکین نصف صاع کے حساب سے جو تین صاع اناج ہے، اس کا موجودہ پیمانوں کے حساب سے کتنا وزن ہوگا؟ اس سلسلے میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ صاع کی دو قسمیں ہیں:

---

[۸۷] بخاری (۱۸۱۶) اور مسلم (۸/ ۱۲۰، ۱۲۱) وغیرہ

[۸۸] بخاری (۱۸۱۷) وغیرہ

① **صاعِ مدنی یا حجازی:** جس سے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ناپ تول کیا کرتے اور فدیہ وفطرانہ دیا کرتے تھے۔ ائمہ کرام میں سے امام شافعی، احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسف اور جمہور علماءِ اسلام رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا وزن پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہے۔

② **صاعِ عراقی یا حجّاجی:** امام ابوحنیفہ اوران کے شاگرد امام محمد رحمہما اللہ اسی صاع سے فدیہ وفطرانہ ادا کرنے کے قائل ہیں۔ اس کا وزن آٹھ رطل ہے۔ اصحابِ سنن میں سے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« صَاعُ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسَةُ اَرْطَالٍ وَثُلُثٍ، وَصَاعُ أَهْلِ الْكُوفَةِ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ» (ترمذي مع تحفة الأحوذي: ٣/ ٢٦٥ ـ مدني)

''نبی ﷺ کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہے اور اہلِ کوفہ کا صاع آٹھ رطل ہے۔''

مذکورہ دونوں قسم کے صاعوں کا یہ وزن تو مسلّم ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ رطل کے وزن کی تعیین میں اہلِ علم باہم مختلف ہیں اور اسی اختلاف کی بنا پر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء میں سے بعض کے نزدیک دوسیر، بعض کے نزدیک ڈھائی سیر اور بعض کے نزدیک دوسیر اور گیارہ چھٹانک ہے۔ عموماً کہہ دیا جاتا ہے کہ ایک صاع کا وزن تقریباً پونے تین سیر ہے۔ یہ اختلاف کوئی مسلکی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء نے اپنی اپنی تحقیق سے مختلف اوزان ذکر کیے ہیں۔ مثلاً صرف علماء احناف نے جب نصف صاع گندم کا وزن مقرر کرنے کے لیے تحقیق کی تو برصغیر کے چوٹی کے حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ایک سیر پندرہ چھٹانک، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے پونے دوسیر اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک وزن لکھا ہے۔

(جواہر الفقہ جلد اول، امداد الفتاوی جلد دوم بحوالہ جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص: ۱۲۲)

جب نصف صاع کے وزن میں یہ اختلاف ہے تو ایک صاع میں بھی یقیناً اختلاف ہوگا۔ اسی طرح دیگر مکاتبِ فکر کے علماء کے مابین بھی تحقیق کا نتیجہ الگ الگ ہے اور عام طور پر معروف ہے کہ ایک صاع تقریباً پونے تین سیر ہوتا ہے لیکن برصغیر کے ایک معروف عالم شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب جانباز رحمہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ ابراہیمہ سیالکوٹ) نے ''صاعِ شرعی کی تحقیق'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے کتبِ حدیث و شروح اور فقہ حنفی کی کتب کے حوالے سے صاع شرعی کا وزن متعین کرنے کے لیے چار مختلف طریقے اختیار کیے ہیں:

① وزنِ صاع کی تعیین بذریعۂ مثقال۔ ② وزنِ صاع کی تعیین بذریعۂ مد۔
③ وزنِ صاع کی تعیین بذریعۂ درہم۔ ④ وزنِ صاع کی تعیین بذریعۂ استار۔

اور ان چاروں ہی طریقوں سے ثابت کیا ہے کہ صاعِ شرعی کا وزن پورے دوسیر اور چار چھٹانک ہے اور صاعِ عراقی تین سیر اور چھ چھٹانک ہے۔ ہر دو میں لفظ ''تقریباً'' کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

(ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور، جلد: ۱۲، شمارہ: ۱، بابت جون ۱۹۸۵ء)

یہ تحقیق وزن کے پرانے سیروں والے نظام کے مطابق ہے جبکہ موجودہ اعشاری نظام میں ایک کلو تقریباً سترہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔ صاعِ شرعی کے وزن کی تفصیل علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (۳/ ۲٦٦۔ ۲٦۷) میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض بال کٹوانے کے فدیہ کے تین صاع پونے سات سیر یا تقریباً سوا چھ کلو کھجوریں یا گندم بنتی ہے جو کسی ایک ہی مسکین کو بھی دی جاسکتی ہے اور اگر چھ مسکینوں پر تقسیم کردی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

② ناخن کاٹنا:

مرد وزن کا احرام کی حالت میں ناخن کاٹنا۔

③ سلے ہوئے کپڑے پہننا:

مردوں کا سلے ہوئے کپڑے شلوار قمیص، پینٹ، شرٹ، پاجامہ، کرتا، انڈر ویئر یا نیکر پہننا۔

④ جرابیں پہننا:

مردوں کا پاؤں میں ایسی جرابیں یا موزے پہننا جن سے ٹخنے ڈھک جائیں۔

⑤ سر ڈھانپنا:

مردوں کا سر پر ٹوپی پہننا، رومال یا پگڑی باندھنا۔

⑥ خوشبو لگانا:

خواتین اور مرد حجاج کا خوشبو لگانا یا خوشبو والا کپڑا پہننا۔

یہ سب امور بھی نبی اکرم ﷺ کے بعض ارشادات کی رو سے حرام ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داود و نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:

((مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ؟))

''احرام باندھنے والا کون سے کپڑے پہنے؟''

تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا یَجِدُ نَعْلَیْنِ فَیَلْبَسْ خُفَّیْنِ، وَلْیَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ،

وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئاً مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا وَرْسٌ》(٨٩)

''نہ قمیص پہنو نہ پگڑیاں باندھو، نہ شلواریں پہنو، نہ سر پر ٹوپی پہنو، نہ موزے پہنو۔ ہاں اگرکسی کے پاس جوتا نہ ہوتو وہ موزے پہن لے مگر انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے اورکوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جسے زعفران یاورس (خوشبو) لگی ہوئی ہو۔''

اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ اگرکسی کے پاس جوتا نہ ہوتو وہ موزے پہن لے البتہ انھیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے۔ جبکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ میدانِ عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

《اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ، لَبِسَ خُفَّيْنِ وَاِذَا لَمْ يَجِدْ اِزَاراً لَبِسَ سَرَاوِيْلَ》(٩٠)

''اگرمحرم جوتا نہ پائے تو موزے پہن لے اوراگر تہبند والی چادر نہ پائے تو شلوار پہن لے۔''

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کے قائم مقام چادر (ازار) نہ ملنے کی صورت میں شلوار پہن لینے کی بھی اجازت فرمادی ہے اور جوتے نہ ہونے کی صورت

(٨٩) اس حدیث کو امام مالک نے موطا (١/٣٢٤) میں نافع کے واسطے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مالک کے طریق سے اس کو بخاری (١٥٤٢) مسلم (٢/٣/٧) ابو داود (١٨٢٤) نسائی (٥/ ١٣١، ١٣٢، ١٣٣، ١٣٤) دارمی (٢/ ٣٢) ابن ماجہ (٢٩٢٩) بیہقی (٥/ ٤٩) شافعی نے ''مسند'' (١١٧، ١١٨) میں، احمد (٢/ ٦٣) اور ابو یعلی (٥٨٠٥) نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں اس کے دوسرے طرق بھی موجود ہیں۔

(٩٠) اس کو بخاری (١٨٤١، ١٨٤٣) ''جزاء الصید'' مسلم ابو داود، ترمذی (٨٣٤) نسائی، ابن ماجہ، دارمی (٢/٣٢) ابن الجارود (٤١٧) اور بیہقی (٥/ ٥٠) نے روایت کیا ہے۔

میں موزے پہننے کی رخصت دی اور انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹنے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے کاٹنے کا حکم تھا مگر بعد میں میدانِ عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کاٹنے کی بھی رخصت فرمادی تھی، اوراہلِ علم کے اس سلسلہ میں دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی رخصت والا ہے۔

(بحواله مناسك الحج والعمرة للألباني، ص: ۱۲ حاشيه)

نیز اس پر بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ احرام کی حالت میں ناخنوں کا خود کاٹنا تو حرام ہے ہاں اگر کوئی ناخن خود بخود ٹوٹ جائے تو اس کو الگ کر کے اسے پھینک دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۳/ ۲۸۸، ۲۸۹، طبع مصر بتحقیق محمد خلیل ہراس)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ حدیث میں زعفران اور ورس والے کپڑوں کو پہننے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ خوشبودار چیزیں ہیں۔ ایسے ہی خوشبو لگانے کی بھی ممانعت ہے جس پر مذکورہ حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میدانِ عرفات میں ایک آدمی اونٹنی سے گرا اور فوت ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِغۡسِلُوۡهُ بِمَاءٍ وَسِدۡرٍ، وَكَفِّنُوۡهُ فِيۡ ثَوۡبَيۡهِ، وَلَا تَمُسُّوۡهُ بِطِيۡبٍ، وَلَا تُخَمِّرُوۡا رَأۡسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبۡعَثُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ مُلَبِّياً»[۹۱]

''اسے اس پانی سے غسل دو جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے ہوں اور

---

[۹۱] اس حدیث کو بخاری (۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱) ''الجنائز'' اور ''جزاء الصید'' مسلم (۸/ ۱۲۶، ۱۳۰) ''الحج'' ابو داود (۳۲۳۸ - ۳۲۴۱) ''الجنائز'' ترمذی (۹۵۱) ''الحج'' نسائی (۴/ ۳۹، ۵/ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۹۵، ۱۹۶) ''الجنائز والحج'' ابن ماجہ (۳۰۸۴، ۳۰۸۵) ''المناسک'' دارمی (۲/ ۵۰) ''الحج''، ابن الجارود (۵۰۶، ۵۰۷) دارقطنی (۲/ ۲۹۵، ۲۹۷) بیہقی (۳/ ۳۹۰، ۳۹۳، ۵/ ۵۳، ۵۴، ۷۰) اور احمد (۱/ ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۶۶، ۲۸۶، ۳۲۸، ۳۳۳، ۳۴۶) نے روایت کیا ہے۔

اسے اس کے (احرام والے) دونوں کپڑوں میں ہی کفن دے دو اور اس کے بدن کوخوشبو نہ لگاؤ کیونکہ یہ قیامت کے روز تلبیہ ﴿لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ﴾ کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔''

ایک اور روایت میں ﴿وَلَا تَمُسُّوْهُ بِطِیْبٍ﴾ کی بجائے ﴿وَلَا تُحَنِّطُوْهُ﴾ کے الفاظ ہیں لیکن معنی دونوں الفاظ کا ایک ہی بنتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب احرام کی حالت میں مرجانے والے کوبھی خوشبو لگانے کی ممانعت ہے تو زندہ کوخوشبو کا استعمال بالاولیٰ منع ہوگا۔ اس حدیث میں مردوزن سبھی شامل ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن بیہقی میں موصولاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

﴿لَا تَلْبَسُ الْمُحْرِمَةُ ثَوْباً بِوَرَسٍ أَوْ زَعْفَرَانَ﴾[۹۲]

''احرام والی عورت ورس یا زعفران لگا کوئی کپڑا نہ پہنے۔''

⑦ دستانے پہننا:

عورتوں کا دستانے پہننا۔

⑧ نقاب باندھنا:

اسی طرح ان کا منہ پر نقاب باندھنا بھی منع ہے۔

کیونکہ صحیح بخاری، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

﴿لَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تلبَسُ الْقُفَّازَيْنِ﴾[۹۳]

---

۹۲ بخاری (۴/ ۵۲-الفتح) بیہقی (۵/ ۴۷)

۹۳ بخاری (۱۸۳۸) ابو داود (۱۸۲۵، ۱۸۲۶) ترمذی (۸۳۳) نسائی (۵/ ۱۳۵-۱۳۶) مسند احمد (۲/ ۱۹، ۳۲) اسی طرح اس حدیث کو ابن خزیمۃ (۲۵۹۹، ۲۶۰۰) اور بیہقی (۵/ ۴۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

''احرام والی عورت منہ پر نقاب باندھے اور نہ ہی دستانے پہنے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''نقاب'' وہ دوپٹہ (کپڑا) ہے جو چہرے پر باندھا جاتا ہے اور بظاہر یہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے ۔ البتہ دستانے میں مرد بھی عورتوں کے ساتھ شامل ہیں کیونکہ یہ موزوں کی طرح ہی ہیں اور یہ دونوں ہی جسم کے ایک حصہ کو ڈھانپ لیتے ہیں لیکن نقاب احرام کی حالت میں مردوں کے لیے حرام نہیں ہے کیونکہ راجح قول کے مطابق مرد کو (سردی یا کسی وجہ سے)اپنا چہرہ ڈھانپنے کی ممانعت نہیں ہے۔ (فتح الباري: ٤/ ٥٣، ٥٤)

پردہ:

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ احرام کی حالت میں بھی پردے کا اہتمام ضروری ہے جبکہ اکثر خواتین کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی اور وہ احرام باندھنے سے لے کر احرام کھولنے تک اپنے پرائے محرم غیر محرم کسی سے بھی پردہ نہیں کرتیں۔ عام حالات میں تو یہ صورتِ حال لائقِ افسوس ہے مگر احرام کی حالت میں لائقِ صد افسوس!! اللہ کے گھر پہنچنے کی سعادت اور حرمین شریفین کی زیارت کو پہنچنے والی خواتین کو تو اس جانب خاص توجہ دینی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اسلام کے مزاج سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

اس سستی کا سبب:

احرام کی حالت میں خواتین کے پردے کے بارے میں سُستی برتنے کا سبب دراصل یہ غلط فہمی ہے کہ احرام والی عورت کو ''نقاب'' باندھنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ نقاب ڈالنے یا لٹکانے سے اور کچھ ایسا ہی معاملہ بعض روایات میں مذکور لفظ ''برقع'' سے بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی تھوڑی سی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

غلط فہمی کی وجہ دراصل ان دونوں لفظوں کے عربی اور اردو میں مفہوم و مدلول کا فرق یا عدم فرق ہے۔ ہم عربی اور اردو دونوں میں ہی ان الفاظ کا مفہوم ایک سمجھ لیتے ہیں جس کے نتیجے میں مذکورہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خواتین جو ویسے ہی پردے سے بیزار ہوتی ہیں انھیں جب حج وعمرہ کی سعادت نصیب ہو تو وہاں یہ مسئلہ ان کے ہاتھ آجاتا ہے کہ احرام کی حالت میں نقاب اور برقع منع ہیں جبکہ حقیقت قطعاً اس سے مختلف ہے۔

لغوی تشریح:

عربی زبان کی بیس جلدوں پر مشتمل ایک عظیم وضخیم ڈکشنری ''لسان العرب'' ہے، اس میں ان الفاظ کا لغوی معنیٰ دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی جلد دوم (ص: ۲۶۵، ۲۶۶) میں ان الفاظ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مؤلف علامہ ابن المنظور افریقی لکھتے ہیں:

''نقاب'' سے مراد اوڑھنی کا وہ حصہ ہے جو ناک کے بانسے پر پڑتا ہے اور اس کی کئی اشکال ہیں:

1. اگر عورت اپنے نقاب کو صرف آنکھوں تک ہی گرائے تو وہ ''وصوصہ'' یا ''برقع'' ہے۔
2. اگر آنکھوں کے گڑھوں کی نچلی سطح تک گرائے تو وہ ''نقاب'' ہے۔
3. اور اگر ناک تک ہو تو وہ ''لکفام'' کہلاتا ہے۔ اسے نقاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اپنے رنگ سے عورت کے (چہرے کے) رنگ کو چھپا دیتا ہے۔''

(مختصراً از لسان العرب: ۲/ ۲۶۵، ۲۶۶ ومناسك الحج والعمرة للألباني، ص: ۱۱، عربی، و اُردو مترجم از راقم الحروف، ص: ٤٦، ٤٧)

اس مختصر سی لغوی تشریح سے معلوم ہوا کہ ہم جسے برقع یا نقاب کہتے ہیں اس کا بعینہٖ وہ مفہوم ومدلول عربی میں مراد نہیں ہے بلکہ ہر دو زبانوں میں خاصا فرق ہے۔

ڈھاٹے کی ممانعت:

احادیث میں بظاہر نقاب اور برقع چہرے پر باندھنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ لٹکانے سے۔ اور باندھنے سے مراد وہ ''ڈھاٹا'' سا ہے جیسا کہ عموماً خواتین نقاب سے بناتی ہیں اوراسے اپنے چہرے پر اس انداز سے باندھ لیتی ہیں کہ نقاب کو لٹکتا چھوڑنے کی بجائے اسے پکڑ کر منہ پر کچھ اس طرح کس کر باندھ لیتی ہیں کہ وہ ناک اور رخساروں کو چھپا لیتا ہے اور آنکھیں اور پیشانی کا کچھ حصہ ننگا رہ جاتا ہے۔ ایسا نقاب باندھنا منع ہے۔ اگر چادر یا دوپٹے کو سر سے کچھ اس طرح گرایا جائے کہ وہ پردے کا کام دے تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے یہاں کے مروجہ برقع کے نقاب والے کپڑے کو سر پر ڈال کر ٹھوڑی کے نیچے لیجا کر نہ باندھا جائے بلکہ پیشانی سے باندھنے والی ڈوریاں کانوں کے اوپر سے گزار کر بالوں کی چوٹی کے نیچے لے جا کر باندھ دے تو وہ نقاب نہ تو منہ پر بندھا ہوگا اور نہ ہی گرنے پائے گا اور نقاب کا کپڑا سر سے چہرے پر گرا دیا جائے تو پردہ بھی ہوگا اور حدیث میں جس چیز کی ممانعت آئی ہے اس کا ارتکاب بھی نہ ہوگا۔

احرام کی حالت میں بھی پردے کے اہتمام کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے جیسا کہ ایک حدیث گزر بھی چکی ہے جو کہ سنن ابو داود و سنن ابن ماجہ میں مروی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا، وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَىٰ وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْا كَشَفْنَاهُ))[۹۴]

''سوار لوگ ہمارے پاس سے گزرتے جبکہ ہم احرام باندھے نبی ﷺ کے

---

[۹۴] اس کی تخریج کے لیے نمبر (۷۲) دیکھیں۔

ہمراہ ہوتیں۔ جب وہ ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم سر سے کپڑا کھینچ
کر چہرے پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو چہرے کھول لیتیں۔''

ایسے ہی صحیح بخاری میں تعلیقاً و مختصراً اور سنن بیہقی میں موصولاً و مطوّلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ مذکور ہے۔ اس سے بھی جہاں پردے کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے وہیں نقاب و برقع کی اصل حقیقت کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ پردے میں مانع نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

((اَلْمُحْرِمَةُ تَلْبَسُ مِنَ الثِّيَابِ مَا شَآءَتْ اِلَّا ثَوْباً مَسَّهٗ وَرَسٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ، وَلَا تُبَرقِعُ وَتُلَثِّمُ، وتُسْدِلُ الثَّوْبَ عَلَىٰ وَجْهِهَا، اِنْ شَآءَ تْ)) (۹۵)

''احرام والی عورت جو کپڑا چاہے پہنے سوائے ورس اور زعفران والے (خوشبودار) کپڑوں کے، اور برقع وڈھاٹا نہ باندھے اور وہ چاہے تو اپنے چہرے پر کوئی کپڑا لٹکالے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احرام والی عورت چہرے پر کپڑے کو نہ باندھے بلکہ صرف سر کی طرف سے لٹکا دے۔ پھر صحیح قول کی رو سے بیشک وہ کپڑا اس کے چہرے کو چُھوتا رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(بحواله مناسك الحج والعمرة، ص: ۱۲، و مجموع فتاوى ابن تيمية: ۲٦/ ۱۱۲)

یاد رہے کہ مذکورہ حدیثِ اول میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ جب دوسرے لوگ ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم سر کا کپڑا گرا کر پردہ کر لیتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک تو لوگوں کی کثرت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس بات کی گنجائش تھی کہ جب دوسرے لوگ نہ ہوں تو چہرے ننگے کر لیے جائیں مگر آج

---

(۹۵) اس کی تخریج ابھی نمبر (92) میں ہی گزری ہے۔

کل حجاجِ کرام کی کثرت کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ اگر پردہ کرنا ہے تو پھر مناسکِ حج کے دوران اپنے گھر یا خیمے کے علاوہ کہیں بھی چہرہ ننگا کرنے کی گنجائش ہی نہیں نکل پاتی۔

یہ خواتین...!

مگر اس کا کیا کیجیے کہ اس مقدس سفر اور ان دیارِ مقدسہ میں بھی خواتین بڑی بے باکی سے بے پردہ ہوکر حرم شریف میں آتی جاتی ہیں حالانکہ اس میں مذکورہ بالا غلط فہمی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ یہ عورتیں احرام میں نہیں ہوتیں بلکہ محض ذکر وعبادت کے ارادہ سے حرم شریف (مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ) میں آتی ہیں۔ بظاہر اِن میں ایسی خواتین کی اکثریت ہوتی ہے جن کے شوہر یا دوسرے اقارب سعودیہ یا دیگر عرب ریاستوں میں کام کرتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ ہی رہ رہی ہوتی ہیں۔ ایسی تمام خواتین کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے باوقار اور باپردہ طریقہ سے فریضۂ حج وعمرہ ادا کرنا چاہیے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں:

دورانِ احرام پردے کا اہتمام کرنے کے بارے میں فقہ حنفیہ میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً صاحبِ مجمع الانھر نے حج کے موقع پر عورتوں کے احوال کے ضمن میں لکھا ہے کہ بحالتِ احرام شرح الطحاوی کی رو سے اولیٰ یہ ہے کہ عورت اپنا چہرہ ننگا رکھے لیکن النہایۃ میں ہے کہ سر سے چہرے پر کپڑا لٹکا کر پردہ کرلینا ہی زیادہ ضروری (اَوجب) ہے۔ یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بلاضرورت غیر مردوں کے سامنے (کہیں بھی) اپنا چہرہ ننگا نہ کرے۔ اور المجمع کے حاشیہ "درر المنتقیٰ" میں ہے کہ بحالتِ احرام اگر کسی کپڑے وغیرہ کو سر سے لٹکا کر پردہ کرے جبکہ وہ کپڑا چہرہ سے الگ رہے تو یہ جائز بلکہ مندوب بلکہ ایک قول کی رو سے یہی واجب ہے۔

علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ کا موقف:

یہ تو ہوئیں کتبِ فقہ حنفیہ کی تصریحات! اس کے ساتھ ہی یہاں ہم یاد دلا دیں کہ حالتِ احرام میں کسی لکڑی وغیرہ سے بنی کسی چیز کو چہرے پر محض اس لیے رکھنا کہ پردے کا کپڑا الگ رہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق امہات المؤمنین اور دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ چہرے پر کپڑے کے نیچے کوئی چیز رکھتی تھیں اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ ایسا کرنا تو احرام کا شعار ہو اور یہ ہر خاص وعام میں مشہور ومعروف نہ ہو۔
(تفصیل کے لیے دیکھیں: بدائع الفوائد: ٢/ ٣/ ١٤٢)

⑨ نکاح اور منگنی کرنا:

احرام کی حالت میں کسی کا نکاح کرنا، اپنا نکاح کروانا یا پیغامِ نکاح دینا بھی منع ہے کیونکہ صحیح مسلم شریف اور سنن اربعہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَایَنۡکِحُ الۡمُحۡرِمُ، وَلَا یُنۡکِحُ، وَلَا یَخۡطُبُ))[٩٦]

''احرام والا نہ اپنا نکاح کرے نہ کسی کا نکاح پڑھے اور نہ ہی کسی کو پیغامِ نکاح دے۔ (نہ منگنی کرے)''

---

[٩٦] اس حدیث کو مالک (١/ ٣٤٨) اور مالک سے مسلم (٩/ ١٩٣) ''النکاح'' ابو داود (١٨٤١) ''الحج'' نسائی (٥/ ١٩٢) ''الحج'' ابن الجارود (٤٤٤) دارقطنی (٢/ ٢٦٦، ٢٦٧) ''الحج'' ابن خزیمۃ (٢٦٤٩) بیہقی (٥/ ٦٥) اور احمد (١/ ٥٧، ٧٣) نے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (٨٤٠) ''الحج'' دارمی (٢/ ٣٨) ''الحج'' طیالسی (١/ ٢١٣) اسی طرح احمد (١/ ٤٦، ٦٨) مسلم، ابو داود اور بیہقی نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

⑩ جنگلی جانوروں کا شکار کرنا:

احرام کی حالت میں جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بھی منع ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ أَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ [المائدة: ٩٥]

''اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔''

نیز اس سے اگلی آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ [المائدة: ٩٦]

''احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے۔''

حالتِ احرام میں شکار کرنا تو درکنار نبی کریم ﷺ نے تو شکار کرنے والے کے ساتھ تعاون کرنے، شکار کا پتہ بتانے اوراس کی طرف اشارہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مُحرِم خود شکار کرے نہ خاص اسی کے لیے یہ شکار کیا گیا ہو، نہ وہ شکاری کے ساتھ تعاون کرے اور نہ ہی شکار کی طرف اشارہ کرے، تو ایسے جانور کو اگر کوئی غیر محرم شکار کرلے اور وہ محرم کو ہدیہ دے تو محرم بھی اس کا گوشت کھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہی نکلے مگر اپنے بعض ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جبکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور میں احرام میں نہیں تھا۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے پہلے ایک جنگلی گدھا دیکھا مگر (احرام میں ہونے کی وجہ سے) انھوں نے اسے جانے دیا، یہاں تک کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے

ساتھیوں سے کہا کہ مجھے میرا کوڑا پکڑائیں۔ انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ تب وہ گھوڑے سے اترے، خود کوڑا پکڑا اور شکار کے پیچھے لگ کر اس پر حملہ کردیا اوراس کی کھونچیں کاٹ ڈالیں ۔ پھر اسے خود بھی پکا کر کھایا اور باقی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کھایا مگر بعد میں پشیمان ہوگئے۔ (کہ ہمارے لیے اس کا گوشت کھانا جائز تھا یا نہیں؟) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَّحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ اِلَيْهَا؟»

''کیا تم میں سے کسی نے اس شکار پر حملہ کرنے کے لیے انھیں کہا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا»

''اس کے باقی ماندہ گوشت کو بھی تم کھالو۔''

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«هَلْ مَعَكُمْ مِّنْهُ شَيْءٌ؟»

''کیا اس کا کچھ گوشت ابھی تمھارے پاس موجود ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے پاس اس کی ٹانگ باقی ہے۔

«فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَأَكَلَهَا» (۹۷)

''تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت کھایا۔''

---

(۹۷) اس کو مالک (۱/ ۳۵۰) بخاری (۱۸۲۱،۱۸۲۴) مسلم (۸/ ۱۰۷) ابو داود (۱۸۵۲) نسائی (۵/ ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷) ترمذی (۸۴۷، ۸۴۸) ابن ماجہ (۳۰۹۳) دارمی (۲/ ۳۸، ۳۹) ابن الجارود (۴۳۵) اور بیہقی (۵/ ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰) نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

فدیہ:

اگر کسی سے احرام کی حالت میں کسی جنگلی جانور کے شکار کا فعل سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ فدیہ مقرر فرمایا ہے کہ جیسا جانور شکار کرے ویسا ہی پالتو جانور مکہ میں ذبح کر کے مسکینوں میں تقسیم کرے یا اس کی قیمت کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلائے یا اتنے روزے رکھے۔ چنانچہ سورہ مائدہ (آیت: ۹۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ﴾

''اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو جو جانور اس نے شکار کیا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ اور یہ فدیہ کعبہ پہنچایا جائے گا یا پھر اس گناہ کے کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تا کہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کیا لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا اور اللہ سب پر غالب ہے اور وہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل ذکر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عمداً، خطاً، سہواً شُتر مرغ شکار کرے تو کفارے میں اونٹ دے۔ جنگلی گائے کے بدلے میں پالتو گائے فدیہ دے۔ ہرن شکار کرے تو بکری ذبح

کرے اور جسے ہم پلہ جانور نہ ملے تو ایسے جانور کی وہ قیمت دے جسے دوعادل مسلمان طے کریں۔ پھر اس قیمت سے غلہ خرید کر نصف صاع فی مسکین کے حساب سے تقسیم کردے یا پھر اس کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں اس قیمت کے جتنے صاع غلہ بنتا ہے اس میں سے ہر ایک صاع کے عوض ایک روزہ رکھے۔ جبکہ صاع کی تحقیق ذکر کی جا چکی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، اردو: ۲/۲۲-۲۷)

بجو کے شکار کے فدیہ کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کا کفارہ ایک مینڈھا ہے۔ چنانچہ سنن اربعہ، بیہقی، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے شکار (کے فدیہ) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هُو صَيْدٌ ، وَيُجعَلُ فِيهِ كَبْشاً اِذَا أَصَابَهُ الْمُحرِمُ»[۹۸]

''وہ شکار ہے اور اگر احرام کی حالت میں کوئی اسے شکار کرے تو اس کا فدیہ ایک مینڈھا ہے۔''

ایسے ہی بعض موقوف روایات میں بعض جانوروں کے شکار پر یہ ذکر آیا ہے۔ مثلاً موطا امام مالک، مسند امام شافعی، سنن بیہقی اور مشکل الآثار طحاوی میں ہے کہ

---

(۹۸) ابو داود (۳۸۰۱) ''الأطعمة'' ترمذی (۸۵۱) ''الحج'' نسائی (۵/ ۱۹۱، ۷/ ۳۰۰) ''الحج والصيد''، ابن ماجہ (۳۰۱۸۵، ۳۲۳۶) ''الحج والصيد'' ابن حبان (۹۷۹) حاکم (۱/ ۴۵۲-۴۵۳) بیہقی (۵/۱۸۳، ۹/ ۳۱۸) اسی طرح اس حدیث کو دارمی (۲/۷۴) ابن الجارود (۴۳۹) ابن خزیمۃ (۲۶۴۶) دارقطنی (۲/ ۲۴۶) احمد (۳/ ۳۱۸) اور ابو یعلی (۲۱۲۷، ۲۱۵۹) نے بھی روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ امام بخاری (جیسا کہ امام ترمذی نے ان سے نقل کیا ہے) اور عبدالحق اشبیلی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث جید ہے اور اس سے حجت قائم ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرن کے شکار پر بکری، خرگوش کے شکار پر بکری کا ایک سال سے چھوٹا بچہ اور جربوع (چوہے کی مانند ایک جانور) پر بکری کا وہ بچہ جو چار ماہ کا ہو جائے، فدیہ قرار دیا ہے۔ (۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سنن بیہقی کی روایت میں جنگلی گدھے کے شکار پر گائے کا فدیہ قرار دیا ہے۔ (۱۰۰)

مسند شافعی کی حسن درجہ کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبوتر کا فدیہ بکری قرار دیا۔ (۱۰۱)

امام شافعی ہی کی ایک روایت میں امام عطاء اور شریح رحمہما اللہ سے لومڑی پر بھی بکری کا فدیہ نقل کیا گیا ہے۔ (۱۰۲) اور انھی کی ایک روایت میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے گوہ پر بکری کا ایک سال کا بچہ فدیہ قرار دیا۔ (۱۰۳)

شکار میں اشتراک:

اگر کچھ لوگ ایک جانور کے شکار میں شریک ہوں تو ان سب پر اس شکار کے ہم پلہ صرف ایک جانور کا فدیہ ہے جسے وہ اشتراک سے خرید کر دے سکتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی کے الفاظ: ﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ کے ظاہر مفہوم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک فیصلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ (فقه السنة: ١/ ٦٨٦، ٦٨٧)

(۹۹) ان آثار کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "التلخيص الحبير" (۱/ ۲/ ۲۸۱، ۲۸۸) میں ذکر کیا ہے۔ [مؤلف]

(۱۰۰) حوالہ سابقہ أیضاً

(۱۰۱) حوالہ سابقہ أیضاً

(۱۰۲) حوالہ سابقہ أیضاً

(۱۰۳) حوالہ سابقہ أیضاً

حرمِ مدنی:

صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود و بیہقی، مسند طیالسی اور مسند احمد میں مذکورہ بعض احادیث کی رو سے مدینہ طیبہ بھی حرم ہے۔ اس کے درخت کاٹنا، گھاس اکھاڑنا، گری پڑی اشیاء کو (اعلان کی نیت کے سوا) اٹھانا اور شکار کرنا بھی منع ہے۔ ان کا وہی کفارہ اور فدیہ ہے جو حرمِ مکی میں ارتکاب پر ذکر ہوا ہے۔

وادیٔ وج کا شکار:

طائف کے پاس ایک وادی ہے جسے ''وج'' کہا گیا ہے۔ اس وادی سے شکار کرنا بھی شافعیہ کے نزدیک منع ہے اور اس کے درخت کاٹنے بھی ممنوع ہیں کیونکہ تاریخ امام بخاری، ابو داود اور مسند احمد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعَضَاهَهٗ حَرَامٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» (١٠٤)

''نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ وادیٔ وج سے شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے۔''

اور سنن ابو داود میں ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: صَيْدُ وَجٍّ مُحَرَّمٌ» (١٠٥)

---

(١٠٤) اس حدیث کو بخاری نے "التاریخ الکبیر" (۱/ ۱۴۰) میں، ابو داود (۲۰۳۲) "باب مال الکعبة" احمد (۱/ ۱٦۵) اسی طرح حمیدی (٦۳) عقیلی (۴/ ۹۳) بیہقی (۵/ ۲۰۰) اور مزی نے "تھذیب الکمال" (۱۴/ ۳۱۲،۳۱۳) میں روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری نے "التاریخ الکبیر" (۵/ ۴۵) میں اور امام احمد، عقیلی، ابن حبان، نووی نے ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں: "میزان الاعتدال" (۲/ ۳۹۳) اسی طرح نووی نے بھی "شرح المھذب" میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ عبدالحق اشبیلی نے امام ابو داود کی طرح اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے مگر ابن القطان نے اشبیلی کا تعاقب کیا ہے جبکہ امام شافعی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ۲/ ۲۸۰)

(١٠٥) یہ نمبر (۱۰۴) والی ہی حدیث ہے۔

''نبی ﷺ نے فرمایا: وادیٔ وج کا شکار حرام ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے، امام ابو داود اور عبدالحق نے ان پر سکوت اختیار کیا ہے جبکہ امام بخاری، امام احمد، امام عقیلی، امام ابن حبان اور امام نووی نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (كذا في النيل: ٣/٥/ ٣٤)

درخت کاٹنے کا فدیہ:

ائمہ فقہاء نے حرم کے درخت کاٹنے پر فدیہ ذکر کیا ہے اور دلیل کے طور پر ایک روایت پیش کی ہے جس میں مذکور ہے کہ اگر بڑا درخت کاٹے تو اس پر گائے فدیہ ہے۔ (١٠٦)

علامہ نواب صدیق حسن خان والیٔ بھوپال ''الروضة الندية شرح الدرر البهية'' میں لکھتے ہیں کہ حرم کے درخت کاٹنے پر گناہ ہوگا کیونکہ یہ فعل منع ہے مگر اس پر فدیہ کے واجب ہونے کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ مذکورہ روایت کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اور اس سلسلے میں بعض سلف سے جو روایات ملتی ہیں وہ حجت ودلیل نہیں بنتیں۔ (الروضة الندية: ١/ ٢٥٨۔ ٢٥٩)

⑪ جماع کرنا۔ ⑫ بدکاری ومعصیت کرنا۔

⑬ بوس وکنار کرنا۔ ⑭ لڑائی جھگڑا کرنا۔

یہ سب امور بھی حالتِ احرام میں حرام ہیں کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ [البقرة: ١٩٧]

(١٠٦) اس روایت کی طرف علّامہ نواب صدیق حسن خان نے الروضة الندية (١/ ٢٥٩) میں اشارہ کیا ہے اور اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [مؤلف]

”جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے اسے دورانِ حج کوئی شہوانی حرکت وبدکاری ومعصیت اورلڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔“

حالتِ احرام میں جماع کر لینے سے تو حج ہی باطل ہوجاتا ہے البتہ بوس وکنار سے حج تو باطل نہیں ہوتا لیکن اس ممنوع فعل کے ارتکاب پر فدیہ دینا پڑے گا۔
(المغني: ۳/ ۳۱۰ الفتح الرباني: ۱۱/ ۲۳۳، ۲۳۶)

ہاں اس دوران خیمہ میں اکٹھے رہتے اوراٹھتے بیٹھتے بیوی سے بلاشہوت اس کا ہاتھ وغیرہ چُھو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (الفتح الرباني: ۱۱/ ۲۳۶)

⑮ حرم کے درخت اور گھاس کاٹنا:

حدودِ حرم کے اندر اُگے ہوئے درخت، گھاس اور نباتات کاٹنا ہر حال میں منع ہے، چاہے کوئی احرام کی حالت میں ہو یا بغیر احرام کے۔ البتہ اذخر نامی گھاس، خود اگائی ہوئی سبزیاں اورسوکھے ہوئے درخت یا گھاس کاٹنا اس حکم سے خارج ہے۔
(المغني: ۳/ ۳۱۵، ۳۱۶)

⑯ حدودِ حرم میں شکار کرنا:

حدودِ حرم میں احرام کی حالت میں یا معمول کے لباس میں ہر حالت میں شکار کرنا اورجانوروں کو بھگانا منع ہے البتہ پالتو جانوروں مثلاً مرغی اور بکری وغیرہ کو ذبح کرسکتا ہے اوراس کا گوشت بھی کھا سکتا ہے۔

⑰ گری پڑی چیزیں اٹھانا:

حدودِ حرم میں گری پڑی چیزوں کا اٹھانا بھی منع ہے۔ ہاں اس شخص کو اجازت ہے جو ایسی اشیاء کے لیے بنائے گئے مخصوص سرکاری ادارہ ”دار المفقودات“ میں جمع کرانے اور اعلان کرانے کی غرض سے اٹھائے۔ مذکورہ بالا تینوں امور کا تعلق احرام سے نہیں بلکہ حرم سے ہے۔ وہ حرمِ مکی ہو یا حرمِ مدنی۔ اوران کی ممانعت کا ثبوت صحیح

بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے جس میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَاَنَّهُ لَمْ يُحَلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلَمْ يُحَلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلا يُلْتَقَطُ لُقْطَتُهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا. فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِلَّا الإِذْخِرَ، فَاِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِم فَقَالَ: إِلَّا الْاِذْخِرَ» [107]

''اس شہرِ مکہ کو اللہ نے اُس دن سے احترام وحرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین وآسمان بنائے گئے تھے۔ یہ حرمتِ الٰہی کے ساتھ قیامت تک کے لیے قابلِ احترام ہے اوراس میں مجھ سے پہلے کسی کو قتال (جنگ) کی اجازت نہیں دی گئی اور مجھے بھی دن کی ایک گھڑی میں اس کی اجازت ملی۔ یہ شہر حرمتِ الٰہی کے ساتھ قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ اس کے کانٹے اور درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کے جانوروں کو بھگایا نہ (شکار نہ کیا) جائے، اس میں گری پڑی کوئی چیز نہ اٹھائی جائے

[107] اس حدیث کو اس طرح سے طویل بخاری (۱۸۳۴) مسلم (۹/ ۱۲۳، ۱۲۶) ابو داود (۲۰۱۸) نسائی (۵/ ۲۰۳، ۲۰۴) ابن الجارود (۵۰۹) بیہقی (۵/ ۱۹۵) اور احمد (۱/ ۲۵۹، ۳۱۵، ۳۱۶) نے طاؤس کے واسطے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بخاری (۱۸۳۳) نسائی (۵/ ۲۱۱) بیہقی نے عکرمہ کے واسطے سے اور اسی طرح عبدالرزاق (۳۱۹۳) اور ان سے احمد (۳۴۸۱) نے عمرو بن دینار کے واسطے سے بھی اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے مگر ان کی حدیث طاؤس کی حدیث کی نسبت مختصر ہے۔

سوائے اس کے جو اس کا اعلان و تعارف کرانے کے لیے اٹھائے اور اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ تب (آپ ﷺ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سوائے اِذخر کے (اسے کاٹنے کی اجازت فرمادیں) کیونکہ یہ بھٹی میں جلانے اور گھروں میں (بچھانے اور چھتوں پر ڈالنے کے) کام آتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے اِذخر کے۔ (یعنی اسے کاٹنے کی اجازت ہے)۔''

صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدُهَا» (۱۰۸)

''اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیز کوئی نہ اٹھائے سوائے اُس کے جو اس کا اعلان کرنا چاہے۔''

⑱ کنگھا کرنا:

بعض اہلِ علم احرام کی حالت میں کنگا کرنے کے حق میں بھی نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک تو یہ زیب و زینت کے لیے ہوتا ہے جو یہاں مطلوب ہی نہیں، دوسرے یہ جان بوجھ کر بالوں کو نوچنے کی شکل ہے جو کہ ممنوع ہے۔ لیکن اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طواف سے پہلے حیض آجانے کا ذکر ہے اور پھر اسی حالت میں انھیں منیٰ بھی جانا پڑا، اس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں حکم فرمایا:

---

(۱۰۸) اس کو بخاری (۱۱۲) "العلم، باب كتابة العلم" مسلم (۹/ ۱۲۸-۱۳۰) ابو داود (۲۰۱۷) دارمی (۲/ ۲۶۵) ''البیوع'' ابن الجارود (۵۰۸) بیہقی (۵/ ۱۹۵) احمد (۲/ ۲۳۸) اسی طرح ابو یعلی (۵۹۵۴) اور بزار (۱۱۵۷) نے روایت کیا ہے۔

«اُنْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي» [۱۰۹]

''اپنے سر کے بالوں کو کھولو اور کنگھا کرو۔''

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بالوں کے نوچے جانے کا خدشہ نہ ہو تو مینڈھیوں کو کھولنا اور کنگھا کرنا جائز ہے البتہ بلا عذر کنگھا کرنا مکروہ ہے۔ (شرح صحيح مسلم للنووي: ٤/٨/١٤٠)

خلاصہ:

ان ''محرماتِ احرام'' میں سے اگر کوئی بھی فعل سرزد ہوجائے تو اس پر فدیہ ہے مگر حج صحیح رہے گا سوائے جماع کے۔ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں جماع کر بیٹھے تو اس کا حج یا عمرہ باطل ہوجائے گا اور کسی فدیہ سے اس کی تلافی بھی ممکن نہیں۔ اس پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے۔

(المغني: ٣/ ٣١٥، الفتح الرباني: ١١/ ٣٣٣۔ ٣٣٦)

فدیے کی تفصیل ہم ذکر کرچکے ہیں کہ شکار کرنے کی شکل میں کیا ہے؟ جبکہ باقی امور میں وہ بال کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

❀❀❀

---

[۱۰۹] بخاری (۳۱٦، ۳۱۷، ۳۱۹، ۱۵۵٦) ''الحیض والحج''، مسلم (۸/ ۱۳۸- ۱۳۹) ''الحج'' ابو داود (۱۷۸۱) وغیرہ۔

مباحاتِ احرام

بعض امور ایسے ہیں جو احرام کی حالت میں بھی جائز ہیں جنہیں فقہ اسلامی میں ''مباحاتِ احرام'' کہا جاتا ہے مگر بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے ناحق پریشانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ شاید احرام کی حالت میں انسان مشکلات میں جکڑ جاتا ہے۔ ان کے نزدیک احرام باندھ لینا گویا پابندِ سلاسل اور پابہ جولاں ہو جانے کے مترادف ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ نہایت آسان ومتوازن اورفطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور اس نے احرام کی حالت میں بھی کئی ضروری امور جائز اورمباح قرار دیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

① غسل کرنا:

اگر بدخوابی کی وجہ سے نہانے کی ضرورت پیش آجائے یا صرف گرمی سے ٹھنڈک حاصل کرنا اور پسینہ دور کرنا مقصود ہوتو ہر شکل میں غسل کرنا جائز ہے۔ غسلِ جنابت کے جواز پر تو تمام ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے۔

(فتح الباري: ٤/٥٥، ٥٦، الفتح الرباني: ١١/ ٢١٠، ٢١٣)

کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا احرام کے دوران غسل کے بارے میں اختلاف رائے ہوگیا جبکہ وہ ''ابواء'' نامی مقام پر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: احرام والا سر دھوسکتا ہے، اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احرام والا سر کو نہ دھوئے۔ حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن حنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو کنویں کے پاس کپڑے کی اوٹ میں غسل کرتے پایا۔ میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے پوچھا: کون ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں عبداللہ بن حنین (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ سے پوچھوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سرِ اقدس کو دھویا کرتے تھے؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پردے والے کپڑے پر ہاتھ رکھا جس سے وہ کپڑا کچھ سکڑ گیا حتیٰ کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سر مجھے نظر آنے لگا، پھر انھوں نے کسی کو کہا کہ میرے سر پر پانی ڈالو:

« فَصَبَّ عَلَىٰ رَأْسِهِ، ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهَا وَأَدْبَرَ، وَقَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ »[110]

''اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو خوب ہلایا اور سر کے آگے تک اور پیچھے تک ہاتھوں کو پھیرا (یعنی مل کر سر کو دھویا) اور پھر فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۴/ ۵٦) میں امام سفیان بن عیینہ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

« فَرَجَعْتُ اِلَيْهِمَا، فَأَخْبَرْتُهُمَا، فَقَالَ الْمِسْوَرُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: لَا أُمَارِيكَ أَبَداً »[111]

---

[110] اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۲۳) اور مالک کے طریق سے بخاری (۱۸۴۰) مسلم (۸/ ۱۲۵) ابوداود (۱۸۴۰) نسائی (۵/ ۱۲۸) ابن ماجہ (۲۹۳۴) بیہقی (۵/ ٦۳) اور احمد (۵/ ۴۱۸) نے روایت کیا ہے۔

[111] سفیان بن عیینہ کے طریق سے اس حدیث کو دارمی (۲/ ۳۰) ابن الجارود (۴۴۱) ابن خزیمۃ (٢٦۵۰) اور مسلم نے روایت کیا ہے مگر مذکورہ الفاظ اس طرح سے کسی ⑲⓪

''میں ان دونوں کی طرف لوٹ کر گیا اورانہیں یہ جواب بتایا تو حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہا کہ آج کے بعد میں کبھی بھی آپ سے بحث نہیں کروں گا۔ (یعنی ان کے علم وفضل کااعتراف کرلیا)۔''

اس سے آگے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں :

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں غسل کرنا اور مُحرم کا اپنے سرکوخوب مَل کر دھونا جائز ہے جبکہ بالوں کے گرنے کا خدشہ نہ ہو۔ ایسے ہی وضو کے وقت احرام کی حالت میں بھی داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا مستحب ہے۔'' (فتح الباري ٤ / ٥٧)

① سرکومَل کر دھونا:

اس حدیث سے جوازِ غسل کے علاوہ سر کو دونوں ہاتھوں سے خوب مل کر دھونے کے جواز کا بھی پتہ چلتا ہے اور ظاہر ہے کہ سرکومل کر دھونے میں کسی بال کے ٹوٹنے اورگرنے کا گمان غالب ہوتا ہے، اس کے باوجود جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکو مَل کر دھونے کا ثبوت ملتا ہے تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دورانِ غسل اگر سر یا بدن کے کسی حصہ سے کوئی بال ٹوٹ کر گر گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ سرکو دھونے کے جواز پر جمہور اہلِ علم اوراکثر ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ اورامام سفیان ثوری وغیرہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ (الفتح الرباني: ١١/ ٢١٣، فتاوى ابن تيمية: ٢٦/ ١١٦)

---

⑲⓪ کے ہاں بھی نہیں ہیں سوائے صحیح ابن خزیمہ کے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ((فَأَتَيتُ ابنَ عَبَّاسٍ فَأَخبَرتُهُ، فَقَالَ لَهُ المِسوَرُ: لَا أُمَارِيكَ فِي شَيءٍ بَعدَها أَبَداً)) حافظ صاحب نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ممکن ہے وہ کسی دوسری کتاب میں ہوں۔ اسی طرح ابن جریج کی روایت میں آخری الفاظ ((لَا أُمَارِيكَ أبَداً)) ہیں اوران کی روایت مسند احمد (۵/ ۴۲۱) اورصحیح مسلم میں ہے۔

ایسے ہی حنابلہ اورشوافع کے نزدیک غسل کے لیے خوشبودار صابن بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور احناف کے نزدیک صرف وہ صابن جائز ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔
(الفقه علىٰ المذاهب الأربعة: ١/ ٦٥٠ـ ٦٥١، فقه السنة: ١/ ٦٦٦)

③ سر دھوتے وقت اس کا ڈھک جانا:

غسل کے جواز اور سر کو مل کر دھونے کا ثبوت تو خود نبی اکرم ﷺ سے مل گیا جبکہ خلفاء راشدین میں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر بھی موطا امام مالک اور مسند امام شافعی میں مروی ہے جس سے احرام کی حالت میں ان کے سر کو دھونے کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

«مَا يَزِيدُ الْمَاءُ الشَّعْرَ إِلَّا شَعْثاً»⑪②

''پانی سر کے بالوں کی پراگندگی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ سر کو دھوتے وقت ہاتھوں سے جو سر ڈھک جاتا ہے وہ بھی جائز ہے اور ان کا استدلال سابق الذکر حدیثِ ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے۔ (نيل الأوطار: ٣/ ٦/ ١٣، طبع بيروت)

اگر پانی میں غوطہ لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بھی سر پانی کے نیچے آجاتا اور ڈھک جاتا ہے۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مسند شافعی اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«قَالَ لِيْ عُمَرُ، وَ نَحْنُ مُحْرِمُوْنَ بِالْجُحْفَةِ: تَعَالَ اُبَاقِيْكَ، اَيُّنَا اَطْوَلُ نَفَساً فِي الْمَاءِ؟»⑪③

---

⑪② مالک (۱/۳۲۳) شافعی اپنی مسند (۱۱۷) میں اور ان سے بیہقی (۵/۶۳) نے روایت کی ہے۔ امام مالک کی سند منقطع ہے مگر امام شافعی والی سند موصول ہے لہٰذا یہ اثر صحیح ہے۔
⑪③ شافعی (۱۱۷) اور ان کے طریق سے بیہقی نے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ (۵/۶۳)

''ہم جُحفه کے مقام پر احرام کی حالت میں تھے کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ پانی میں غوطہ لگا کر دیکھیں کہ ہم میں سے زیادہ لمبی سانس کس کی ہے؟'' (نيل الأوطار: ٣/ ٦/ ١٣)

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سر کو پانی کے نیچے ڈھکنا بھی مکروہ ہے لیکن یہ اثرِ فاروقی ان کی تردید کررہا ہے۔

④ احرام کو بدلنا یا دھونا:

احرام کے طور پر باندھی ہوئی چادروں یا عورتوں کے لباس کو کوئی غلاظت لگ جائے یا وہ زیادہ میلے ہوجائیں تو انھیں دھویا بھی جاسکتا ہے اور اگر دوسرے نئے کپڑے موجود ہوں تو انھیں بدلنا بھی جائز ہے۔

(التحقيق والإيضاح لابن باز، ص: ٢٦، فقه السنة: ١/ ٦٦٥)

اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن دارقطنی وبیہقی میں موصولاً مروی ہے:

((يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ وَيَنْزِعُ ضِرْسَهٗ، وَإِذَا انْكَسَرَ ظُفُرُهٗ طَرَحَهٗ، وَيَقُوْلُ: اَمِيْطُوْا عَنْكُمُ الْأَذٰى فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِأَذَاكُمْ شَيْئاً)) [114]

''محرم حمام میں جا (نہا) سکتا ہے اور داڑھ نکال (یا نکلوا) سکتا ہے۔ اگر کوئی ناخن ٹوٹ جائے تو اسے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ اپنے آپ سے میل کچیل دور کرو کیونکہ اللہ کو اس سے کوئی غرض نہیں۔''

[114] دارقطنی (۲/ ۲۳۲، ۲۳۳) اور ان کے طریق سے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (۵/ ۶۳) اس سند کے سب راوی ثقہ ہیں مگر ابن جریج مدلّس ہے مگر اس اثر کو وہ ایوب سے بیان کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ بیہقی (۵/ ۶۲) میں ایوب سے اس اثر کو سفیان ثوری نے بھی روایت کیا ہے۔ ((اَمِيْطُوْا عَنْكُمْ ...)) یہ الفاظ بیہقی میں سفیان ہی کے ہیں۔

انھیں کے بارے میں سنن بیہقی میں مروی ہے کہ وہ مقامِ **جُحفہ** پر احرام کی حالت میں نہانے کے لیے حمام میں داخل ہوئے تو انھیں کہا گیا کہ احرام کی حالت میں آپ حمام میں جا رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ مَا يَعْبَأُ بِأَوْسَاخِكُمْ شَيْئاً» (۱۱۵)

''اللہ کو تمھارے میل کچیل سے کوئی غرض نہیں۔''

یہ بات جس طرح غسل کے بارے میں کہی جاسکتی ہے ویسے ہی کپڑے (احرام) دھونے کے بارے میں بھی ممکن ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:

«يَغْتَسِلُ الْمُحْرِمُ، وَيَغْسِلُ ثِيَابَهُ» (۱۱۶)

''مُحرم غسل کرسکتا ہے اور اپنے احرام والے کپڑے دھوسکتا ہے۔''

ان آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے احرام کے گندے کپڑوں کو دھونے کے جواز کا پتہ چلتا ہے اور اگر انھیں بدل کر نئے کپڑے پہن لیے تو بھی وہی بات ہے۔

(دیکھیے: المحلی لابن حزم: ۷/ ۲٤۷، ۲٤۸)

⑤ سایہ کرنا:

احرام کی حالت میں دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لیے چھتری، کپڑے، خیمے، گاڑی کی چھت یا کسی بھی چیز کے سائے میں بیٹھنا جائز ہے اور اس کا ثبوت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ معروف حدیث جو صحیح مسلم اور دیگر کتب میں بھی مروی ہے، جس میں حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آنکھوں دیکھا حال اور تفصیلی وقائع کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

---

(۱۱۵) بيهقي (۵/ ٦۳) اس کی سند اگرچہ انتہائی ضعیف ہے مگر نمبر (۱۱۴) میں دوسری سند سے گزرے ہوئے اثرِ ابن عباس کے ان الفاظ «اَمِيطُوا عَنْكُمُ الْاَذىٰ ...» سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۱۶) البيهقي (۵/ ٦۲) بإسناد صحيح

« ... وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ حَتّٰی اَتَیٰ عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فنَزَلَ بِهَا حَتّٰی اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ ... » (۱۱۷)

''... آپ ﷺ نے وادیٔ نمرہ میں خیمہ نصب کرنے کا حکم فرمایا، جب آپ ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے تو نمرہ میں اپنے لیے خیمہ نصب پایا۔ آپ ﷺ اس میں تشریف لے گئے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا...''

ایسے ہی صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

« رَأَیْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهٗ یَسْتُرُهٗ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰی رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ » (۱۱۸)

''میں نے اسامہ اور بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا، ان میں سے ایک نے نبی ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے اپنے کپڑے سے نبی ﷺ کو دھوپ سے بچانے کے لیے سایہ کیا ہوا تھا۔ اور یہ سلسلہ آپ ﷺ کے جمرہ عقبہ پر رمی کر لینے تک بحال رہا۔''

یہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ بوقتِ ضرورت کسی بھی چیز کا سایہ کیا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۱۱۲)

ایسے ہی بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی سایہ کر لینے کے جواز کا پتہ چلتا ہے

---

(۱۱۷) اس حدیث کی مفصل تخریج نمبر (۱۹۰) میں آئے گی۔

(۱۱۸) اس حدیث کو مسلم (۹/ ۴۶) احمد (۶/ ۴۰۲) اسی طرح اسے نسائی (۵/ ۲۶۹) ابن خزیمۃ (۲۶۸۸) طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۵/ ۱۵۷) اور ''الاوسط'' (۱۱۸۷) میں، فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۴/ ۲۸۶) اور بیہقی (۵/ ۶۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

مثلاً امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن عامر کی روایت ہے:

((خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ فَكَانَ يَطْرَحُ الْفَطْحَ عَلىٰ الشَّجَرَةِ فَيَسْتَظِلُّ بِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ))[119]

''میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا وہ درخت پر چمڑے کا چادر نما ٹکڑا ڈال کر سایہ کرتے اور اس کے نیچے بیٹھتے تھے جبکہ وہ احرام کی حالت میں ہوتے تھے۔''

امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مُحرم دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے اورآندھی وبارش سے بچنے کے لیے بھی کسی چیز کا (سر یا منہ کے لیے) سہارا لیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسود بن یزید نے احرام کی حالت میں اپنے سر پر چادر ڈال لی اوراس طرح وہ بارش سے اپنا بچاؤ کررہے تھے۔
(فقه السنة: ١/ ٦٦٩)

ان آثارِ صحابہ وتابعین سے معلوم ہوا کہ ایسے ہنگامی حالات میں سر پر کوئی چیز ڈال لینے سے بھی احرام پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور بوقتِ ضرورت کوئی چیز سر پر اٹھا لینے کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بھول کر اپنے سر کو کسی پگڑی، ٹوپی یا رومال سے ڈھانپ لے تو احناف کے نزدیک اس پر فدیہ ہے جبکہ معروف تابعی امام عطاء کا قول ہے کہ اس پر کوئی فدیہ نہیں، بس اس بھول پر استغفار کرلے۔ شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے، اوریہی مسلک شرعی قاعدہ کے اعتبار سے کہ ''بھول چوک معاف'' زیادہ صحیح ہے۔
(فقه السنة: ١/ ٦٦٧)

⑥ آنکھوں میں سُرمہ یا دوا لگانا:

آنکھیں دکھتی ہوں یا پسینے اورغبار کی وجہ سے بوجھل ہورہی ہوں تو سُرمہ یا کوئی

[119] مصنف ابن أبي شيبة كما في فقه السنة (١/ ٦٦٩)۔ [مؤلف]

دوا (آئی ڈراپس ،آئی ٹیوب) استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

«حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الرَّجُلِ اِذَا اشْتَكٰى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَدَهَا بِالصَّبِرِ»[140]

''وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنکھیں دکھنے کی شکایت کی جبکہ وہ احرام کی حالت میں تھا تو آپ ﷺ نے اس کی آنکھوں پر "صَبِر" (ایلوا) نامی بوٹی کی پٹی باندھی۔''

غرض کوئی بھی دوا اور سُرمہ استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ خوشبو دار نہ ہو۔ دوا کے طور پر اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔ (فقه السنة: ١/ ٦٦٩)

لیکن محض زینت کے لیے سرمہ لگانا مناسب نہیں، اگر کوئی لگا ہی لیتا ہے تو بھی اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ اس بات پر امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے تمام ائمہ وفقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (المغني: ٣/ ٢٩٥)

⑦ سمندری شکار:

سمندری جانوروں مچھلی وغیرہ کا شکار کرنا اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے :

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٦]

[140] مسلم (۸/۱۲۴) ابو داود (۱۸۳۸، ۱۸۳۹) ترمذی (۹۵۲) نسائی (۵/۱۴۳) دارمی (۲/ ۷۱) ابن الجارود (۴۴۳) ابن خزیمۃ (۲۶۵۴) بیہقی (۵/ ۶۲) طیالسی (۱/ ۲۱۳) اور احمد (۱/ ۵۹، ۶۰، ۶۸، ۶۹)

''تمھارے لیے سمندری جانوروں کا شکار اور ان کا گوشت کھانا حلال کیا گیا ہے۔ یہ تمھارے اور دوسرے مسافروں کے فائدہ کے لیے ہے (وہاں بھی کھاؤ اور زادِراہ بھی لے سکتے ہو) اور تم پر خشکی کا شکار حرام قرار دیا گیا ہے جب تک تم احرام کی حالت میں رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

⑧ بلا قصد عورت سے چُھو جانا:

بندہ احرام کی حالت میں دورانِ سفر یا خیمہ میں بیٹھتے اٹھتے بلاقصد اور بلا شہوت عورت سے چُھو جائے تو امام نووی رحمہ اللہ کے بقول بلا اختلاف اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (الفتح الرباني: ١١/ ٢٣٦)

البتہ شہوت کے ساتھ چُھونا حرام ہے جس کی تفصیل ''محرّماتِ احرام'' میں گزر چکی ہے۔

⑨ موذی جانوروں کو مارنا:

خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا حرم اور احرام میں حرام ہے لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ کسی بھی جانور کو کسی بھی حالت میں مار نہیں سکتے بلکہ موذی (تکلیف دہ اور ضرر رساں) جانوروں کو جان سے مار دینے کی اجازت ہے اور اس سے حرم شریف کے احترام اور احرام پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ ہی اس پر کوئی کفارہ وفدیہ لازم آتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

(بحواله الفتح الرباني: ١١/ ٢٧٥)

اس عمل کے جواز کی دلیل متعدد صحیح احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری و مسلم، سنن ترمذی و نسائی و بیہقی اور مسند احمد میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيْ قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ»

''پانچ جانور ایسے ہیں جنھیں محرم قتل کر دے تو اسے کوئی گناہ نہیں۔''

جبکہ دوسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جو انھوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے بیان کی ہے، اس میں ان پانچ جانوروں کے نام بھی مذکور ہیں جو یہ ہیں:

«اَلْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ» (١٣١)

''کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹنے والا کتا۔''

صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی و ابن ماجہ و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بچھو کی بجائے سانپ کا لفظ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَمْسٌ فَوَاسِقَ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْحَيَّةُ، وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ، وَالْحِدَأَةُ» (١٣٢)

---

(١٣١) ا۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مالک (١/ ٣٠٦) بخاری (١٨٢٦) مسلم (٨/ ١١٥، ١١٨) ابو داود (١٨٤٦) نسائی (٥/ ١٨٧، ١٨٩، ١٩٠) دارمی (٢/ ٣٦) ابن ماجہ (٣٠٨٨) ابن الجارود (٤٤٠) بیہقی (٥/ ٢٠٩، ٢١٠) اور احمد (٢/ ٣، ٨، ٢٣، ٤٨، ٥٠، ٥٢، ٥٤، ٦٥، ٨٢، ١٣٨) نے روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث ترمذی میں نہیں ہے۔

٢۔ حدیثِ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بخاری (١٨٢٧، ١٨٢٨) مسلم، نسائی (٥/ ٢١٠) ابن خزیمۃ (٢٦٦٥) بیہقی (٥/ ٢١٠) اور احمد (٦/ ٢٨٥) نے روایت کیا ہے۔

(١٣٢) اس حدیث کو بخاری (١٨٢٩) مسلم (٨/ ١١٣- ١١٥) ترمذی (٨٣٧) نسائی (٥/ ١٨٨) ابن ماجہ (٣٠٨٧) دارمی (٢/ ٣٦، ٣٧) بیہقی (٥/ ٢٠٩) اور احمد (٦/ ٣٣، ٨٧، ٩٧، ٩٨، ١٦٤، ٢٠٣، ٢٣١، ٢٥٠، ٢٥٩، ٢٦١) نے روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ بخاری، ترمذی، دارمی، اسی طرح مسلم، بیہقی اور مسند احمد کی بعض روایات میں سانپ کی بجائے بچھو ہی کا ذکر ہے، اور بچھو کی بجائے سانپ کا ذکر نسائی، ابن ماجہ، اسی طرح مسلم (١٩٠)

''پانچ جانور فاسق (موذی) ہیں انھیں حِل و حرم ہر جگہ اور ہر حالت میں قتل کر دیا جائے۔ سانپ، سیاہ و سفید کوا، چوہا، کاٹنے والا کتا اور چیل۔''

مذکورہ چھ موذی جانوروں کے علاوہ ان کے حکم میں آنے والے دوسرے جانوروں مثلاً شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ کو مارنے سے بھی احرام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کو کاٹنے والے کتے کے حکم میں شمار کیا گیا ہے۔ (فتح الباري: ٤/ ٣٦، ٣٩)

مذکورہ بالا حدیث سے مروی الفاظ ''الکلب العقور'' میں شیر کا شمار ہونا تو ایک حدیث سے بھی ثابت ہے جسے امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴/ ۳۹) میں اس کی سند کو حسن درجہ کی قرار دیا ہے، جس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گستاخ کے لیے بد دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْباً مِّنْ كِلَابِكَ» ⑬

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے۔''

تو اسے ایک شیر نے ہلاک کیا تھا۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، اور انھیں سے نقل کرتے ہوئے سید سابق نے فقہ السنہ میں لکھا ہے کہ چھوٹی جسامت والا عام کوا جو دانہ چگتا اور کھیتوں والا (گھریلو) کوا کہلاتا ہے؛ وہ اس حکم سے خارج ہے۔

(فقہ السنہ۔ فتح الباری: ۱/ ۶۷۱، ۴/ ۳۸)

---

⑲ بیہقی اور احمد (۶/ ۹۷، ۹۸، ۲۰۳) کی بعض روایات میں ہے۔ احمد (۶/ ۲۵۰) کی ایک دوسری روایت میں سانپ اور بچھو دونوں ہی کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت (۶/ ۲۵۹) میں بھی ان دونوں کا ذکر ہے مگر اُس مقام پر چوہے کا ذکر نہیں ہے۔

⑬ اس کو حاکم (۲/ ۵۳۹) نے ابو عقرب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس کو حسن کہا ہے جیسا کہ مؤلف نے نقل کیا ہے۔ **واللّٰه أعلم.**

اسی طرح مکھی، مچھر، کھٹمل، چیچڑی، کاکروچ اور چیونٹی کو اتار پھینکنے یا مار دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ان میں سے بعض موذی چیزوں کو تو بچھو پر محمول کیا جا سکتا ہے جبکہ بعض صحابہ وتابعین کے آثار سے بھی اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مُحرم کا چیچڑی کو اونٹ (یا دوسرے جانور) سے نکال کر پھینکنا اوراسے مار دینا قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ امام عطاء رحمہ اللہ سے کسی آدمی نے پوچھا کہ اگر کسی مُحرم کے جسم پر کوئی چیونٹی رینگ رہی ہو تو وہ کیا کرے؟ انھوں نے فرمایا:

«اَلْقِ عَنْكَ مَا لَيْسَ مِنْكَ» (فقه السنة: ١/ ٦٧٠)

''جو چیز تمھارے جسم کا حصہ نہیں اسے اتار پھینکو۔''

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ مکھی وغیرہ مارنے کے جواز کے بھی قائل ہیں۔ (المحلى: ٧/ ٢٤٥)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو چیز عادتاً انسانوں کے لیے اذیت ناک ہو اسے مُحرم مارسکتا ہے جیسے سانپ، بچھو، چوہا، کوا اور کاٹنے والا کتا ہے۔''

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اگر کسی کو کھٹمل یا جوئیں کاٹ رہی ہوں تو انھیں پکڑ کر پھینک سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں البتہ مارنے سے پھینکنا اچھا ہے۔ اور اگر کسی کو جوئیں تکلیف نہ دے رہی ہوں تو کسی کو سر دکھانا درست نہیں اور اگر کوئی ایسا کر لیتا ہے تو بھی اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔''

(فتاوی ابن تیمیہ: ۲۶/ ۱۱۸)

⑩ منہ ڈھانپنا:

احرام کی حالت میں جان بوجھ کر سر کو کسی چیز سے ڈھانپنا تو منع ہے جیسا کہ ''محرّماتِ احرام'' کے ضمن میں صحیح بخاری ومسلم کی احادیث گزری ہیں۔ ان میں سے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی عرفات میں اونٹنی سے گر کر وفات پانے والے شخص کی تکفین وتدفین کے سلسلہ میں ((لَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهٗ)) کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف سر کو ڈھکنے سے منع فرمایا گیا تھا اور اس میں چہرہ داخل نہیں ہے۔ لہٰذا جمہور کا مسلک یہی ہے کہ چہرے کو ڈھانپنے کی اجازت ہے۔ البتہ اس حدیث کی بعض روایات میں ((لَا تُخَمِّرُوْا وَجْهَهٗ)) کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے چہرے کو ڈھانپنے کی ممانعت کا حکم اخذ کیا گیا ہے لیکن فتح الباری (۴/ ۵۴) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جمہور کی طرف سے لکھا ہے کہ اس روایت میں ''چہرے'' کے لفظ کے ثابت ہونے میں کلام کیا گیا ہے۔ ابن المنذر نے اسے صحیح قرار دینے میں تردّد سے کام لیا ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس روایت میں چہرے کا ذکر غریب ہے اور یہ بعض رواۃ کا وہم ہے۔ پھر ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سب محلِّ نظر ہیں اور یہ حدیث بظاہر صحیح ہے، بعد ازاں انھوں نے آگے مسلم ونسائی میں مذکور روایات ذکر کی ہیں۔ صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں کہ دراصل یہ روایت خوشبو لگانے سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ سر کو یا منہ کو ڈھانپنے یا کھلا رکھنے کے بارے میں ہے۔

اہلِ علم میں سے علامہ ناصر الدین البانی نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کو ''عجیب'' قرار دیا ہے اور ''چہرے'' کے لفظ والے اضافے کو ثابت قرار دیا ہے۔
(الإرواء: ٤/ ٢٠٠)

اہلِ ظاہر کا کہنا ہے کہ دونوں طرح کے مواقع پر عمل کرنے کے لیے یوں کریں کہ اگر مُحرم زندہ ہو تو وہ چہرے کو ڈھانپ لے تو یہ جائز ہے، ہاں اگر کوئی احرام کی حالت میں ہی مر جائے تو اس کے منہ کو ننگا رکھا جائے۔ (فتح الباري: ٤/ ٥٤۔ ٥٥)

امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ مُحرم میت کے چہرے کو ڈھانپنے کی ممانعت اس بنا پر نہیں کہ وہ مُحرم ہے بلکہ یہ ممانعت اس بنا پر

ہے کہ چہرہ ڈھانپنے سے کہیں سر (کا کچھ حصہ) نہ ڈھک جائے کیونکہ اس کا امکان رہتا ہے۔ (شرح صحيح مسلم للنووي: ٨/ ١٢٦، ١٢٩)

سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حافظ ابن حجر نے امام عطاء کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مُحرم اپنے چہرے کو اپنی ابروؤں کے نیچے تک اورایک روایت کے مطابق اپنی آنکھوں کے نیچے تک ڈھانپ سکتا ہے اور اس میں یہ احتیاط پیش نظر رکھی گئی ہے کہ کہیں سر نہ ڈھک جائے۔ (فتح الباري: ٤/ ٥٥)

بعض آثارِ صحابہ وتابعین سے منہ کو ڈھانپ لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مسند امام شافعی اورسنن سعید بن منصور میں حضرت قاسم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین، زید بن ثابت اورمروان بن حکم احرام کی حالت میں منہ کو ڈھانپا کرتے تھے۔[١٢٣]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) احرام کی حالت میں بھی منہ ڈھانپ لیتے تھے۔ امام طاؤس کا قول ہے کہ محرم گردوغبار یا راکھ سے بچاؤ کے لیے منہ ڈھانپ سکتا ہے۔ (فقه السنة: ١/ ٦٦٦)

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت منہ ڈھانپ لینے سے کوئی فدیہ لازم نہیں آتا۔

⑪ سچھنے لگوانا یا فصد کروانا:

احرام کی حالت میں سر یا جسم کے دوسرے کسی بھی حصے پر سچھنے لگوانا، فصد کروانا یا سینگی کھنچوانا بھی جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری ومسلم، سنن ابو داود وترمذی ونسائی اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

[١٢٣] رواه الشافعي وسعيد بن منصور كما في فقه السنة (١/ ٦٦)۔ [مؤلف]

«اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ (وَفي رواية:) فِي رَأْسِهٖ مِنْ صُدَاعٍ»⁽¹²⁵⁾

''نبی اکرم ﷺ نے احرام کی حالت میں فصد کروائی (اور ایک روایت میں ہے) یہ فصد ایک درد کی وجہ سے سر میں کروائی تھی۔''

جبکہ سنن ابو داود ونسائی اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، عَلَىٰ ظَهْرِ الْقَدَمِ، مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهٖ»⁽¹²⁶⁾

''نبی کریم ﷺ نے ایک درد کی وجہ سے احرام کی حالت میں اپنے پاؤں پر فصد کروائی۔''

سر میں فصد کروانے کے لیے کچھ بال کاٹنے ضروری ہوتے ہیں مگر ان احادیث میں کسی فدیے کا کوئی ذکر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی مجبوری کی صورت میں تھوڑے سے بال کٹوانے پر بھی کوئی فدیہ نہیں ہے۔ (مناسك الحج والعمرة للألباني، ص: ۹، ۱۰)

⁽¹²⁵⁾ بخاری (۱۸۳۵، ۵۶۹۵، ۵۷۰۰، ۵۷۰۱) ''جزاء الصید والطب''، مسلم (۱۲۳/۸) ابو داود (۱۸۳۵، ۱۸۳۶) ترمذی (۸۳۹) نسائی (۱۹۳/۵) مسند احمد (۱/ ۲۳۶، ۲۴۹، ۲۵۹، ۲۹۲، ۳۵۱، ۳۷۲، ۳۷۴) اسی طرح ابن خزیمۃ (۲۶۵۱، ۲۶۵۷) حاکم (۴۵۳/۱) اور بیہقی (۶۴/۵) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اسی طرح دارمی (۲/ ۳۶، ۳۷) نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

⁽¹²⁶⁾ ابو داود (۱۸۳۷) نسائی (۱۹۴/۵) مسند احمد (۱۶۴/۳) ابن خزیمۃ (۲۶۵۹) حاکم (۱/ ۴۵۳) بیہقی (۹/ ۳۳۹) بغوی (۱۹۸۶) اور ابو یعلی (۳۰۴۱) اس کی سند صحیح ہے۔ ابن خزیمۃ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور یہ ان کی شرط پر ہی ہے۔

⑫ سر یا جسم کے کسی حصے کو خراشنا:

احرام کی حالت میں سر یا جسم کے کسی حصہ پر خارش ہوتو اسے خراشا جاسکتا ہے کیونکہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور موطأ امام مالک میں موصولاً مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا مُحرم اپنے جسم کے کسی حصے پر خارش کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ پھر فرمایا کہ خوب خراشے اور یہ بھی فرمایا:

«لَوْ رُبِطَتْ يَدَايَ وَلَمْ اَجِدْ اِلَّا اَنْ اَحُكَّ بِرِجْلِي لَحَكَكْتُ»(۱۲۷)

''اگر میرے دونوں ہاتھ باندھ دیے جائیں اور میرے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے کہ میں اپنے پاؤں سے خراشوں تو بھی میں ضرور ہی خارش کروں گی۔''

ایسے ہی صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن بیہقی میں موصولاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ابومجلز بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يحُكُّ رَأْسَهٗ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَفَطِنْتُ لَهٗ فَاِذَا هُوَ يَحُكُّ بِاَطْرَافِ اَنامِلِهٖ»(۱۲۸)

''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں اپنے سر کو خارش کر رہے تھے۔ جب میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی انگلیوں کے پوروں (نرمی واحتیاط) سے خارش کر رہے ہیں۔''

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباس، جابر رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر، امام عطاء اور امام ابراہیم کے آثار بھی مروی ہیں۔ (فقه السنه: ١/ ٦٦٨) دیگر کثیر صحابہ کے علاوہ فقہاء احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (الفقه على المذاهب الأربعة: ١/ ٦٥)

(۱۲۷) أخرجه مالك (۱/ ۳۵۸) وعنه البيهقي (۵/ ۶۴)

(۱۲۸) البيهقي (۵/ ۶۴)

اسی طرح سر یا جسم کے کسی بھی حصے کو خراشنے سے کوئی بال ٹوٹ کر گر جائے تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج وفدیہ نہیں ہے۔
(مجموعہ رسائل کبریٰ: ۲/ ۳٦۸ بحوالہ حجة النبي ﷺ للشيخ الألباني، ص: ۲۷)

البتہ اس میں ممکن حد تک احتیاط سے کام لینا ہی بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اندازہ ہوتا ہے۔

⑬ بیلٹ، گھڑی، زیور، عینک، پرس، آئینہ:

احرام کی تہبند کے طور پر استعمال کی جانے والی چادر پر بیلٹ باندھنا، بوقتِ ضرورت چادر کو گرہ لگا لینا، مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہن لینا، عورت کا کوئی بھی زیور پہننا، کلائی پر گھڑی باندھنا، عینک لگانا، پیسوں والا پرس کندھے پر لٹکانا یا گلے میں باندھ کر لٹکا لینا اور آئینہ دیکھنا، یہ سبھی امور جائز ہیں۔ ان میں سے کسی کی ممانعت ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس پرس لٹکانے یا بیلٹ باندھنے اور انگوٹھی پہننے کے جواز پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام عطاء رحمہ اللہ کے آثار صحیح بخاری شریف میں موجود ہیں۔ [129]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے المحلی (۷/ ۲۴۷) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت نافع رحمہ اللہ کا یہ اثر نقل کیا ہے:

«أَنَّهٗ كَانَ يَنْظُرُ فِي الْمِرْأَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ» [130]

''وہ (ابن عمر رضی اللہ عنہما) احرام کی حالت میں آئینہ دیکھ لیا کرتے تھے۔''

---

(129) حجة النبي ﷺ للألباني (ص: ۳۰ و ۳۱) [مؤلف]

(130) اس اثر کی سند صحیح ہے۔ یہ اثر دوسری سند سے موطا مالک (۱/ ۳۵۸) میں بھی مروی ہے۔ اس میں ہے مذکور کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آنکھوں میں کسی تکلیف کی وجہ سے بحالتِ احرام آئینہ دیکھا تھا مگر یوں لگتا ہے کہ ایوب بن موسیٰ نے یہاں اپنے اور ابن عمر کے درمیان نافع کا واسطہ حذف کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری اور محلّٰی ابن حزم میں مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((لَا بَأْسَ أَنْ يَّنْظُرَ الْمُحْرِمُ فِي الْمِرْآةِ)) (۱۳۱)

''محرم اگر آئینہ دیکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

علامہ ابن حزم کی تحقیق کے مطابق صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں۔ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (فقہ السنہ ۱/ ٦٦٨) اور حضرت حسن بصری، امام ابن سیرین، عطاء، طاؤس، عکرمہ، ابوحنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔

(المحلی: ۷/ ٢٤٧، ٢٤٨)

⑭ پھول یا بُوٹی کی خوشبو سونگھنا:

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا تو منع ہے البتہ کسی بوٹی یا پھول کی خوشبو سونگھنا قابلِ موٴاخذہ نہیں؛ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور موطا امام مالک وسنن بیہقی میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے آثار سے پتہ چلتا ہے۔ (۱۳۲)

نیز علامہ ابن حزم نے بھی المحلی (۷/ ۲۴۶) میں اسے جائز قرار دیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ اثر بھی نقل کیا ہے جو صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن دارقطنی وبیہقی میں موصولاً مروی ہے۔ (۱۳۳) جس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے میل کچیل سے کوئی غرض نہیں اور فرمایا کہ مُحرم حمام میں داخل ہو کر نہا سکتا ہے، کوئی داڑھ یا دانت درد کر رہا ہو تو اسے نکال (نکلوا) سکتا ہے، خود بخود کوئی ناخن ٹوٹ جائے تو اسے اتار کر پھینک سکتا ہے اور ان کے نزدیک گلِ ریحان (بلکہ کسی بھی پھول یا بوٹی) کی

---

(۱۳۱) حجة النبي ﷺ (ص: ۲۸، ۲۹) المحلّٰی (۷/ ۲۴۶)۔ [موٴلف]

(۱۳۲) المحلی لابن حزم بتحقيق أحمد شاكر (٧/ ٢٤٦) وحجة النبي ﷺ للألباني (ص: ٢٨، ٢٩)۔ [موٴلف]

(۱۳۳) اس اثر کی تخریج نمبر (۱۱۴) میں گزر چکی ہے۔

خوشبو سونگھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور دانت یا داڑھ نکلوانے کی طرح ہی بوقتِ ضرورت مرہم پٹی کروائی جاسکتی ہے اس سے بھی احرام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ (فقه السنة: ١/ ٦٦٧)

جان بوجھ کر خوشبو کے استعمال پر تو فدیہ ہے کیونکہ یہ منع ہے لیکن اگر کوئی شخص لاعلمی کی وجہ سے یا بھول کر خوشبو لگالے تو اس کے بارے میں امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا فتویٰ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور معجم طبرانی کبیر میں موصولاً مروی ہے اور امام ابن المنذر نے الاوسط میں بھی اسے ذکر کیا ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ [۱۳۳]

⑮ کوئی چیز سر پر اٹھالینا اور کمبل اوڑھنا:

احرام کی حالت میں اگر اسے اپنا سامان یا کوئی چیز سر پر اٹھانا پڑ جائے تو ضرورت کے وقت ایسا کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے ہی اگر سردی وغیرہ کی وجہ سے کمبل اوڑھ کر لیٹنا پڑے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ سر ننگا رہے۔ سابقہ سطور میں مذکور تفصیل کے مطابق اگر آنکھوں تک منہ ڈھک جائے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ (فقه السنة: ١/ ٦٦٦) ہاں اگر بخار وغیرہ کی وجہ سے پورا سر منہ ڈھانپنا ضروری ہوجائے تو پھر کفارے کے طور پر فدیہ ضروری ہوگا۔

⑯ مہندی لگانا:

مہندی لگانے کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک تو سر کے علاوہ ہاتھوں اور پیروں پر بھی بلا ضرورت مہندی لگانا منع ہے، اور احناف ومالکیہ کے نزدیک احرام کی حالت میں مہندی لگانا (مردوزن) کے لیے ممنوع ہے۔ ان کا استدلال معجم طبرانی کبیر، المعرفہ امام بیہقی اور التمہید ابن عبدالبر میں مذکور ایک روایت سے ہے جس میں خولہ بنت حکیم اپنی ماں کے حوالے سے بیان کرتی

---

[۱۳۳] بحوالہ فقہ السنہ (۱/۶۸۲) [مؤلف]

ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا:

«لَا تَطَيَّبِيْ وَأَنْتِ مُحْرِمَةٌ، وَلَاتَمُسِّي الْحِنَاءَ فَإِنَّهُ طِيبٌ» (۱۳۵)

''احرام کی حالت میں خوشبو مت لگاؤ اور نہ ہی مہندی لگاؤ کیونکہ یہ بھی خوشبو ہے۔''

لیکن اس روایت کو المعرفہ کی طرف منسوب کر کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۸۲ طبع جامعہ سلفیہ فیصل آباد) نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری کئی روایات ذکر کی ہیں جو شافعیہ وحنابلہ کی مؤید ہیں۔ بہرحال اگر غرض صرف زینت ہو تو مہندی نہ لگانا ہی احوط (زیادہ مبنی بر احتیاط) ہے۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

❁ ❁ ❁

(۱۳۵) طبرانی (۲۳/ ۴۱۸) نے اس کو خولہ کے واسطے سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے۔

دخولِ حرم و مکہ مکرمہ
کے
حدود و آداب

میقات سے احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے اور احرام کے محرّمات ومباحات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوں تو دخولِ مکہ سے چند میل باہر ہی سے حدودِ حرم شروع ہوجاتی ہیں جن کی علامات آپ کو مکہ شریف کی طرف جانے والی ہر سڑک پر ملیں گی۔ وہاں سے احرام کی پابندیوں کے ساتھ ساتھ گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئی حرم کی پابندیاں بھی لازم ہو جائیں گی جو مُحرم و غیر مُحرم، مکی و غیر مکی اور مقامی و آفاقی سب لوگوں کے لیے یکساں ہیں۔

حدودِ حرمِ مکی:

یہ تقریباً دو دو میٹر بلکہ اس سے بھی بلند سنگ میل ہیں جو ہر راستے کے دونوں طرف لگائے گئے ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ یہاں سے حرمِ مکی کی حدود کا آغاز ہوگیا ہے۔ وہ حدود درجِ ذیل ہیں:

شمالی جانب	:	تنعیم، مکہ مکرمہ سے چھ کلومیٹر باہر۔
جنوبی جانب	:	اضاہ، مکہ مکرمہ سے بارہ کلومیٹر باہر۔
مشرقی جانب	:	جعرانہ، مکہ مکرمہ سے سولہ کلومیٹر باہر۔
شمال مشرقی جانب	:	وادیٔ نخلہ، مکہ مکرمہ سے پندرہ کلومیٹر باہر۔
مغربی جانب	:	شمیسی یعنی حدیبیہ مکہ مکرمہ سے پندرہ کلومیٹر باہر۔

علامہ محبّ الدین طبری نے لکھا ہے کہ یہ حدود حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اشارے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر کیں اور سنگِ میل نصب کیے۔ پھر قُصَی نے ان کی تجدید کی اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال قیم بن اسید خزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان کی تجدید کروائی۔ اس کے بعد عہدِ فاروقی میں چار قریشی ① مخرمہ بن نوفل۔ ② سعید بن یربوع۔ ③ حویطب بن عبدالعزیٰ۔ ④ ازہر بن عبدعوف، تجدید کے لیے بھیجے گئے۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تجدید کی اور آخر میں عبدالملک کے حکم سے ان کی تجدید ہوئی۔ (فقه السنة: ۱/ ٦٨٨- ٦٨٩)

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ منیٰ اور مزدلفہ دونوں وادیاں حرم میں شامل ہیں البتہ میدانِ عرفات حرم سے باہر ہے۔ (التحقيق والإيضاح لابن باز، ص: ٢٨)

حدودِ حرمِ مدنی:

مکہ مکرمہ کی طرح ہی مدینہ طیبہ بھی حرم ہے اور اس کے آداب بھی تقریباً حرمِ مکی کی طرح ہی ہیں جیسا کہ اشارتاً ذکر کیا جا چکا ہے۔ مدینہ طیبہ کے حرم ہونے کا ثبوت صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ»[١٣٦]

”مدینہ طیبہ جبلِ عیر سے ثور کے درمیان حرم ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«اِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَي الْمَدِيْنَةِ: أَنْ يُّقْطَعَ عَضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا»[١٣٧]

---

(١٣٦) اس حدیث کی تخریج نمبر (٣٧٣) میں آئے گی۔

(١٣٧) اس کو مسلم (٩/ ١٣٦- ١٣٨) بیہقی (٥/ ١٩٧) احمد (١/ ٨١) ابو یعلی (٦٩٩) احمد بن [190]

''میں مدینہ کے دونوں حرّوں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔اس کے درخت کاٹنا اوراس کا شکار مارنا حرام کرتا ہوں۔''

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«اِنَّ اِبْرَاهِيمَ ۔علیہ السلام۔ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَاماً، وَاِنِّى حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَاماً مَابَيْنَ مَاْزِمَيْهَا اَنْ لَّا يُهْرَاقَ فِيهَا دَمٌ، وَلَا يُحْمَلَ فِيهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ، وَلَا تُخْبَطَ فِيهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ»[١٣٨]

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں نے مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو حرم قرار دیا ہے کہ یہاں نہ خون بہایا جائے، نہ لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے اور نہ ہی درخت کے پتے جھاڑے (کاٹے) جائیں سوائے جانوروں کے چارہ کے لیے۔''

ان احادیث میں سے پہلی حدیث میں عیر اور ثور، دوسری حدیث میں دو لابے (حرّے) اورتیسری میں دو مازم (مضیقین) کا جوذکر ہے ان سے مراد مدینہ طیبہ کی دونوں جانب کے پہاڑ ہیں جن میں سے جبلِ عیر تو میقاتِ ذوالحلیفہ کے پاس ہے جبکہ ثور مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جبلِ اُحد کے پاس ہے۔ مدینہ کے مشرق ومغرب میں واقع سیاہ پتھریلی وادیوں کو حرّے کہا گیا ہے اور ہر دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو مازم یا مضیق کہا جاتا ہے،تو گویا حرمِ مدینہ کی حدود،عیر وثور کے مابین ہیں جو کہ تقریباً بارہ میل پر مبنی علاقہ بنتا ہے۔جس طرح اہلِ مکہ کی ضرورت کے پیشِ نظر انھیں اِذخر نامی گھاس کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح اہلِ مدینہ کی ضرورت کی خاطر چارہ کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کا شکار مارنا اور درخت کاٹنا گناہ ہے۔

---

[190] ابراہیم الزورقی نے ''مسند سعد بن ابی وقاص'' (۳۸) میں اورمحمد بن ابراہیم الجندی نے ''فضائل المدینة'' (۶۹) میں روایت کیا ہے۔

[١٣٨] صحیح مسلم (۹/ ۱۴۷، ۱۴۹)

حرمِ ثالث...؟

ان حرمین شریفین کے سوا دوسرا کوئی مقام ''حرم'' نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے سوا کسی اور جگہ مثلاً حرم المقدس اور حرم الخلیل کہنے والوں کو جاہل قرار دیا ہے۔
(بحواله فقه السنة: ١/ ٦٩٠، ٦٩١)

البتہ طائف کی ایک وادی جسے ''وج'' کہا گیا ہے وہاں سے شکار مارنے کی ممانعت میں بعض احادیث وارد ہوئیں ہیں جو ذکر کی جا چکی ہیں۔ ان احادیث کے پیشِ نظر امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے ''حرم'' قرار دیا ہے اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔
(نيل الأوطار: ٣/ ٥/ ٣٥)

جبکہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ حرم نہیں ہے کیونکہ مذکورہ روایات کے بارے میں اگرچہ امام ابو داود اور عبدالحق نے سکوت اختیار کیا ہے اور امام شافعی نے انھیں صحیح قرار دیا ہے مگر امام احمد، امام بخاری، امام عقیلی، امام ابن حبان اور امام نووی رحمہم اللہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ (كما في النيل، ص: ٣٤)

آدابِ دخولِ مکہ مکرمہ:

جب مکہ کے قریب آجائیں تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر بآسانی ممکن ہو تو غسل کرلیں اور کوشش کریں کہ دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ داخل ہونے سے پہلے کی رات مقامِ ذی طویٰ میں گزاریں جو کہ مکہ مکرمہ کے قریب ہی ہے اور اس کا موجودہ نام ''آبارِ زاہد'' ہے۔ ان آداب کا پتہ صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داود اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے چلتا ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ، وَيَغْتَسِلَ، وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلُ مَكَّةَ نَهَاراً، وَإِذَا نَفَرَ مِنْهَا

مَرَّ بِذِیْ طُوًی وَبَاتَ بِهَا حَتّٰی یُصْبِحَ، وَیَذْکُرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ کَانَ یَفْعَلُ ذٰلِكَ» (۱۳۹)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی مکہ مکرمہ آتے تو رات ذی طویٰ میں گزارتے، فجر کی نماز وہیں ادا کرتے اور غسل کر کے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوتے اور دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے، اور جب وہاں سے واپسی ہوتی تو بھی ذی طویٰ میں رات گزار کر صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

سنن ترمذی اور مسند احمد میں بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَکَّةَ نَهَاراً» (۱۴۰)

''(حجۃ الوداع کے موقع پر) نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔''

یہ آدابِ مسنونہ ہیں اور انھیں اپنانا کارِ ثواب اور افضل ہے مگر یہ واجبات میں سے بہرحال نہیں۔ لہٰذا اگر کسی کے لیے مقامِ ذی طویٰ پر رات گزارنا، غسل کرنا اور دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ممکن نہ ہو تو ثواب وفضیلت میں کمی تو واقع ہوجائے گی مگر اس پر کوئی گناہ یا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

شہرِ مکہ میں داخل ہونے کے لیے شہر کی بالائی جانب سے ثنیۂ علیا جسے

(۱۳۹) بخاری (۱۵۵۳، ۱۵۷۳) مسلم (۹/ ۵) ابو داود (۱۸۶۵) بیہقی (۵/ ۷۱) اسی طرح اسے ابن خزیمۃ (۲۶۹۵) اور احمد (۲/ ۱۴، ۱۵۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱۴۰) ترمذی (۸۵۴) ابن ماجہ (۲۹۴۱) احمد (۱۲/ ۷، الفتح الربانی) اس کی سند تقریباً حسن درجہ کی ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے مگر اصل حدیث صحیح ہے کیونکہ بخاری (۱۵۷۴) اور مسلم (۹/ ۵) میں اس مفہوم کی ابن عمر سے دوسری روایت مروی ہے۔ نیز دیکھیں: حدیث نمبر (۱۳۶)۔

ثنیۂ کداء بھی کہا جاتا ہے جس کے زیریں مکہ مکرمہ کا قبرستان (جنت المعلیٰ) ہے، اس راستہ سے آئیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا یہی عمل تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا جَاءَ اِلٰی مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا» (۱۳۱)

''نبی ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس کی بالائی جانب سے اس میں داخل ہوئے اور اس کی زیریں جانب سے نکلے تھے۔''

اگر کسی وجہ سے اس ادب کو اپنانا بھی ممکن نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ سنن ابوداود وابن ماجہ وبیہقی اور مستدرک حاکم میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ» (۱۳۲)

''سارا مکہ مکرمہ ہی راستہ اور جائے نحر وقربانی ہے۔''

ان الفاظ میں آپ ﷺ نے صراحت فرمادی کہ اگر کوئی شخص (مذکورہ ادب ملحوظ نہ رکھ سکے تو) مکہ مکرمہ میں چاہے کسی بھی راستے سے داخل ہو جائے اور پوری وادیٔ مکہ میں کہیں بھی قربانی کرلے تو یہ درست اور جائز ہے۔

شہرِ مکہ میں داخل ہونے کی کوئی مخصوص دعا تو نہیں، اس لیے عام شہروں میں

(۱۳۱) اس کو بخاری (۱۵۷۷) مسلم (۹/ ۴) ابو داود (۱۸۶۹) ترمذی (۸۵۳) بیہقی (۵/ ۷۱) اور احمد (۲/ ۴۰) نے روایت کیا ہے۔

(۱۳۲) اس کو ابو داود (۱۹۳۷) "باب الصلوٰۃ بجمع" ابن ماجہ (۳۰۴۸) "باب الذبح" دارمی (۲/ ۵۶- ۵۷) "باب عرفة كلها موقف" ابن خزیمۃ (۲۷۸۷) عقیلی (۱/ ۱۸- ۱۹) حاکم (۱/ ۴۶۰) بیہقی (۵/ ۱۲۲، ۱۷۰) احمد (۳/ ۳۲۶) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۱۰۰۴) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ابن خزیمۃ، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

داخل ہوتے وقت کی جانے والی دعاؤں میں سے کوئی مسنون دعا کرلیں، البتہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دعا مروی ہے:

((اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مَنَایَانَا بِھَا حَتّٰی تُخْرِجَنَا مِنْھَا))(۱۴۳)

''اے اللہ! ہماری موت اسی شہر میں واقع نہ ہوجائے بلکہ ہمیں یہاں سے نکال دینا۔''

مکہ شریف میں داخل ہوکر جہاں قیام کا ارادہ ہو وہاں سامان رکھنے آئیں تو معمولی کچھ کھاپی اور سَستا بھی لیں، پھر باوضو ہوکر حرم شریف کی طرف روانہ ہوں۔

مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے آداب:

مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے لیے حرم شریف کی نئی توسیع کے باب السلام میں آئیں اور اندر کی طرف آگے بڑھیں تو باب بنی شیبہ آجائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں حرم شریف یہیں تک تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دروازے کے پاس اپنی اونٹنی بٹھائی اور اندر داخل ہوئے تھے، جیسا کہ صحیح ابن خزیمۃ اور سنن بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((......فَأَتَی النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَابَ الْمَسْجِدِ فَانَاخَ رَاحِلَتَهٗ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ))(۱۴۴)

(۱۴۳) اس دعا کو احمد (۲/ ۲۵، ۲۶) طبرانی نے ''الدعا'' (۸۵۳) میں اور بزار (۱۱۵۱- زوائد) نے سعید بن ابی ہند کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے بشرطیکہ سعید کا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت ہو۔ ابن عدی (۷/ ۲۵۳۶) نے اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے مگر اس سند میں دو تین راوی ضعیف ہیں۔

(۱۴۴) اس حدیث کو ابن خزیمۃ (۲۷۱۳) حاکم (۱/ ۴۵۵) اور بیہقی (۵/ ۷۴) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق مدلس ہیں اور انھوں نے یہاں تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے مگر یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ (۱۹۰)

''نبی ﷺ مسجد حرام کے باب (بنی شیبہ) پر آئے، اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور مسجد حرام میں داخل ہوئے۔''

آپ ﷺ کے اس راستے سے داخل ہونے کی حکمت یہ ہے کہ حجرِ اسود، جہاں سے طواف کا آغاز کیا جاتا ہے، تک پہنچنے کا سب سے قریبی راستہ یہی ہے۔ اور باب السلام سے جب مسجدِ حرام میں داخل ہونے لگیں تو مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں مذکور حسن درجہ کی ایک حدیث کی رو سے اپنا دایاں قدم پہلے اندر رکھیں (۱۳۵) اور صحیح مسلم و سنن ابو داود و نسائی و ابن ماجہ میں مذکور یہ دعا کریں:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» (۱۳۶)

''اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر درود و رحمتیں نازل فرما۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے۔''

یا پھر سنن ابو داود میں مروی یہ دعا کریں:

«أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ» (۱۳۷)

''میں عظمت والے معبود، اس کے رخِ کریم اور اس کی سلطنتِ قدیم کے

---

(۱۳۴) ان شواہد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور عطا کی مرسل روایت ہے۔ حدیث ابن عباس کو ابن خزیمۃ (۲۷۰۰) اور بیہقی (۵/ ۷۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ مرسل عطاء کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس کو جید کہا ہے۔

(۱۳۵) حاکم (۱/ ۲۱۸) وعنه البيهقي (۲/ ۴۴۲) عن انس رضی اللہ عنہ۔ اس کی سند شداد بن سعید ابو طلحہ کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

(۱۳۶) اس حدیث کو مسلم (۵/ ۲۲۵) ابو داود (۴۶۵) نسائی (۲/ ۵۳) اور ابن ماجہ (۷۷۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث اور اس سلسلہ کی دیگر احادیث کے بارے میں تفصیل ''تخریج صلوٰۃ الرسول ﷺ'' (نمبر: ۲۴۱) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۱۳۷) ابو داود (۴۶۶) بسند جید۔

ساتھ شیطانِ مردود سے پناہ مانگتا ہوں۔''

اب آپ حرم شریف کے سائے میں ہیں۔ تھوڑا آگے بڑھیں تو مسجدِ حرام کے عین وسط میں بیت اللہ شریف ہے، جو پورے عالم انسانیت کے لیے مرکزیت کی روشن علامت ہے۔ جسے دیکھنا ہر دلِ مسلم کی تمنا وآرزو اورتڑپ ہے۔ سنہری تاروں سے مزین، سیاہ غلاف میں مستور یہی خانہ کعبہ ہے جس کے درو دیوار کی زیارت کا شوق ہر مومن کے دل میں اٹھکیلیاں لیتا ہے، جذباتِ شوق کا دامن ہاتھوں سے چھوٹا جاتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کیفیت کو لفظوں کا جامہ پہنانا ہی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس ایمان افروز نظارے سے ہمکنار کرے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو اس وقت کے لیے نبی اکرم ﷺ سے تو کوئی خاص دعا ثابت نہیں، البتہ سنن بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں مذکور اثرِ فاروقی واثرِ سعید بن مسیّب والی رؤیتِ کعبہ کی یہ دعا کرسکتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ»[١٣٨]

''اے اللہ! تو سلام ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔''

رؤیتِ کعبہ کے وقت ایک روایت کے مطابق تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں

---

[١٣٨] ا۔ اثرِ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو ابن ابی شیبۃ (۴/ ۹۷) ازرقی نے ''اخبار مکہ'' (۱/ ۲۷۸-۲۷۹) میں اور بیہقی (۵/ ۷۳) نے سعید بن المسیب کے واسطے سے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ اثر صحیح ہے۔ اس کی سعید بن المسیب سے تین سندیں ہیں:

۲۔ اثرِ سعید بن المسیب کو شافعی نے ''الام'' (۲/ ۱۶۹) اور مسند (۱۲۵) میں، ابن ابی شیبۃ (۴/ ۹۷) اور بیہقی (۵/ ۷۳) نے سعید بن المسیب کے بیٹے (محمد بن سعید بن المسیب) کے واسطے سے ابن المسیب سے روایت کیا ہے۔

۳۔ ازرقی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۲۷۹) میں اس کو سعید بن المسیب سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور یہ اثر بھی صحیح ہے۔

ہاتھوں کو اٹھایا مگر اس روایت کی سند محدثینِ کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔(۱۴۹)

البتہ مصنف ابن ابی شیبۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔(۱۵۰)

لہٰذا اگر کوئی چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ معجم طبرانی کبیر واوسط میں جو حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے ایک دعا مرفوعاً مروی ہے، جس میں مذکور ہے:

«اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَشْرِيفاً وَتَكْرِيماً وَبِرًّا وَمَهَابَةً»(۱۵۱)

''اے اللہ! اپنے اس گھر کے شرف وتکریم اور برّ وہیبت میں اضافہ فرما۔''

تو یہ دعا صحیح سند سے ثابت نہیں بلکہ اس کے ایک راوی عاصم بن سلیمان الکوزی کو متروک قرار دیا گیا ہے۔ (بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني: ۱۲/ ۸)

---

(۱۴۹) دیکھیں: "مناسك الحج والعمرة للألباني" (ص: ۲۰، حاشیہ) [مؤلف]

(۱۵۰) رواه ابن أبي شيبة كما في المناسك (ص: ۲۰) وصححه الألباني [مؤلف]

(۱۵۱) اسے طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۳/ ۲۰۱، ۲۰۲) میں اور اسی طرح ''الدعا'' (۸۵۴) میں بھی روایت کیا ہے۔ ''الدعا'' میں اس دعا کے آخر میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: «وَزِدْ مِنْ شَرَفِهِ وَعَظْمَتِهِ مِمَّنْ حَجَّهُ أَوْ اِعْتَمَرَهُ تَعْظِيماً وَتَشْرِيفاً وَبِرًّا وَمَهَابَةً» مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ سلیمان بن عاصم الکوزی کو دارقطنی نے کذاب اور فلاس نے احادیث گھڑنے والا کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کا شمار احادیث گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔ یہ دعا مکحول اور ابن جریج کی حدیث میں بھی مروی ہے:

۱۔ مکحول کی حدیث کو ابن ابی شیبۃ (۴/ ۹۷، ۱۰/ ۹۶۷۳) ازرقی (۱/ ۲۷۹) اور بیہقی (۵/ ۷۳) نے روایت کیا ہے اور یہ روایت ایک تو مرسل ہے کیونکہ مکحول تابعی ہیں۔ نیز ''ابن ابی شیبۃ'' اور ''بیہقی'' کی سند میں ''ابوسعید شافعی رحمہ اللہ'' ہے اور یہ مجہول ہے۔ نیز ازرقی کی سند میں انقطاع ہے۔

۲۔ ابن جریج کی حدیث کو شافعی نے ''الام'' (۲/ ۱۶۹) اور ''مسند'' (۱۲۵) میں اور شافعی سے اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند معضل ہے کیونکہ ابن جریج اتباع التابعین میں سے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان کم از کم دو واسطے تو ضرور ہوں گے، ایک تابعی اور دوسرا صحابی کا واسطہ۔ حاصلِ کلام: مذکورہ دعا صحیح سند سے ثابت نہیں۔

طریقہ طواف
اور
احکام و مسائل

جب آپ احرام باندھے ہوئے مسجدِ حرام میں داخل ہوں تو یہاں ''تحیة المسجد'' کی دو رکعتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حرمِ مکی کا تحیۃ طواف ہے۔ ہاں اگر کسی فرض نماز کی جماعت ہورہی ہو تو سب سے پہلے جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اسی طرح اگر کسی نے فرض نماز نہ پڑھی ہو اور طواف مکمل کرنے تک وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو وہ شخص بھی پہلے فرض نماز ادا کرے اور پھر طواف شروع کرے۔ اس پر تمام ائمہ وفقہاء کا اتفاق ہے۔ (المغني: ٣/ ٣٣٣، فقه السنة: ١/ ٦٩٣)

طہارت و وضو:

یہ بھی یاد رہے کہ طواف سے پہلے طہارت و وضو شرط ہے کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«اِنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ بدَأَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ» (١٥٢)

''نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ

(١٥٢) اس کو بخاری (١٦١٤، ١٦٤١) مسلم (٨/ ٢٢٠) اسی طرح ابن خزیمة (٢٦٩٩) اور بیہقی (٥/ ٨٦) نے روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے وضو کیا اور پھر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔''

ایسے ہی صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حائضہ ہوجانے کا واقعہ بھی طہارت کے ضروری ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اس حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مجھے روتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ شائدتم حائضہ ہوگئی ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((......اِنَّ هَذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَىٰ بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِي)) (۱۵۳)

''یہ ایسی چیز ہے جو آدم (علیہ السلام) کی تمام بیٹیوں (عورتوں) پر لکھی گئی ہے۔ پس تم ہر وہ کام کرتی جاؤ جو حاجی کرتا ہے سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو حتیٰ کہ تم غسل کرلو۔''

باوضو ہوکر حرم شریف میں پہنچتے ہی طواف کا آغاز کر دیں۔ اسے طوافِ قدوم، طوافِ ورود، اور طوافِ تحیہ بھی کہا جاتا ہے اور جن لوگوں نے قربانی ساتھ نہیں لی ہوتی اور حجِ تمتُّع کررہے ہوتے ہیں؛ ان کا یہی طواف ''طوافِ عمرہ'' ہوگا۔

طریقۂ طواف:

طواف کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حجر اسود کے سامنے آئیں اور ((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہہ کر اسے بوسہ دیں۔ کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت

(۱۵۳) اس حدیث کو بخاری (۲۹۴، ۳۰۵) "الحیض" مسلم (۸/ ۱۴۶) "الحج" اسی طرح ابو داود (۱۷۸۲) "الحج" نسائی (۱/ ۱۸۰) "الحیض" ابن ماجہ (۲۹۶۳) "المناسك" ابن الجارود (۴۶۶) ابن خزیمۃ (۲۹۳۶) بیہقی (۱/ ۳۰۸، ۵/ ۲۰۳) طیالسی (۱/ ۲۰۴، ۲۰۵) اور احمد (۶/ ۳۹، ۲۱۹، ۲۷۳) نے مختلف واسطوں سے عبد الرحمٰن بن القاسم سے اور انھوں نے اپنے باپ قاسم کے واسطے سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور صحیح مسلم، سنن نسائی و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت سوید اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث میں طواف کا آغاز اسی طرح مذکور ہے۔ (۱۵۴)

---

(۱۵۴) سوید بن غفلۃ کی حدیث میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور اس سے چمٹ جانے کا، حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ میں اس کو چھونے اور بوسہ دینے کا اور حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ''اللہ اکبر'' کہنے کا ذکر ہے۔

ا۔ حدیثِ سوید کو مسلم (۹/ ۱۷) نسائی (۵/ ۲۲۷) بیہقی (۵/ ۷۴) طیالسی (ا/ ۲۱۶) احمد (ا/ ۵۴) ابو یعلی (۱۸۹) اور فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (ا/ ۱۱۲) میں روایت کیا ہے۔ حدیثِ ابن عمر اور ابن عباس کی تخریج نمبر (۱۵۸، ۱۵۹) میں موجود آرہی ہے۔ اللہ اکبر سے پہلے ''بسم اللہ'' کہنے کا ذکر بعض مرفوع روایات میں ہے مگر یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ ''اللہ اکبر'' سے پہلے ''بسم اللہ'' کہا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر ان سے یہ صحیح ثابت نہیں۔ مرفوع روایات میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موصول روایت اور ابن جریج کی معضل روایت ہے۔

ابن عمر کی روایت کو فاکہی نے ''اخبارِ مکہ'' (ا/ ۹۹) میں روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت یہ کہا کرتے تھے: ((بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ، اِيۡمَاناً بِاللّٰهِ وَتَصۡدِيۡقاً بِمَا جَاءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم)) مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں واقدی ہے اور یہ متروک ہے بلکہ اس پر احادیث وضع کرنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔

ابن جریج کی روایت کو شافعی نے ''الام'' (۲/ ۱۷۰) میں روایت کیا ہے۔ اس میں ابن جریج کہتے ہیں کہ انھیں یہ خبر پہنچی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت کیا کہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہو: ((بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ اِيۡمَاناً بِاللّٰهِ وَتَصۡدِيۡقاًبِمَاجَاءَ بِهٖ رَسُوۡلُ اللّٰهِ))

مگر یہ سند ضعیف ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل کے لیے حدیث نمبر (۱۴۸) کا آخر دیکھیں۔

۲۔ اثرِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو عبدالرزاق (۸۸۹۴، ۸۸۹۵) احمد (۲/ ۱۴) ازرقی نے ''اخبار مکہ'' (ا/ ۳۳۹) میں، فاکہی نے بھی ''اخبارِ مکہ'' (ا/ ۱۰۲، ۱۰۳) ہی میں، طبرانی نے ''الدعا'' (۸۶۲، ۸۶۳) میں اور بیہقی (۵/ ۷۹) نے روایت کیا ہے اور یہ ان سے صحیح ثابت ہے۔

۳۔ اثرِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ازرقی (ا/ ۳۳۹) نے روایت کیا ہے۔ اس میں ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کے بعد ایک طویل دعا بھی مذکور ہے مگر اس اثر کی سند ضعیف ہے۔

حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور بلا واسطہ اپنے ہونٹوں سے چومنا عام حالات میں تو ممکن ہے مگر ماہِ رمضان المبارک اور خصوصاً موسمِ حج میں اس کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے کیونکہ رمضان المبارک میں عمرۂ رمضان کی فضیلت حاصل کرنے والے اہلِ ثروت وسعادت بکثرت جمع ہو جاتے ہیں اور موسمِ حج میں تو لاکھوں کا جمِ غفیر ضیوف الرحمٰن کی شکل میں وہاں موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حجرِ اسود کا بلا واسطہ بوسہ لینا ممکن نہ ہو تو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے مطابق اسے اپنے دائیں ہاتھ یا چھڑی وغیرہ سے چھوئیں اور پھر اپنے ہاتھ یا چھڑی کو چوم لیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((طَافَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ، يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ)) [155]

''حجۃ الوداع کے موقع پر نبی (ﷺ) نے اونٹ پر سوار ہوکر طواف کیا اور آپ (ﷺ) ایک چھڑی کے ساتھ حجرِ اسود کا استلام کرتے (چُھوتے) تھے۔''

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ، وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهٗ، وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ)) [156]

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ طواف کر رہے تھے اور اپنی چھڑی سے حجرِ اسود کو چُھوتے اور اس چھڑی (کے اس حصہ) کو چومتے تھے۔''

---

[155] اس حدیث کو بخاری (۱۶۰۷) مسلم (۹/ ۱۸) ابو داود (۱۸۷۷) نسائی (۵/ ۱۳۳) ابن ماجہ (۲۹۴۸) ابن الجارود (۴۶۳) ابن خزیمۃ (۲۷۸۰) اور بیہقی (۵/ ۹۹) نے روایت کیا ہے۔

[156] اس کو مسلم (۹/ ۲۰) ابو داود (۱۸۷۹) ابن ماجہ (۲۹۴۹) ابن الجارود (۴۶۴) اور بیہقی (۵/ ۱۰۰، ۱۰۱) نے روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس بوسہ دینے اور کسی چیز کے ساتھ استلام کرنے، دونوں طریقوں کا ثبوت صحیح بخاری شریف میں مذکور ایک اور حدیث سے بھی ملتا ہے؛ جس کے راوی حضرت زبیر بن عربی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں:

«سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ ۔ رضی اللہ عنہما ۔ عَنْ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ» (157)

''ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے استلام (چُھونے) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حجر اسود کو چُھوتے اور چومتے تھے۔''

بھیڑ کی شکل میں:

اگر بھیڑ اس قدر عام ہو کہ حجرِ اسود کو کسی چیز یا ہاتھ سے چُھونا بھی ممکن نہ ہو تو پھر دور ہی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے «بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ» کہیں اور طواف شروع کردیں۔ کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلَىٰ بَعِيْرٍ، كُلَّمَا أَتَىٰ عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ» (158)

''نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف کا طواف اونٹ پر بیٹھ کر کیا اور آپ ﷺ جب حجرِ اسود کے سامنے آتے تو اپنے ہاتھ میں موجود کسی چیز (چھڑی) سے اس کی طرف اشارہ فرماتے اور تکبیر کہتے۔''

اس حدیث سے جہاں اشارہ کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صرف اللہ اکبر کہنا ہی ثابت ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن

(157) بخاری (۱۶۱۱) اسی طرح ترمذی (۸۶۱) نسائی (۵/ ۲۳۱) اور بیہقی (۵/ ۷۴۹) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(158) بخاری (۱۶۱۳) دارمی (۲/۴۳) ابن خزیمۃ (۲۷۲۲) بیہقی (۵/ ۸، ۹۹) اور احمد (۱/ ۲۶۴)

عمر رضی اللہ عنہما سے سنن بیہقی (۵/ ۷۹) وغیرہ میں صحیح سند سے موقوفاً ثابت ہے کہ وہ ((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہا کرتے تھے۔ (حجة النبي ﷺ للألباني، ص: ٥٧، حاشيه)

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دور سے صرف اشارہ کرنے کی صورت میں ہاتھ (یا کسی دوسری چیز) کو چومنا بھی صحیح و ثابت نہیں ہے۔ مفتی عالمِ اسلام شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (دیکھیں: التحقيق والإيضاح، ص: ٢٩)

الغرض حسبِ موقع بوسہ دے کر یا کسی چیز سے چُھو کر اور اسے بوسہ دے کر یا پھر دور سے صرف اشارہ کر کے ہاتھ یا کسی چیز کو بوسہ دیے بغیر ((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہتے ہوئے طواف شروع کر دیں اور یہ عمل طواف کے سات چکروں (اشواط) میں سے ہر چکر (شوط) میں دہرائیں، کیونکہ سنن ابو داود و نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((كَانَ ﷺ لَا يَدَعُ أَنْ يَّسْتَلِمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْحَجَرَ فِيْ كُلِّ طَوْفَةٍ)) (۱۵۹)

”نبی ﷺ طواف کے ہر چکر میں حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام ترک نہیں کرتے تھے۔“

حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی فضیلت:

حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور چُھونے کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ سنن ترمذی، صحیح ابن خزیمہ و ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱۵۹) ابو داود (۱۸۷۶) نسائی (۵/ ۲۳۱) احمد (۲/ ۱۸، ۱۱۵) اسی طرح اسے ابن خزیمۃ (۲۷۲۳) ازرقی (۱/ ۳۳۲) فاکہی (۱/ ۱۱۶) حاکم (۱/ ۴۵۶) اور بیہقی (۵/ ۷۶، ۸۰) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ ابن خزیمۃ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے۔

« لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ الْحَجَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، وَيَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ»[190]

(190) اس حدیث کو ترمذی (۹۶۱) دارمی (۲/ ۴۲)ابن ماجہ (۲۹۴۴) ابن خزیمۃ (۲۷۳۵، ۲۷۳۶) ابن حبان (۱۰۰۵) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۲/ ۶۳) میں، فاکہی نے ''اخبار مکۃ'' (۱/ ۸۲، ۸۳) میں، حاکم (۱/ ۴۵۷) بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۷۵) اور ''شعب الایمان'' (۷/ ۵۸۶- ۵۸۷) میں، احمد (۱/ ۲۴۷، ۲۶۶، ۲۹۱، ۳۰۷، ۳۷۱) ابویعلی (۲۷۱۹) اور ابونعیم نے ''حلیۃ الأ ولیاء'' (۶/ ۲۴۳) میں سعید بن جبیر کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ ترمذی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

اس کے بعض شواہد بھی ہیں۔ ان شواہد میں عبداللہ بن عمرو، عائشہ اور علی رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں:

۱۔ حدیثِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو احمد (۲/ ۲۱۱) ابن خزیمۃ (۲۷۳۷) اور حاکم (۱/ ۴۵۷) نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے مگر اس کی سند میں عبداللہ بن المؤمل ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اس لیے ذہبی نے اس پر حاکم کا تعاقب کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو طبرانی نے ''الاوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں الولید بن عباد ہے جو مجہول ہے، جیسا کہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۳/ ۲۴۵) میں کہا ہے۔

۳۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کو حاکم (۱/ ۴۵۷) اور ان سے اسے بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۷/ ۵۸۹، ۵۹۰) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں عمر اور علی رضی اللہ عنہ کا ایک طویل مکالمہ بھی مذکور ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابو ہارون عمارۃ بن جوین ہے۔ ذہبی نے ''الکاشف'' میں اور حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کو متروک کہا ہے۔ حافظ صاحب نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ بعض محدثین نے اس کو کذاب کہا ہے۔ نیز ذہبی نے ''تلخیص المستدرک'' میں اس کو ساقط کہا ہے۔

تنبیہ: حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۱/ ۱۸۲) میں ابن عباس سے عطاء کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں حجرِ اسود کے ساتھ رکن یمانی کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس کا ذکر منکر (ضعیف) ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی الحارث بن غسان ہے۔ اس کے بارے میں عقیلی (۱/ ۳۹۳) نے کہا ہے کہ اس نے منا کیر (190)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجرِ اسود کو اٹھائے گا، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے گا اور اس کی زبان ہوگی جس سے یہ بولے گا اور ہر اس آدمی کے لیے گواہی دے گا جس نے ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کے لیے اسے چُھوا (یا بوسہ دیا) ہوگا۔''

ایسے ہی سنن ترمذی، صحیح ابن خزیمۃ، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« مَسْحُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ يَحُطَّانِ الْخَطَايَا حَطًّا » (۱۹۱)

---

(۱۹۰) بیان کی ہیں اور ذہبی نے ''میزان'' (۱/ ۴۴۱) میں اس کو مجہول کہا ہے۔ حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۳/ ۲۴۵) میں کہا ہے کہ اس کو طبرانی نے ''کبیر'' میں بکر بن محمد القرشی عن الحارث بن غسان کے طریق سے روایت کیا ہے اور ان دونوں کو میں نہیں جانتا۔

قلت: بکر بن محمد القرشی (یہ بکر بن مضر کے نام سے مشہور ہیں) ثقہ ہیں۔ ان کا ترجمہ ''الجرح والتعدیل'' (۲/ ۳۹۲، ۳۹۳) اور تہذیب وغیرہ میں موجود ہے اور حارث بن غسان کو عقیلی اور ذہبی نے ذکر کیا ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

(۱۹۱) اس حدیث کو ترمذی (۹۵۹) نسائی (۵/ ۲۲۱) ابن خزیمۃ (۲۷۲۹، ۲۷۳۰، ۲۷۵۳) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۲/ ۳۹۰، ۳۹۲) میں۔ حاکم (۱/ ۴۸۹) بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۱۱۰) اور ''شعب الایمان'' (۷/ ۵۹۱) میں، عبدالرزاق (۸۸۷۷) طیالسی (۱/ ۲۱۵) احمد (۲/ ۳، ۱۱، ۸۹، ۹۵) ابو یعلی (۵۶۸۷، ۵۶۸۸) عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۸۳۱، ۸۳۲) میں، محمد بن ابراہیم الطرطوسی نے ''مسند ابن عمر'' (۸۱) میں، ازرقی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۳۳۱) میں، فاکہی نے بھی ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۱۲۷، ۱۳۶) ہی میں اور خطیب بغدادی نے "الرحلة في طلب الحديث" (۱۴۱) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس میں ایک راوی عطاء بن سائب ہیں جن کا آخری عمر میں حافظہ بدل گیا تھا مگر اس حدیث کو ''نسائی'' اور ''طبرانی'' میں حماد بن زید (۱۹۰)

''حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چُھونا گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔''

جبکہ سنن ترمذی و صحیح ابن خزیمۃ اور مسند احمد میں ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

((اَلْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَكَانَ أَشَدَّ بَيَاضاً مِنَ الثَّلْجِ حَتّٰى سَوَّدَهُ خَطَايَا أَهْلِ الشِّرْكِ))(۱۹۲)

---

(۱۹۰) نے اور ''مصنف عبدالرزاق'' وغیرہ میں سفیان ثوری نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کا عطاء سے سماع ان کے حافظہ کی خرابی سے پہلے کا ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

مزید اس کی صحت پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی دو اور سندیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک سند سے اس کو ازرقی (۲/۱۲) نے روایت کیا ہے اور اس سند میں کچھ کمزوری ہے۔ اور دوسری سند سے اسے ابن عدی (۶/۲۱۲۷) اور ابن عدی سے اس کو سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۵۸) میں روایت کیا ہے مگر یہ سند محمد بن الفضل بن عطیہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

(۱۹۲) یہ بھی صحیح حدیث ہے۔ اس کو احمد (۱/ ۳۰۷، ۳۲۹) ترمذی (۸۷۷) ابن خزیمۃ (۲۷۳۳) فاکہی (۱/ ۸۴) طبرانی (۱۱/۴۵۳) ابن عدی (۲/ ۶۷۹) اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۷/ ۵۸۵) میں روایت کیا ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے ((اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ)) کو نسائی (۵/ ۲۲۶) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بھی مذکورہ سابقہ حدیث کی سند کی طرح عطاء بن السائب ہیں مگر پہلے تینوں کے علاوہ باقی سب کے ہاں ان سے اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے روایت کیا ہے اور جمہور محدثین کے نزدیک جن میں ابن معین اور ابو داود بھی ہیں، ان کا سماع بھی عطاء سے حماد بن زید اور سفیان ثوری وغیرہ کی طرح ان کے حافظہ کی خرابی سے پہلے ہے۔ دیکھیں: "شرح مقدمة ابن الصلاح" للعراقي (۴۴۳،۴۴۴) اور یہی بات حافظ منذری نے "الترغیب والترهیب" میں بعض مقامات پر کہی ہے۔ دیکھیں: (۲/ ۴۴۴) باب "الترغیب في قول: لاحول ولا قوة إلا بالله" حدیث (۴) نیز حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں بعض مقامات پر ایسا ہی کہا ہے۔ دیکھیں (۲/ ۱۰۸،۱۰/ ۱۰۰ مؤسسة المعارف) اسی (۱۹۰)

''حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے اور یہ برف سے بھی زیادہ سفید و شفاف تھا مگر مشرکین کے گناہوں نے اسے کالا کر دیا ہے۔''

دھکم پیل سے احتراز:

حجرِ اسود کے ان فضائل کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ ہر شکل میں اسے بوسہ دینے یا ہاتھ سے چھونے کی کوشش کی جائے بلکہ صرف اشارہ کر دینے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ طریقہ بھی نبی اکرم ﷺ کا تعلیم فرمودہ ہے۔

ویسے بھی وہاں دھکم پیل، سینہ زوری اور زور آزمائی کرنا جائز نہیں کیونکہ السنن الماثورہ شافعی اور مسند احمد میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

«يَا عُمَرُ! اِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ فَلَا تُؤْذِ الضَّعِيفَ، وَاِذَا أَرَدْتَّ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ، فَاِنْ خَلَا لَكَ فَاسْتَلِمْهُ وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ وَ كَبِّرْ»[۱۶۳]

---

[۱۶۲] طرح حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (۳/۴۶۲ باب ما ذكر في الحجر الاسود) اور ''تلخیص الحبیر'' (۱/۱۴۲) میں بالجزم کہا ہے کہ حماد بن سلمۃ کا عطاء سے سماع عطاء کے اختلاط سے پہلے ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ترمذی نے بھی صحیح کہا ہے اور البانی نے ''تحقيق المشكاة'' (۲/۹۲) میں ان کی تائید کی ہے۔

تنبیہ: ترمذی میں برف کی بجائے دودھ کا ذکر ہے۔ اسی طرح ترمذی، ابن خزیمہ اور طبرانی میں ''أهل الشرك'' کی بجائے ''بني آدم'' کے الفاظ مذکور ہیں۔

[۱۶۳] اس حدیث کو شافعی نے ''السنن المأثورة'' (۵۱۰) میں، احمد نے ''مسند'' (۱/ ۲۸) میں، اسی طرح عبدالرزاق (۸۹۱۰) ازرقی (۱/۳۳۳،۳۳۴) فاکہی (۱/ ۱۰۹) اور بیہقی (۵/ ۸۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں ایک راوی مجہول ہے مگر ''السنن المأثورة'' میں سفیان بن عیینہ نے صراحت کی ہے کہ یہ (مجہول) عبدالرحمٰن بن نافع بن عبد الحارث ہے۔ عبدالرحمٰن بن نافع کو ابن حبان نے ''الثقات'' (۵/ ۸) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور ان سے کئی ⑲⓪

''اے عمر! تو طاقتور آدمی ہے، کمزوروں کو تکلیف نہ پہنچانا۔ جب حجرِ اسود کے استلام کا ارادہ ہو اور وہ تمھیں خالی مل جائے تو اس کا استلام کرلو (اسے چھولو) ورنہ (بھیڑ ہوتو) اس کی طرف منہ کر کے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہو (اور اشارہ کرتے ہوئے گزر جاؤ)۔''

یاد رہے کہ رکنِ یمانی کو طواف کے ساتوں چکروں میں سے ہر چکر میں ہاتھ سے چھونا تو مشروع وثابت ہے مگر اس کا بوسہ لینا جائز وثابت نہیں اور اگر کسی وجہ سے اسے چھونا ممکن نہ ہو تو پھر اس کی طرف اشارہ کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔ (مناسک الحج والعمرہ، ص: ۲۲)

اور یہ جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ رکنِ یمانی کو چومتے ہیں اور چومنے یا ہاتھ لگانے کا امکان نہ ہو تو اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں؛ یہ دونوں فعل چومنا اور اشارہ کرنا درست نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں تاریخ امام بخاری، سنن دارقطنی اور مسند ابویعلی کی روایت ضعیف ہے۔ (نیل الأوطار: ۳/ ٥/ ٤٢، ٤٣)

---

⑲⓪ لوگوں نے روایت کی ہے۔ ابن عدی (٦/ ۲۴۵۰) اور بیہقی نے اس حدیث کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ سند اگرچہ مفضل بن صالح الاسدی کی وجہ سے ضعیف ہے مگر ان دونوں سندوں کو ملا لینے سے یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ازرقی (۱/ ۳۳۴) نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جگہ مل جانے کی صورت میں استلام کرتے اور بھیڑ کے وقت (صرف) تکبیر کہتے۔ اس سند کے سب راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے۔ عبدالرزاق (۸/ ۸۹) ازرقی (۳۳۴۸) فاکہی (۱/ ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۳۱) شافعی نے ''الام'' (۲/ ۱۷۲) میں اور بیہقی (۵/ ۸۰، ۸۱) نے عطاء سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ابن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنا:

((اِذَا وَجَدْتَّ عَلَى الرُّكْنِ زِحَاماً فَلَا تُؤْذِ اَحَداً وَلَا تُؤْذَ وَامْضِ))

(واللفظ لعبد الرزاق والفاكهی)

''جب تم حجرِ اسود پر بھیڑ دیکھو تو نہ تم ہی کسی کو تکلیف دو اور نہ ہی تمھیں تکلیف دی جائے اور استلام کیے بغیر ہی گزر جاؤ۔'' اس اثر کی سند صحیح ہے۔

حجرِ اسود کو بوسہ دینے، اسے ہاتھ سے چھونے یا پھر محض دور سے اس کی طرف اشارہ کرنے اور «بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر» کہنے کے بعد صحیح مسلم میں مذکور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق خانۂ کعبہ کو اپنی بائیں جانب رکھیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَیٰ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ فَاسْتَلَمَهٗ، ثُمَّ مَشَیٰ عَلٰی یَمِیْنِهٖ (وفي لفظ:) ثُمَّ مَضَیٰ عَنْ یَمِیْنِهٖ»(۱۶۴)

''نبی ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حجرِ اسود پر پہنچ کر اس کا استلام کیا، پھر آپ ﷺ اس کی دائیں جانب سے چلنے لگے۔''

طواف کے شروع میں ایک دعا بڑی معروف ہے:

«اَللّٰهُمَّ اِیْمَاناً بِكَ وَتَصْدِیْقاً بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعاً لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ»(۱۶۵)

---

(۱۶۴) یہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اس کی تخریج نمبر (۱۹۳) میں آئے گی۔

(۱۶۵) اس دعا کا طواف شروع کرتے وقت پڑھنا علی بن ابی طالب، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اسی طرح ابن عمر اور ابن جریج کی مرفوع حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۱۔ اثرِ علی کو طیالسی (۱/ ۲۱۶) ابن ابی شیبہ (۳/ ۴۴۱، ۶/ ۸۱، دارالتاج) فاکہی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۹۹، ۱۰۰) میں، طبرانی نے ''الاوسط'' (۴۹۶) میں اور بیہقی (۵/ ۷۹) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲۔ اثرِ ابن عباس کو عبد الرازق (۸۸۹۸، ۸۸۹۹) نے ان سے دو سندوں سے روایت کیا ہے پہلی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبیداللہ العزرمی اور جویبر بن سعید ہے۔ عزرمی کو حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں متروک اور جویبر کو سخت ضعیف کہا ہے۔ اور دوسری سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ نیز اس میں حجاج بن ارطاۃ بھی ہیں اور یہ مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں۔

۳۔ ابن عمر کے اثر کو طبرانی نے ''الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۱۹۰)

''اے اللہ! تجھ پر ایمان رکھتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد کو ایفاء کرتے ہوئے اور تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے (یہ طواف کرنے لگا ہوں)۔''

اس دعا پر مبنی روایت کی سند کو امام شوکانی اور علامہ البانی جیسے کبار محدّثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (نیل الأوطار: ۳/ ۵/ ٤٧، حجة النبي، ص: ١١٥)

لہٰذا ((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہہ کر طواف شروع کردیں، حجرِ اسود سے چل کر وہیں تک پہنچنے پر ایک چکر مکمل ہوگا اور ایسے سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔

رمل اور اضطباع:

اس پہلے طواف میں سات چکروں میں مردوں کے لیے اضطباع کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ سات میں سے پہلے تین چکروں میں رمل چال کے ساتھ چلنا بھی ضروری ہے، لہٰذا ان دونوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ذہن نشین کرلیں کہ رمل اور اضطباع کیا ہیں؟ ان دونوں میں سے اضطباع کا تعلق تو احرام کے ساتھ ہے۔ اضطباع یہ ہوتا ہے کہ احرام کی اوپر والی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیں اور اپنا دایاں کندھا ننگا رکھیں جیسا کہ سنن ابو داود اور

(190) (۳/ ۲۴۳) میں اس کے راویوں کو ''صحیح'' کے راوی قرار دیا ہے۔ جبکہ شیخ البانی نے ''حجة النبي ﷺ'' (۱۱۵) میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور ہیثمی کا رد کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت کی سند سخت ضعیف ہے اور ابن جریج کی روایت والی سند معضل ہے۔ ان دونوں روایتوں کی تخریج اور ان کی سندوں پر کلام حدیث (151) میں ہو چکا ہے، لہٰذا وہاں ملاحظہ کریں۔

فائدہ: ابن الحاج نے ''المدخل'' (۴/ ۲۲۵) میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک سے اس دعا کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے اس کو بدعت کہا اور فاکہی (۱/ ۱۰۱) نے عطاء سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا اس بدعت کے موجد عراقی ہیں۔ **واللہ أعلم**

مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ اِعْتَمَرُوا مِنْ جِعِرَّانَةَ فَرَمَلُوا بِالْبَيْتِ، وَجَعَلُوا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ، ثُمَّ قَذَفُوهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى» (١٦٦)

''نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا اور بیت اللہ شریف کے گرد رمل چال سے طواف کیا اور اپنی اوپر والی چادروں کو اپنی (دائیں) بغلوں کے نیچے سے گزار کر انھیں اپنے بائیں کندھوں پر ڈال لیا۔''

سنن ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور مسند احمد میں حضرت ابو یعلی بن امیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث کے مطابق یہ ہیئت یعنی اضطباع صرف پہلے طواف کے سات چکروں کے ساتھ ہی خاص اور مسنون ہے۔ (١٦٧)

---

(١٦٦) اس حدیث کو ابو داود (١٨٨٤) احمد (٣٠٦، ٣٧١) اسی طرح طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (٨/ ١٢٤، ١٤/ ٦٢) میں اور بیہقی (٥/ ٧٩) نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(١٦٧) حدیثِ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ، یہ حدیث صحیح ہے؛ اس کو ابو داود (١٨٨٣) ترمذی (٨٥٩) ابن ماجہ (٢٩٥٤) دارمی (٢/ ٤٣) بیہقی (٥/ ٧٩) احمد (٤/ ٢٢٢، ٢٢٣، ٢٢٤) اور خطیب نے ''الموضح'' (١/ ٢٨٦) میں یعلی بن اُمیہ سے روایت کیا ہے۔ انھیں یعلی بن منیہ بھی کہا جاتا ہے۔ منیۃ ان کی والدہ کا نام ہے، جیسا کہ خطیب بغدادی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو یعلی بن امیہ سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں ان کے نام کی صراحت تو نہیں ہے مگر یہ صفوان بن یعلی ہیں کیونکہ حافظ مزی نے ''تہذیب الکمال'' (١٣/ ٢١٨، ٢١٩) میں اسی صفوان ہی کے ترجمہ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے ''تحفۃ الاشراف'' (٩/ ١١٥/ ١٨٣٩) میں بھی اس حدیث کو صفوان کی اپنے باپ (یعلی بن اُمیہ) سے (190)

اس طواف سے پہلے کندھوں کو ڈھانپ کر رکھنا چاہیے اور یہ طواف مکمل ہوتے ہی پھر اپنے دونوں کندھوں کو اوپر والی چادر سے ڈھانپ لیں اور نمازوں کے دوران مناسکِ حج کے وقت دوبارہ کبھی بھی یہ ہیئتِ اضطباع جائز نہیں۔ جبکہ اکثر و بیشتر حجاج کو دیکھا گیا ہے کہ کم علمی کی وجہ سے جب وہ میقات سے احرام باندھتے ہیں تب سے لے کر عمرہ کا احرام کھولنے تک اور پھر حج کا احرام باندھنے سے لے کر تمام مناسکِ حج مکمل کرنے تک اپنے دائیں کندھے کو ننگا ہی رکھتے ہیں اور اسی طرح تمام نمازیں بھی پڑھتے رہتے ہیں جو کہ ہرگز صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ طواف کی دو رکعتیں بھی دونوں کندھوں کو ڈھانپ کر پڑھنا ضروری ہے۔ (التحقیق والإیضاح، ص: ۲۹)

---

⑲⓪ روایت کردہ احادیث میں ذکر کیا ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر ''تہذیب'' میں صفوان کے ترجمہ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ صفوان ہی ہے جیسا کہ مزی نے ''الاطراف'' میں بالجزم کہا ہے۔ صفوان ثقہ ہیں جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے اور ان سے بخاری و مسلم نے حجت لی ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابن جریج بھی ہیں، اور یہ مدلس ہیں۔ ابو داود اسی طرح احمد اور بیہقی کی ایک روایت میں انھوں نے اس حدیث کو یعلی بن امیہ کے بیٹے (صفوان) سے روایت کیا ہے اور یہاں انھوں نے تدلیس کی ہے، کیونکہ ''الموضح'' اور احمد کی ایک دوسری روایت میں انھوں نے اس کو ایک نامعلوم آدمی کے واسطے سے یعلی بن اُمیہ کے بیٹے (یعنی صفوان) سے روایت کیا ہے اور یہ نامعلوم آدمی عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ ہیں جیسا کہ دوسری کتب میں صراحت ہے اور یہ ثقہ ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

تنبیہ۔ ا: مسند احمد (۴/۲۲۳) کی ایک روایت میں اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ کیفیت (اضطباع) صفا و مروہ پر سعی کرتے وقت تھی مگر اس سند میں ''عمر بن ہارون ابو حفص البلخی'' ہے۔ ذہبی نے ''الکاشف'' میں اس کو "واہ" اور حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اسے ''متروک'' کہا ہے بلکہ ابن معین سے ایک روایت کے مطابق یہ کذاب ہے۔ الحاصل یہ سند سخت ضعیف ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما، اس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ دیکھیں: نمبر (۱۶۸) میں۔

اس پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں صرف مردوں کے لیے رمل چال اور بقیہ چاروں چکروں میں عام چال سے چلنا مسنون ہے۔عورتیں رمل سے مستثنیٰ ہیں اور اسی طرح ان پر اضطباع بھی نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر تمام ائمہ وفقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے۔(بحواله الفتح الرباني: ١٢ / ٢٣)

رمل چال، کندھوں کو ہلاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں سے آہستہ آہستہ دوڑنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ چال اس پہلے طواف کے بعد دوسرے تیسرے کسی طواف میں مشروع نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم، سنن ابی داود ونسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل پر شاہد ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا طَافَ فِيْ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشٰى أَرْبَعَةً، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ» (١٢٨)

”نبی ﷺ حج وعمرہ کے لیے آنے پر سب سے پہلے جو طواف کرتے اس میں تین چکر دوڑ کر (رمل سے) اور چار چکر عام چال چل کر پورے کرتے۔پھر (مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر) دو رکعتیں ادا فرماتے اور پھر صفا و مروہ کے مابین سعی کرتے۔“

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

« رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثاً وَّمشٰى أَرْبَعاً» (١٢٩)

(١٢٨) اس کو بخاری (١٦١٦، ١٦١٧) مسلم (٩/ ٧، ٨) ابو داود (١٨٩٣) نسائی (٥/ ٢٢٩، ٢٣٠) دارمی (٢/ ٤٢) ابن ماجہ (٢٩٥٠) بیہقی (٥/ ٥٣) اور احمد (٢/ ٣٠، ٩٨، ٩٩) نے روایت کیا ہے۔

(١٢٩) مسلم (٩/ ٩) اسی طرح ابو داود (١٨٩١) دارمی (٢/ ٤٣) اور بیہقی (٥/ ٨٣) نے روایت کیا ہے۔

''نبی ﷺ نے حجرِ اسود سے لے کر حجرِ اسود تک کے تین چکر رمل چال سے اور چار عام چال سے پورے فرمائے۔''

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ اِعْتَمَرُوْا مِنْ جِعِرَّانَةَ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلَاثاً وَمَشَوْا أَرْبَعاً)) (170)

''نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے عمرہ کیا تو بیت اللہ کے طواف کے دوران پہلے تین چکروں میں رمل اور آخری چار میں عام چال سے چلے۔''

مشروعیتِ رمل کا سبب:

صحیح بخاری ومسلم، سنن ابو داود ونسائی اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رمل کی مشروعیت اور اس کے مقرر کیے جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ۷ھ میں جب نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ وجانثار ساتھی عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو مشرکینِ مکہ نے یہ کہنا شروع کردیا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی کمزور ہوگئے ہیں، مدینہ طیبہ کے بخار نے انھیں نحیف ونزار اور کمزور کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے اس خیال فاسد سے باخبر کردیا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ (پہلے تین چکروں میں) رمل چال سے چلیں۔

جب مشرکین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح چلتے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے:

((هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ تَزْعُمُوْنَ أَنَّ الْحُمّٰى وَهَنَتْهُمْ، هٰؤُلَآءِ أَقْوٰى مِنْ كَذَا وَكَذَا))

''کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم یہ گمان کررہے تھے کہ بخار

(170) أبو داود (۱۸۹۰) بإسناد صحيح.

نے انھیں کمزور کردیا ہے یہ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ طاقت ور ہیں۔‘‘

سنن ابو داود میں یہ صراحت ہے:

((ھٰؤُلآءِ أَجْلَدُ مِنَّا)) ’’یہ تو ہم سے بھی زیادہ قوی ہیں۔‘‘

نیز ابو داود میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

((تَقُوْلُ قُرَیْشٌ: کَأَنَّھُمُ الْغِزْلَانُ))

’’قریش مکہ کہنے لگے کہ یہ لوگ تو ہرنوں کی طرح ہیں۔‘‘

یہ تھا رمل کی مشروعیت کا سبب۔ (۱۷۱)

سنن ابو داود وابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے کہ رمل اس وقت سے طواف کی سنت قرار پائی جس پر صحابہ کرام (اور آج تک کے مسلمان) عمل پیرا ہیں حتیٰ کہ مذکورہ کتب میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا ہے اور کفر و کفار کو ذلیل وخوار کر کے ملک بدر کر دیا ہے:

((مَعَ ھٰذَا ذٰلِكَ لَا نَدَعُ شَیْئاً کُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) (۱۷۲)

(۱۷۱) اس حدیث کو بخاری (۱۶۰۲) مسلم (۹/ ۱۲-۱۳) ابو داود (۱۸۸۶) نسائی (۲۳۱، ۵/ ۲۳۰) ابن خزیمۃ (۲۷۲۰) بیہقی (۵/ ۸۲) اور احمد (۱/ ۲۹۰، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۷۳) نے روایت کیا ہے۔((ھٰؤلآءِ الَّذِیْنَ تَزْعُمُوْنَ ... اَقْوٰی مِنْ کَذَا وَکَذَا)) یہ احمد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں۔ ((ھٰؤُلآءِ اَجْلَدُمِنَّا)) ابو داود میں ہیں اور مسلم میں: ((ھٰؤُلَاءِ اَجْلَدُ مِنْ کَذَا وَکَذَا)) کے الفاظ ہیں۔ بخاری میں مشرکین کا یہ قول نہیں ہے: ((تَقُوْلُ قُرَیْشُ کَأَنَّھُمُ الْغِزْلَانُ)) یہ الفاظ ابو داود (۱۸۸۹) میں ہیں اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

(۱۷۲) اس کو ابو داود (۱۸۸۷) ابن ماجہ (۲۹۵۲) احمد (۱/ ۴۵) اسی طرح حاکم (۱/ ۴۵۴) بیہقی (۵/ ۷۹) اور ابو یعلی (۱۸۸) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ہشام بن سعد ہیں۔ ذہبی نے انھیں الکاشف میں ’’حسن الحدیث‘‘ کہا ہے، لہٰذا یہ سند حسن درجہ کی ہے۔ حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

''اس کے باوجود ہم وہ کام ہرگز نہیں چھوڑیں گے جسے ہم نبی ﷺ کے عہدِ مبارک میں کیا کرتے تھے۔''

جبکہ اس کی دائمی مشروعیت کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے:

((شَيئٌ صَنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَّتْرُكَهٗ)) (۱۷۳)

''ایک کام جسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہم اسے ترک کرنا ہرگز پسند نہیں کرتے۔''

اس رمل کی مشروعیت اگرچہ ایک خاص وجہ سے ہوئی مگر پھر یہ ایک مطلق سنت قرار پائی جیسا کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب میں مذکور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے واقعہ میں بھی مذکور ہے:

((فَرَمَلَ ثَلَاثاً وَمَشٰى أَرْبَعاً)) (۱۷۴)

''آپ ﷺ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل اور بقیہ چار میں عام چال سے چلے۔''

امام خطابی رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ نبی ﷺ کبھی ایک کام کو کسی خاص وجہ سے کرتے ہیں اور پھر وہ وجہ تو زائل ہوجاتی ہے مگر وہ سنت اپنی اصل حالت پر قائم رہتی ہے۔

(معالم السنن خطابی علی ھامش عون المعبود شرح ابو داود از علامہ شمس الحق عظیم آبادی: ۵/ ۳۴۱)

ملتزم سے چمٹنا اور دعائیں کرنا:

حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان والی جگہ جس کا نام ''ملتزم'' ہے، اس کے ساتھ چمٹنا اور اس پر اپنا سینہ، ہاتھ، بازو، اور چہرہ رکھنا بھی مسنون ہے جیسا کہ سنن ابو داود وابن ماجہ میں مذکور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ (۱۷۵)

(۱۷۳) بخاری (۱۶۰۵)

(۱۷۴) اس حدیث کی مفصل تخریج نمبر (۱۹۳) میں آئے گی۔

(۱۷۵) یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ابو داود (190)

....

⑲⓪(۱۸۹۹) ابن ماجہ (۲۹۶۲) عبدالرزاق (۹۰۴۳) ازرقی (۱/ ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۰) فاکہی (۱/ ۱۶۲) ابن عدی (۶/ ۲۴۱۸، ۲/ ۲۸۹) اور بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۹۳، ۱۶۴) اور ''شعب الایمان'' (۷/ ۶۰۴، ۶۰۵) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند ''مثنیٰ بن الصباح'' کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عبدالرزاق، ازرقی اور بیہقی کی ایک روایت میں ابن جریج نے بھی اس کو مثنی کے شیخ ''عمرو بن شعیب'' سے روایت کیا ہے، یعنی ابن جریج نے مثنی کی متابعت کی ہے مگر یہ مدلس ہیں بلکہ امام بخاری نے کہا ہے کہ ابن جریج کا عمرو بن شعیب سے سماع نہیں ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ ابن جریج نے اس حدیث کو مثنی سے سنا اور پھر تدلیس کی ہو مگر اس حدیث کے شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں عبدالرحمٰن بن صفوان رضی اللہ عنہ کی موصول حدیث، ابن ابی ملیکۃ کی مرسل اور ابن عباس کی موقوف روایت ہے۔ حدیثِ عبدالرحمٰن بن صفوان کو احمد (۳/ ۴۳۰، ۴۳۱) ابو داود (۱۸۹۸) اور بیہقی (۵/ ۹۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند شاہد میں حسن درجہ کی ہے مگر عبدالرحمٰن بن صفوان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن ابی ملیکۃ کی مرسل روایت کو فاکہی (۱/ ۱۶۲) نے روایت کیا ہے۔ یہ مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں عبداللہ بن مؤمل ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت کو عبدالرزاق (۹۰۴۷) نے بسند صحیح مجاہد سے روایت کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا: ((هَذَا الْمُلْتَزَمُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ)) ''حجرِ اسود اور دروازے کے مابین ملتزم ہے۔'' اس کو مالک نے بھی بلاغاً ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۱/ ۲۲۴) یہ روایت اگرچہ موقوف ہے مگر اس کا حکم مرفوع حدیث والا ہے کیونکہ اس میں عقل و اجتہاد کو دخل نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' (۲/ ۵۰۸) میں کہا ہے۔ ابن عدی (۴/ ۱۶۴۱) نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ((مَنْ دَعَا مِنْ ذِيْ حَاجَةٍ اَوْ كُرْبَةٍ اَوْ ذِيْ غُمَّةٍ فُرِجَ عَنْهُ بِإِذْنِ اللّٰهِ)) ''جو ضرورت مند، مصیبت زدہ یا غمگین (اس مقام پر) دعا کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے (اس کی ضرورت پوری، مصیبت اور غم) دور ہو جاتا ہے۔'' مگر اس ⑲⓪

وہاں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور اپنی حاجتیں طلب کریں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دیوارِ کعبہ کے اس حصے کے ساتھ چمٹنا ممکن نہ ہو تو پاس کھڑے ہوکر ہی دعا کرلیں اور اس التزام کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ یہ پورے موسمِ حج میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دخولِ مکہ کے وقت ہی کرلیا کرتے تھے۔ (بحوالہ مناسک الحج والعمرۃ، ص: ۲۳۔ حاشیہ)

حطیم سمیت طواف:

طواف کرتے وقت یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ حطیم سمیت پورے بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ضروری ہے کیونکہ خانۂ کعبہ کے ساتھ ہی شمالی جانب میں قوس یا نیم دائرے کی شکل میں بنی ہوئی یہ جگہ حطیم بھی بیت اللہ شریف کا حصہ ہے جو قریش نے مالی کمزوری کی وجہ سے تعمیرِ کعبہ کے وقت چھوڑ دی تھی جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ (۱۷۶)
اسی حطیم کا نام حِجر اسماعیل علیہ السلام بھی ہے۔ صحیح بخاری میں مذکور ایک حدیث میں حضرت

---

(۱۷۵) کی ایک سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ''عباد بن کثیر الثقفی'' ہے اور یہ متروک ہے، بلکہ امام احمد نے کہا ہے کہ اس نے جھوٹی حدیثیں بیان کی ہیں۔ دیگر یہ ابن عباس سے اسی اضافے کے ساتھ اس سے اچھی سند سے موقوفاً مروی ہے مگر اس سند میں یہ اضافہ ان الفاظ سے ہے: ((لَا يَلْتَزِمُ مَا بَيْنَهُمَا اَحَدٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئاً اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ)) ''جو شخص بھی اس مقام پر چمٹ کر اللہ سے کوئی سوال کرتا ہے تو وہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔'' اس کو بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۱۶۴) اور ''شعب الایمان'' (۷/ ۶۰۵) میں روایت کیا ہے۔ اس سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ہے اور یہ ضعیف ہے اور اس کے باقی سب راوی ثقہ ہیں۔ حاصل کلام مذکورہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

(۱۷۶) اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۶۳) بخاری (۱۵۸۳، ۱۵۸۴) مسلم (۹/ ۸۸) ابو داود (۲۰۲۸) ترمذی (۸۷۵، ۸۷۶) نسائی (۵/ ۲۱۴) اور ابن ماجہ (۲۹۵۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ فَلْيَطُفْ مِنْ وَرَآءِ الْحِجْرِ»(177)

''جو شخص طواف کرے، اسے حطیم کے باہر سے کرنا چاہیے۔''

اس پر قرآنِ کریم کی ایک آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج: ٢٩]

''اور چاہیے کہ اس قدیم گھر (بیت اللہ شریف) کا طواف کریں۔''

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم فرمایا ہے اور وہ تبھی پورا ہوتا ہے جب سارے بیت اللہ کا طواف ہو، اگر حطیم کو چھوڑ دیا جائے تو پھر پورے گھر کا نہیں بلکہ اس کے کچھ حصے کا (ناقص) طواف ہوتا ہے۔

رکنِ یمانی کو چُھونا:

طواف کے ساتوں چکروں میں سے ہر چکر میں رکنِ یمانی کو ہاتھ سے چُھونا بھی سنت وثواب ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«مَا تَرَكْنَا اِسْتِلَامَ هَذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ: اَلْيَمَانِيّ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَلَارَخَآءٍ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهَا»(178)

---

(177) بخاری (۳۸۴۸) "مناقب الأنصار، باب القسامة في الجاهلية" اسی طرح اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ الأم (۲/ ۱۷٦) مسند شافعی (۱۲۹، ۱۳۰) مصنف عبدالرزاق (۹۱۴۹) صحیح ابن خزیمۃ (۴۰، ۲۷) مستدرک حاکم (۱/ ۴٦۰) اور بیہقی (۵/ ۹۰) میں انھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند سے مروی ہے کہ ''حطیم'' بیت اللہ کا جزو ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے باہر سے طواف کیا تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ابن خزیمۃ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(178) اس کو بخاری (۱٦۰٦) "باب الرمل في الحج والعمرة" مسلم (۹/ ۱۵) نسائی (۵/ ۲۳۲، ۲۳۳) اور بیہقی (۵/ ۷٦) نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

’’ہم نے ان دو رکنوں: رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کو چھونا نہیں چھوڑا، چاہے شدّت ہو یا نرمی اور یہ تب سے ہے جب سے میں نے نبی ﷺ کو انھیں چُھوتے دیکھا ہے۔‘‘

مگر رکنِ یمانی کو بوسہ دینا یا اسے ہاتھ سے چھوکر اپنے ہاتھ کو چومنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ (المغني: ٣/ ٣٤١، الفتح الرباني: ١٢/ ٣٦، ٣٧)

اگر زیادہ بھیڑ کی وجہ سے اسے چُھونا ممکن نہ ہوتو اس کی طرف اشارہ کرنا بھی مشروع نہیں۔ (التحقيق والإيضاح، ص: ٣٠، ٣١، مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٢)

مذکورہ افعال (چومنا اور اشارہ کرنا) حجرِ اسود کے ساتھ خاص ہیں جبکہ رکنِ یمانی حجرِ اسود والے کونے سے پہلے کونے میں بیت اللہ کی جنوبی دیوار میں نصب ہے۔

حجرِ اسود اور ملتزم کے سوا کسی چیز کو بوسہ دینا:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ بیت اللہ شریف کی شمالی دیوار میں نصب رکنِ عراقی اور مغربی دیوار میں رکنِ شامی ہے، ان دونوں رکنوں، پورے بیت اللہ کے درودیوار اور حجرِ اسود و ملتزم کو چھوڑ کر اس کے تمام اطراف وجوانب، مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسماعیل (حطیم) سمیت کسی چیز کو بھی بوسہ دینا، اسے چُھونا یا اشارہ کرنا مشروع وثابت نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات پر چاروں ائمہ کا اتفاق ذکر کیا ہے۔
(مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٢ حاشيه، مجموع فتاویٰ ابن تيمية: ٢٦/ ٩٧)

نیز صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«لَمْ أَرَ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَّيْنِ» [١٧٩]

’’میں نے نبی ﷺ کو رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے سوا کسی چیز کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا۔‘‘

---

[١٧٩] بخاری (١٦٠٩) مسلم (٩/ ١٣) ابو داود (١٨٧٤) نسائی (٥/ ٢٣١، ٢٣٢) بیہقی (٥/ ٧٦) اور ابویعلی (٥٤٧٣).

رکنِ یمانی اور حجرِ اسود دونوں کو ''رکنین یمانیین'' کہا جاتا ہے جبکہ دوسرے دونوں رکنوں کو ''رکنین شامیین'' کہا جاتا ہے۔سنن ابو داود و نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں وہ فرماتے ہیں :

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْاَسْوَدَ كُلَّ طَوْفَةٍ وَلَا يَسْتَلِمُ الرُّكْنَيْنِ الْآخَرَيْنِ الَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحَجَرَ» (۱۸۰)

''نبی ﷺ طواف کے ساتوں چکروں میں سے ہر چکر میں رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کو چھوا کرتے تھے اور حجرِ اسود کی دوسری طرف والے دونوں رکنوں (رکنِ عراقی وشامی) کو نہیں چھوتے تھے۔''

ایسے ہی مصنف عبدالرزاق ، مسند احمد اور سنن بیہقی میں حضرت یعلی بن امیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (اور ایک روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے ساتھ طواف کیا۔ جب میں اس رکن کے پاس تھا جو بابِ کعبہ کے آگے والے کونے میں نصب ہے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑا کہ اس کا استلام کریں، تو انھوں نے فرمایا:

«اَمَا طُفْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟»

''کیا تم نے کبھی نبی ﷺ کے ساتھ طواف نہیں کیا؟''

میں نے عرض کیا،نہیں، تو انھوں نے فرمایا:

«فَانْفِذْ عَنْكَ، فَاِنَّ لَكَ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) أُسْوَةً حَسَنَةً» (۱۸۱)

(۱۸۰) اس طرح سے اس حدیث کو احمد (۲/ ۱۱۵) ازرقی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۳۳۲) میں اور بیہقی (۵/ ۷٦، ۸۰) نے روایت کیا ہے۔ ابو داود اور نسائی وغیرہ میں « وَلَا يَسْتَلِمُ الرُّكْنَيْنِ » کے الفاظ نہیں ہیں۔ دیکھیں: اس کتاب کی حدیث نمبر (156)۔

(۱۸۱) اس حدیث کو عبدالرزاق (۸۹۴۵) احمد (۱/ ۴۵، ۴/ ۲۲۲) بیہقی (۵/ ۷۷) اور ازرقی (۱/ ۳۳۵، ۳۳٦) نے عبداللہ بن باباہ سے اور انھوں نے یعلی بن اُمیہ کے ←

''تو پھر تم اسے چھونے کا خیال چھوڑ و، کیونکہ تمھارے لیے نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک بہترین نمونہ ہے۔''

دورانِ طواف کی دعائیں اور لایعنی گفتگو سے اجتناب:

طواف، حج کا ایک اہم رکن ہے اور قربِ کعبہ کی بنا پر قبولیتِ دعا کا وقت و موقع بھی۔ لہٰذا حجاجِ کرام کو چاہیے کہ دورانِ طواف اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کریں اور دعائیں مانگیں اور لایعنی گفتگو سے کلّی اجتناب کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ سنن ترمذی، صحیح ابن خزیمہ و ابن حبان، مسند دارمی، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں مرفوعاً اور سنن نسائی و مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے:

((اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَحَلَّ فِيهِ النُّطْقَ، فَمَنْ نَطَقَ فَلَا يَنْطِقُ اِلَّا بِخَيْرٍ (وفي الموقوف) فَاِذَا طُفْتُمْ فَاَقِلُّوا الْكَلَامَ)) (١٨٢)

← کسی ایک بیٹے کے واسطے سے یعلی بن اُمیہ سے روایت کیا ہے۔ اس سند میں یعلی بن اُمیہ اور عبداللہ بن باباہ کے درمیان جو واسطہ ہے وہ مجہول ہے۔ مسند احمد (١/ ٣٧) کی ایک روایت میں اور اسی طرح مسند ابو یعلی (١٨٢) میں عبداللہ بن باباہ نے اس حدیث کو یعلی بن اُمیہ سے بلا واسطہ بھی روایت کیا ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے یعلی بن اُمیہ سے بالواسطہ سنا ہو اور بعد میں بلا واسطہ سن لیا ہو کیونکہ عبداللہ بن باباہ کی یعلی بن اُمیہ سے روایت بلا واسطہ بھی ثابت ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨٢) اس حدیث کو ترمذی (٩٦٠) دارمی (٢/ ٤٤) ابن الجارود (٤٦١) ابن خزیمۃ (٣٧٣٩) ابن حبان (٩٩٨) طبرانی (١١/ ٣٤) حاکم (١/ ٤٥٩، ٢/ ٢٦٧) بیہقی (٥/ ٨٥) ابو یعلی (٢٥٩٩) اور فاکہی (١/ ١٩١) نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے، اسے ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم، ذہبی، ابن حجر اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

تفصیل کے لیے ''التلخیص الحبیر'' (١/ ١٢٩، ١٣٠) اور ''ارواء الغلیل'' (١٢١) ملاحظہ کریں۔ ((اِذَا طُفْتُمْ فَاَقِلُّوا الْكَلَامَ)) ان الفاظ سے اس حدیث کو عبدالرزاق (٩٧٨٨) ←

''بیت اللہ کا طواف کرنا بھی نماز ہی ہے لیکن اللہ نے اس میں بات چیت کو حلال قرار دیا ہے۔ بس جو کوئی بات کرے تو اسے چاہیے کہ کوئی بھلائی کی ہی بات کرے۔ (موقوف روایت میں ہے:) جب تم طواف کرو تو بہت کم گفتگو کرو۔''

نیز صحیح بخاری (۳/ ۴۸۲ مع الفتح) میں بھی ایسی ہی ایک حدیث مذکور ہے اگرچہ وہ مطلق نہیں ہے۔

ایک دعا کے سوا دورانِ طواف کوئی مخصوص دعا یا ذکر صحیح سند سے ثابت نہیں۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی عام دعاؤں میں سے جو جی چاہے ذکر و دعا کریں جائز ہے۔

(ابن تيمية بحواله مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٣)

سنن ابو داود، صحیح ابن حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے جسے بعض کبار محدّثین مثلاً ابن حبان، حاکم، ذہبی، شوکانی اور البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(نيل الأوطار: ٣/ ٥/ ٥٤، مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٢، الفتح الرباني: ١٢/ ٦٧)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

← احمد (۳/ ۴۱۴، ۴/ ۶۴، ۵/ ۳۷۷) اور نسائی (۵/ ۲۲۲) نے ایک نامعلوم صحابی سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ ان سے ملتے جلتے الفاظ سے یہ حدیث ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ابن عباس کے اثر کو عبدالرزاق (۹۷۸۹، ۹۷۹۰) ابن ابی شیبہ (۳/ ۱۳۷۔ دارالتاج) ازرقی (۲/ ۱۱) اور فاکہی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۱۹۲، ۱۹۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ طبرانی نے ان سے اسی سیاق سے مرفوعاً بھی روایت کی ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: ''المعجم الكبير'' (۱۱/ ۴۰) ابن عمر کے اثر کو شافعی نے ''مسند'' (۱۲۷) میں، نسائی (۵/ ۲۲۲) اور فاکہی (۱/ ۱۹۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) [۱۸۳] (البقرة:۲۰۲)

---

(۱۸۳) یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو احمد (۳/ ۴۱۱) ابو داود (۱۸۹۲) عبدالرزاق (۸۹۶۳) ابن ابی شیبہ (۴/ ۱۰۸، و۱۰/ ۹۶۸۱) ازرقی (۱/ ۳۴۰) فاکہی (۱/ ۱۴۵) ابن الجارود (۴۵۶) ابن خزیمہ (۲۷۲۱) ابن حبان (۱۰۰۱) طبرانی نے ''کتاب الدعا'' (۸۵۹) میں، حاکم (۱/ ۴۵۵، ۲/ ۲۷۷) بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۸۴) اور ''شعب الایمان'' (۷/ ۵۹۴) میں عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ان شواہد میں ایک نامعلوم صحابی، ابو ہریرہ، علی، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں:

۱۔ نامعلوم صحابی کی روایت کو فاکہی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۱۴۵) میں روایت کیا ہے۔ اس میں اگر ابن جریج کا اس روایت کو لفظ ''عن'' سے بیان کرنا نہ ہوتو اس کی سند صحیح ہے۔

۲۔ حدیثِ ابو ہریرہ کو ابن ماجہ (۲۹۵۶) باب "فضل الطواف" فاکہی (۱/ ۱۳۸) اور ابن عدی (۲/ ۶۹۰) نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رکنِ یمانی پر ستر فرشتے متعین ہیں جو شخص یہ دعا: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا...)) پڑھتا ہے تو وہ آمین کہتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ: اس کو فاکہی (۱/ ۱۳۷) نے روایت کیا ہے۔ اس میں ستر فرشتوں کی بجائے ایک فرشتے کا ذکر ہے۔ مگر اس کی بھی سند ضعیف ہے۔ فاکہی نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۱/ ۱۴۶) اس طریق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا ﴿رَبَّنَا آتِنَا ...﴾ پڑھا کرتے تھے اور اس کے شروع میں ایک اور دعا کا بھی اضافہ ہے مگر اس کی سند یاسین بن معاذ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، نیز اسی طریق سے اس کو ازرقی (۱/ ۳۴۰) نے علی رضی اللہ عنہ پر موقوفاً روایت کیا ہے۔

۴۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس میں بھی حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کی طرح ہے کہ رکنِ یمانی پر ایک فرشتہ متعین ہے جو آمین کہتا ہے لہٰذا اس سے گزرتے وقت یہ دعا ﴿رَبَّنَا آتِنَا ...﴾ پڑھو۔ اس کو ابن ابی شیبہ (۶/ ۸۲۔ دارالتاج) ازرقی (۱/ ۳۴۱) فاکہی (۱/ ۱۱۰- ۱۳۹) [190]

⑲ بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۵۹۵، ۵۹۶) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف اور مضطرب ہے۔ ضعیف اس لیے کہ اس میں عبداللہ بن مسلم بن ہرمز ہے اور یہ ضعیف ہے، اور مضطرب اس لیے کہ بعض راویوں نے عبداللہ بن مسلم سے اس کو مرفوع، بعض نے ابن عباس سے موقوف اور بعض نے اس کو مجاہد کا قول کہا ہے یہ ابن عباس سے ایک دوسری سند سے بھی مرفوعاً مروی ہے مگر یہ سند محمد بن فضل بن عطیہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے اور اس سند سے اس کو سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۵۵، ۳۵۶) اور ابونعیم نے "حلیة الأولیاء" (۸۲/۵) میں روایت کیا ہے۔

۵۔ حدیثِ ابن عمر کو فاکہی (۱/ ۹۹) نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے مگر اس کی سند واقدی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ اسی سلسلے کی سعید بن المسیب کی ایک مرسل روایت بھی ہے جسے ازرقی (۱/ ۳۴۰) نے روایت کیا ہے۔ ایک تو یہ مرسل ہے نیز اس میں یاسین بن معاذ ہے جو سخت ضعیف بلکہ متہم ہے۔

حاصل کلام: حدیث الباب اپنے ان شواہد کی بنا پر صحیح ہے؛ ان میں سے بعض شواہد کی سندیں اگرچہ انتہائی ضعیف ہیں مگر بعض کی سندیں شواہد بننے کے قابل ہیں ۔ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس مقام پر اس دعا کا عمر بن خطاب اور عبدالرحمٰن بن عوف سے پڑھنا ثابت ہے اور علی اور ابن عمر سے پڑھنا وارد ہے:

۱۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ (۱۰/ ۲۶۲) فاکہی (۱/ ۲۲۹) بیہقی (۵/ ۸۴) عبداللہ بن احمد نے ''زوائد الزھد'' (۱۴۶) میں اور ان سے خطیب بغدادی نے ''الموضح'' (۲/ ۴۰۸) میں حبیب بن صہبان کے طریق سے، عبدالرزاق (۸۹۶۶) نے اور ان سے طبرانی نے ''الدعا'' (۸۵۷) میں ایک نامعلوم آدمی کے طریق سے اور ازرقی (۲/ ۱۱) اور فاکہی (۱/ ۲۳۰) نے ایک تیسرے طریق سے روایت کیا ہے۔ حبیب بن صہبان والی سند حسن درجہ کی ہے اور باقی دونوں طریق ضعیف ہیں۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے اثر کو فاکہی (۱/ ۱۰۰، ۲۳۰) ازرقی (۲/ ۱۱) اور طبرانی نے ''الدعا'' (۸۵۵) میں روایت کیا ہے۔ یہ اثر عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی تین سندوں ⑲

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا کرتے سنا: (اے اللہ! ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے)۔''

اس دعا کے علاوہ ایک دعا بیت اللہ شریف کے پرنالے (میزابِ رحمت) کے نیچے کی جاتی ہے، وہ اور ایسی ہی دیگر دعاؤں کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ ان میں سے کسی کی کوئی اصل نہیں یعنی وہ سب بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ (مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٣)

لہٰذا ایسی مخصوص دعاؤں سے قطع نظر جو جی میں آئے مانگیں۔ ہمارے نبی ﷺ امت کے لیے نہایت آسان دین لائے مگر افسوس کہ ہم نے ان آسانیوں سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ دین کو خود ہی مشکل بنا لیا ہے۔ جس کی ایک مثال یہی ہے کہ ذرا طواف کی ان دعاؤں پر ہی غور کرلیں جو ساتوں چکروں کے لیے معلّموں نے علیحدہ علیحدہ تجویز کر رکھی ہیں اور چھوٹی چھوٹی کتابوں میں حرمین شریفین بلکہ دیگر ممالک میں بھی عام بکتی ہیں حالانکہ وہ دعائیں قرآن یا حدیث کسی سے بھی اس طرح ثابت نہیں ہیں کہ فلاں الفاظ طواف کے فلاں چکر میں دہرائے جائیں بلکہ وہ دعائیں یا کم ازکم تقسیم سراسر خانہ ساز اور من گھڑت ہے۔ انھیں بلا دلیل طواف کے چکروں پر تقسیم کردیا گیا ہے۔ انھیں یاد کرتے کرتے لوگ مہینوں گزار دیتے ہیں لیکن پھر بھی وہ

---

(190) سے مروی ہے، جن میں ایک سند جو فاکہی کے ہاں ہے، حسن درجہ کی ہے اور باقی دونوں سندوں میں انقطاع ہے۔

٣۔ علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو ازرقی (١/ ٣٤٠) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

٤۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو عبد الرزاق (٨٩٦٤، ٨٩٦٥) ابن ابی شیبہ (٦/ ٨٢۔ دارالتاج) فاکہی (١/ ١٠٩، ١١٠) اور طبرانی نے ''الدعا'' (٨٥٦، ٨٥٨) میں روایت کیا ہے۔ اس میں ایک راوی ابو شعبہ ہے، اگر یہ ثقہ ہے تو اس کی سند صحیح ہے۔

انہیں یاد نہیں کر پاتے حتیٰ کہ طواف کا وقت آجاتا ہے۔ پھر یہ لوگ ان معلّموں کے رحم وکرم پر ہی ہوتے ہیں جو انھیں طواف کرواتے ہیں، آگے آگے وہ خود ان دعاؤں کو دہراتے جاتے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے طوطے کی طرح ہمارے سادہ دل حاجی حضرات ان دعاؤں کو دہراتے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ طواف ایک رسمی سی عبادت بن کر رہ جاتا ہے اور اس کی اصل روح غائب ہوجاتی ہے ۔ لہٰذا ان مصنوعی تقسیموں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ قرآن وسنت میں سے ثابت شدہ ومسنون دعائیں بلاتقسیم پڑھنے میں ہی تمام تر فضائل وبرکات، اجر وثواب اوراطمینانِ قلب وروح ہے اور اگر وہ یاد نہ ہوں تو پھر جو جی میں آئے اور جس زبان میں بھی ممکن ہو، دعائیں کرتے جائیں کوئی پابندی نہیں ہے۔

بیت اللہ کا قُرب:

طواف کرتے وقت یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ بیت اللہ کے جتنا قریب ہوکر طواف کیا جائے اتنا ہی افضل ہے اوراگر بھیڑ کی وجہ سے بیت اللہ کے قریب ہوکر طواف کرنا ممکن نہ ہوتو پھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور بئرِ زمزم کے باہر بلکہ پوری مسجد کے کسی بھی حصہ میں ممکن ہوتب بھی طواف صحیح ہوگا۔ علامہ ابن باز کا بھی یہی فتویٰ ہے۔
(التحقیق والإیضاح، ص: ۳۱)

طواف کے چکروں کی تعداد میں شک:

اگر دورانِ طواف یہ شک ہوجائے کہ معلوم نہیں میں نے پانچ شوط (چکر) پورے کیے ہیں یا چارتو ایسی صورت میں چکروں کی تھوڑی تعداد پر اعتماد کرلیا جائے جو کہ یقینی ہے اور باقی تعداد کو پورا کرلے، مثلاً چار یا پانچ میں شک واقع ہوتو چار پر بنیاد رکھے اور تین چکر اور لگا کر طواف مکمل کرلے۔ (التحقیق والإیضاح، ص: ۲۹)

صفا و مروہ پر سعی کے وقت شک واقع ہو جانے پر بھی یہی طریقہ ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

پیدل و سوار طواف:

حجۃ الوادع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے تو اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا تھا جیسا کہ احادیث گزری ہیں۔ صحیح مسلم میں مذکور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں سوار ہو کر طواف کرنے کی وجہ یوں مذکور ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ طَافَ رَاكِباً لِيَرَاهُ النَّاسُ وَلِيَسْأَلُوهُ» (۱۸۴)

''نبی کریم ﷺ نے سوار ہو کر طواف اس لیے کیا تا کہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ سکیں اور (مناسک حج کے بارے میں) پوچھ سکیں۔''

لوگوں کی کثرت میں اگر آپ ﷺ بھی پیدل ہی طواف کرتے تو ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوشیدہ رہ جاتے اور پھر جو لوگ مناسکِ حج میں سے کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتے وہ آپ ﷺ کو سامنے نہ پا کر پوچھ نہ پاتے۔ لہٰذا

(۱۸۴) مسلم (۹/ ۱۸، ۱۹) اسی طرح ابو داود (۱۸۸۰) اور بیہقی (۵/ ۱۰۰) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے سواری پر طواف کرنے کی وجہ یہ تھی تا کہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کر سکیں، جبکہ ابو داود (۱۸۸۱) اور بیہقی (۵/ ۹۹، ۱۰۰) میں مروی حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو کچھ تکلیف تھی، اس لیے آپ ﷺ نے سواری پر طواف کیا مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور یہ ''سيئ الحفظ'' ہے۔ منذری نے ''مختصر السنن'' (۲/ ۳۷۷) میں اسی یزید کی وجہ سے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور بیہقی نے کہا ہے کہ تکلیف کے ذکر کرنے میں یزید منفرد ہے۔ جابر و ابن عباس نے دوسری روایت میں اور عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے سواری پر طواف کرنے کی علت بیان کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو مناسکِ حج اور طریقۂ طواف کی تعلیم کے لیے سوار ہوکر طواف کرنا اختیار فرمایا جو کہ ایک بہت بڑی مصلحت تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے سنن ابو داود کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ) آئے جبکہ آپ ﷺ کوئی تکلیف محسوس کررہے تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی سواری پر بیٹھ کر طواف کیا۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہی اسباب کے لیے ایسا کیا ہو لہٰذا بلا عذر سوار ہوکر طواف کرنے کے عدمِ جواز کا پہلو ہی راجح ہے اور فقہاء کے نزدیک سوار ہوکر محض جائز مگر پیدل طواف کرنا افضل ہے۔ (فتح الباري: ٣/ ٤٩٠)

بہرحال افضل واولیٰ تو یہی ہے کہ پیدل طواف کریں البتہ اگر کوئی عذر ہوتو سواری پر بیٹھ کر طواف جائز ہے، خصوصاً اگر کوئی شخص لاغر بیمار اور نحیف ونزار ہو یا پھر کوئی بچہ ہو جو خود سے چل پھر نہ سکتا ہوتو انھیں اٹھا کر یا سواری پر بٹھا کر طواف کروانا اور صفا ومروہ کی سعی کروانا جائز ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری ومسلم، سنن ابو داود ونسائی اور بیہقی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«شَكَوْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنِّيْ اَشْتَكِيْ فَقَالَ: طُوْفِيْ مِنْ وَرَآءِ النَّاسِ، وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ اِلٰی جَنْبِ الْبَيْتِ، وَهُوَ يَقْرَأُ بِـ الطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ» (١٨٥)

”میں نے نبی ﷺ سے اپنی تکلیف بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں سے باہر کی جانب سواری پر بیٹھ کر طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے

(١٨٥) اس حدیث کو مالک (١/ ٣٧٠) نے روایت کیا ہے اور امام مالک کے طریق سے اس کو بخاری ”الصلاة: باب إدخال البعير في المسجد“ اور ”الحج“ (٤٦٤، ١٦١٩) مسلم (٩/ ٢٠) ابو داود (١٨٨٢) نسائی (٥/ ٢٢٣) ابن خزیمہ (٢٧٧٦) بیہقی (٥/ ١٠١) اور احمد (٦/ ٢٩٠، ٣١٩) نے روایت کیا ہے۔

ایسے ہی کیا جبکہ نبی ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز میں سورۂ ﴿وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے۔‘‘

وقتِ طواف میں وُسعت:

بیت اللہ شریف کے طواف کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں بلکہ دن یا رات کے جس وقت بھی کوئی حرم شریف تک پہنچ جائے اسی وقت طواف کرسکتا ہے۔ جمہور اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ البتہ طواف کی دو رکعتوں کے بارے میں معمولی اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ نماز کے مکروہ اوقات میں وہ دو رکعتیں نہ پڑھی جائیں بلکہ کچھ تاخیر کر کے ادا کر لی جائیں جبکہ دوسروں کا کہنا ہے کہ جس طرح طواف کے لیے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے ایسے ہی وہ دو رکعتیں بھی ہر وقت پڑھی جاسکتیں ہیں۔ جمہور اہلِ علم کا یہی مسلک ہے اور امام ابن المنذر نے ابن عمر، ابن عباس، حسن، حسین، ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور طاؤس، عطا، قاسم بن محمد، عروہ، مجاہد، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور رحمہم اللہ کا یہی مسلک بیان کیا ہے۔ (الفتح الرباني: ١٢/ ٥٦، ٥٧)

ان کا استدلال سنن اربعہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد وبزار اور مستدرک حاکم میں مذکور اس حدیث سے ہے جس کے راوی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«يَا بَنِيْ عَبْدِ مُنَافٍ! لَا تَمْنَعَنَّ أَحَداً طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أَوْ صَلّٰى أَيَّ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ» [١٨٦]

---

[١٨٦] اس حدیث کو ابو داود (١٨٩٤) ترمذی (٨٦٨) نسائی (٢/ ٢٨٤، ٥/ ٢٢٣) ”المواقيت والحج“ ابن ماجہ (١٢٥٤) ”إقامة الصلاة“ دارمی (٢/ ٧٠) ابن خزیمہ (٢٧٤٧) دارقطنی (٢/ ٢٦٦) حاکم (١/ ٤٤٨) بیہقی (٢/ ٤٦١، ٥/ ١١٠) احمد (٤/ ٨٠، ٨١، ٨٢، ٨٣، ٨٤) ابو یعلی (٧٣٩٦، ٧٤١٥) اور حمیدی (٥٦١) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ ⑲⓪

''اے بنی عبد مناف! اس گھر کا طواف کرنے اور اس میں نماز پڑھنے والوں کو ہرگز مت روکو۔ وہ رات یا دن کے کسی بھی وقت آئیں۔''

استحاضہ، بواسیر اور سلسلِ ریح و بول والوں کا طواف:

طوافِ بیت اللہ کے لیے طہارت کا ہونا ضروری ہے لٰہذا حیض اور نفاس (چھوٹے بچے) والی عورتیں تو خونِ حیض ونفاس کے انقطاع اور غسل کے بغیر طواف نہ کریں جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ حیض سے پتہ چلتا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ البتہ استحاضہ، بواسیر، سلسل بول اور سلسل ریح کی بیماری والوں کے لیے طواف کرنا اور نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

استحاضہ عورتوں کی ایک بیماری ہے جس میں حیض ونفاس کے علاوہ باقی عام دنوں میں بھی انھیں خون آتا رہتا ہے۔ ایسی عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ حیض یا نفاس کے خاص دنوں کے بعد غسل کریں اور نمازیں وغیرہ تمام کام کریں۔ اس خونِ استحاضہ کے دوران تو وہ عورت اپنے شوہر کے لیے بھی حلال ہوتی ہے، وہ وظیفۂ زوجیت ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے نمازیں ادا کرنے کا ذکرِ جواز تو صحیح بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہے۔ [187]

[190] حدیث ہے، اس کو ترمذی ابن خزیمہ، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ بزار (۱۱۱۱) نے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر بزار نے کہا ہے کہ اس سند سے یہ روایت جبیر بن مطعم سے معروف ہے جابر سے نہیں۔ اسی طرح یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کو طبرانی نے ''الاوسط'' (۵۰۱) اور ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۲۷) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند سلیم بن مسلم الخشاب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[187] بخاری (۳۰۶) مسلم (۴/ ۱۶، ۱۷) وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: ''تخریج صلوٰۃ الرسول'' حدیث (۶۷)

استحاضہ والی ایک عورت کے طواف کے بارے میں موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں ایک واقعہ مذکور ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں غسل وطہارت اور کپڑا باندھ کر طواف کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اور فرمایا تھا:

((اِغْتَسِلِيْ ثُمَّ اسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تَطُوْفِيْ))(188)

''غسل کرو پھر (مقام مخصوص پر) کپڑا باندھو اور پھر طواف کرو۔''

اس فتویٰ کے پیشِ نظر بھی اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مستحاضہ عورت کا طواف صحیح ہے۔ (الفتح الرباني: ١٢/ ١٥)

استحاضہ پر قیاس کرتے ہوئے ہی سلسل بول (سلسل ریح اور بواسیر) والوں کا طواف بھی بالاتفاق صحیح ہے اور ایسے شخص پر کوئی فدیہ بھی نہیں۔ (فقه السنة: ١/ ٦٩٦)

بواسیر تو معروف ہے اور سلسل بول اس بیماری کو کہتے ہیں کہ جس میں مریض کو پیشاب اس طرح آتا ہے کہ اس کے قطرے گرتے ہی رہتے ہیں اور انھیں روکنے پر اسے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور یہی معاملہ سلسل ریح کا ہے کہ ایسے مریض کی ہوا خارج ہوتی رہتی ہے اور اسے روکنے سے وہ قاصر ہوتا ہے گویا ان سب مریضوں کا حکم مستحاضہ کا ہی ہے اور یہ بیماریاں ادائیگی حج میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔

اگر دورانِ طواف وسعی کوئی رکاوٹ آ جائے:

طواف کے دوران اگر کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے، جنازہ پڑھا جانے لگے یا پیاس وپیشاب جیسی کوئی بشری حاجت

(188) یہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حج کے لیے مدینہ منورہ سے روانگی سے لے کر آخر حج تک کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے اور اس طرح یہ مکمل حدیث حاتم بن اسماعیل عن جعفر بن محمد عن أبیہ عن جابر مروی ہے۔ اس کو مسلم (٨/ ١٧٠، ١٩٦) ابو داود (١٩٠٥) ابن ماجہ (٣٠٧٤) دارمی (٢/ ٤٥، ٤٩) ابن الجارود (٤٦٩) بیہقی (٥/ ٧، ٩) اور عبد بن حمید نے ''المنتخب من المسند'' (١١٣٥) میں روایت کیا ہے۔

لاحق ہو جائے یا وضوٹوٹ جائے تو طواف چھوڑ کر اس ضرورت کو پورا کرلیں یہ جائز ہے۔ پھر جہاں سے طواف چھوڑا تھا وہیں سے شروع کرکے اسے مکمل کرلیں اور یہی معاملہ صفا ومروہ کے مابین سعی کا بھی ہے۔ (المغني: ٣/ ٣٥٥، ٣٥٦، فقه السنة: ١/ ٦٩٨)

صحیح بخاری شریف میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے: "باب إذا وقف في الطواف" اس باب کے ترجمہ میں حضرت ابن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم اور امام عطا رحمہ اللہ کے آثار کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ امام عطا رحمہ اللہ کا تو پورا قول نقل کیا ہے جن سے مذکورہ امور کے لیے طواف کو منقطع کرنے اور پھر وہیں سے شروع کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔ (فتح الباري: ٣/ ٤٨٤)

چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مصنف عبدالرزاق میں اسی سے ملتا جلتا اثر موصولاً مروی ہے۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام عطا رحمہ اللہ سے کہا کہ وہ طواف جسے نماز کی وجہ سے مجھے درمیان میں ہی چھوڑنا پڑے اس پہلے حصے کو میں شمار کرلوں تو کیا میرا طواف ہو جائے گا؟ انھوں نے فرمایا: ہاں ہو جائے گا، اگرچہ مجھے زیادہ محبوب یہ ہے کہ پہلے حصہ کو شمار نہ کیا جائے۔ پھر میں نے پوچھا کہ سات چکر پورے کرنے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھ لوں؟ تو انھوں نے فرمایا چکر پورے کرو سوائے اس کے کہ تمھیں طواف سے روک دیا جائے۔ (١٨٩)

سنن سعید بن منصور میں امام عطاء رحمہ اللہ ہی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص طواف کررہا ہو اور نماز جنازہ پڑھی جانے لگے تو وہ جنازے میں شامل ہو جائے اور پھر طواف کا بقیہ حصہ پورا کرلے۔ (١٩٠)

صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں اشارتاً اور اس سے ملتا جلتا اثر سنن سعید بن

---

(١٨٩) انظر: البخاري و شرحه للحافظ (٣/٤٨٤ ومابعد) [مؤلف]

(١٩٠) انظر: البخاري و شرحه للحافظ (٣/٤٨٤) [مؤلف]

منصور میں موصولاً مروی ہے، جمیل بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہے تھے تو نماز کی اقامت ہوگئی۔ انھوں نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی اور پھر جہاں سے طواف چھوڑا تھا وہیں سے شروع کر کے اسے مکمل کرلیا۔

((فَصَلّٰى مَعَ الْقَوْمِ ثُمَّ قَامَ فَبَنٰى عَلٰى مَا مَضٰى مِنْ طَوَافِهِ)) (۱۹۱)

''انھوں نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی اور سابقہ طواف پر بنیاد رکھتے ہوئے اسے مکمل کر دیا۔''

اسی طرح بخاری شریف کے ترجمۃ الباب میں اشارتاً اور مصنف عبدالرزاق میں موصولاً مروی ہے، ابن جریج، امام عطاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے عمرو بن سعید کے امیرِ مکہ ہونے (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت) کے زمانے میں طواف کیا۔ عَمرو نماز کے لیے نکلے اور عبدالرحمٰن سے کہنے لگے کہ مجھے مہلت دیں تاکہ میں طواف کے کسی طاق چکر کو مکمل کر کے نکلوں پھر تین چکر مکمل کر کے نکلے (اور نماز پڑھی) پھر آئے اور بقیہ طواف پورا کیا۔ (۱۹۲)

ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو جہاں سے طواف (یا سعی) چھوڑے وہیں سے شروع کر کے مکمل کرے تو جائز ہے، شروع سے آغاز کرنا ضروری نہیں، ہاں اگر شروع سے آغاز کر کے طواف یا سعی کو مکمل کرتا ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے جیسا کہ امام عطا کے سابقہ قول سے معلوم ہوتا ہے۔

نمازِ طواف:

جب طواف کے سات شوط (چکر) مکمل ہو جائیں تو ''رمل و اضطباع'' میں

(۱۹۱) انظر: البخاري و شرحه للحافظ (۳/۴۸۴) [مؤلف]

(۱۹۲) انظر: البخاري و شرحه للحافظ (۳/۴۸۴) [مؤلف]

گزری تفصیل کے پیشِ نظر اب اپنے دائیں کندھے کو بھی ڈھانپ لیں اور بابِ کعبہ (بیت اللہ شریف کے دروازے) کے سامنے موجود مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف آجائیں اور وہاں آکر سورۂ بقرہ کے یہ الفاظ پڑھیں:

﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ١٢٥]

''اور مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔''

کیونکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی طویل حدیث میں ہے:

«فَطَافَ سَبْعاً، فَرَمَلَ ثَلَاثاً، وَمَشٰى أَرْبَعاً، ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَأَ: ﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾» (١٩٣)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چکروں پر مشتمل طواف کیا جن میں سے پہلے تین رمل چال سے اور چار عام چال سے پورے کیے، پھر مقامِ ابراہیم کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں یہ الفاظ پڑھے: ﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾۔''

پھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے سامنے اس طرح رکھیں کہ کعبہ شریف اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام ایک سیدھ میں آپ کے سامنے آجائیں اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے ہی اگلے الفاظ یہ ہیں:

(١٩٣) یہ حدیثِ جابر ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی مدینہ منورہ سے روانگی سے لے کر آخر حج تک کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔ یہ مکمل حدیث حاتم بن اسماعیل عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر مروی ہے اور اس کو مسلم (٨/ ١٧٠، ١٩٦) ابو داود (١٩٠٥) ابن ماجہ (٣٠٧٤) دارمی (٢/ ٤٥، ٤٩) ابن الجارود (٤٦٩) بیہقی (٥/ ٧، ٩) اور عبد بن حمید نے ''المنتخب من المسند'' (١١٣٥) میں روایت کیا ہے۔

((فَصَلَّىٰ رَكْعَتَيْنِ، فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ)) [194]

''(طواف مکمل کرنے کے بعد) آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں؛ یوں کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان کرلیا۔''

ان دو رکعتوں کا ذکر صحیح بخاری ومسلم اور سنن نسائی ومسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی موجود ہے؛ جس میں وہ فرماتے ہیں:

((فَرَكَعَ حِينَ قَضَىٰ طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ)) [195]

''جب آپ ﷺ نے طواف مکمل کرلیا تو آپ ﷺ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو رکعتیں پڑھیں۔''

کوشش تو یہی ہونی چاہیے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسی مسنون طریقہ سے دو رکعتیں پڑھی جائیں، اور اگر بھیڑ کی وجہ سے خصوصاً ایامِ حج میں وہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہوتو پھر پوری مسجدِ حرام میں جہاں بھی جگہ ملے یہ دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں اور مقامِ ابراہیم وخانۂ کعبہ کو ایک سیدھ میں اپنے سامنے رکھا جاسکتا ہے اور بھیڑ یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے مسجدِ حرام کی کسی بھی جگہ حتیٰ کہ مسجدِ حرام سے باہر بھی یہ دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں اور اگر بھول ہی جائیں تو ان کی یاد آنے پر قضا دی جاسکتی ہے۔ وہ چاہے حرم میں ہو یا خارج از حرم، جمہور کا مسلک یہی ہے اور امام ابن المنذر فرماتے ہیں کہ یہ فرضوں سے بڑھ کر تو نہیں جس طرح بھول جانے اور یاد آنے پر ان کی قضا ہے ویسے ہی ان کی بھی قضا کرلے اور اس پر کوئی فدیہ بھی نہیں۔

(فتح الباري: ٣/ ٤٨٧)

---

[194] دیکھیں نمبر (۱۹۳)

[195] بخاری (۱۶۲۷) مسلم (۸/ ۲۱۸، ۲۱۹) نسائی (۵/ ۲۲۵، ۲۳۷) ابن ماجہ (۲۹۵۹) اور دارمی (۲/ ۷۱)

ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون ﴿قُلْ يَآاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اوردوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھیں؛ کیونکہ مذکورہ بالا حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مذکور ہے:

«أَنَّهُ قَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ وَ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾» (۱۹۶)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان) دو رکعتوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ پڑھیں۔''

یہاں پہلے سورۂ کافرون کی بجائے سورۂ اخلاص کا ذکر ہے جبکہ قرآنِ کریم میں ان دونوں کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے سورۂ کافرون اور پھر سورۂ اخلاص ہے۔ نیز سنن نسائی وبیہقی میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں بھی پہلے ﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور پھر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنے کا ذکر ہے۔ (۱۹۷) اور یہی ترتیبِ قرآنی کے مطابق بھی ہے۔

ان دونوں رکعتوں سے فارغ ہو کر اپنے لیے اور اپنے عزیز و اقارب کے لیے دین و دنیا کی بھلائیوں کی دعائیں مانگیں۔

آبِ زم زم:

طواف کی دو رکعتوں اور دعاؤں سے فارغ ہوکر آبِ زم زم کے پاس اُس جگہ چلے جائیں جہاں بے شمار ٹوٹیوں کا انتظام کیا گیا ہے، وہاں سے جی بھر کر آبِ زمزم پئیں اور اپنے سر پر بھی ڈالیں کیونکہ یہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جیسا کہ مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱۹۶) دیکھیں نمبر (۱۹۳) میں۔

(۱۹۷) نسائی (۵/ ۲۳۶) بیہقی (۵/ ۹۱) اسی طرح ابن ماجہ (۳۰۷۴) میں بھی پہلے ﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ ہے۔

«ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى زَمْزَمَ فَشَرِبَ مِنْهَا، وَصَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ»(۱۹۸)

''پھر آپ ﷺ زم زم کی طرف چلے گئے، اسے پیا اور اپنے سرِ اقدس پر بھی ڈالا۔''

آبِ زم زم وہ پانی ہے جس کے متعلق سنن ابن ماجہ و بیہقی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ»(۱۹۹)

''آبِ زمزم ہر مرض و غرض کے لیے مفید ہے۔''

جبکہ صحیح مسلم اور مسند احمد و طیالسی میں ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

«اِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، وَهِيَ طَعَامُ طُعْمٍ وَّشِفَاءُ سُقْمٍ، خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ»(۲۰۰)

---

(۱۹۸) احمد (۳/۳۹۴) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۱/ ۲۴۱) میں اس کو جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں چہرہ پر بھی پانی ڈالنے کا ذکر ہے مگر وہ سند ضعیف ہے۔

(۱۹۹) یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے احمد (۳/ ۳۷۲،۳۵۷) ابن ابی شیبۃ (۳/ ۲۷۴) ازرقی (۱/ ۵۲) فاکہی (۲/ ۲۷) عقیلی (۲/ ۳۰۳) طبرانی نے ''الاوسط'' (۸۵۳) میں، ابن عدی (۴/ ۱۴۵۵) بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۱۴۸) اور ''شعب الایمان'' (۸/ ٦٧) میں، خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۳/ ۱۷۹، ۱۰/ ۱۶٦) میں اور ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' (۳۸/ ۳۴۱، ۳۴۳) میں روایت کیا ہے۔ بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۸/ ٦٦) میں اس کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے جیسا کہ سیوطی نے نقل کیا ہے، جبکہ سفیان بن عیینہ، منذری، دمیاطی اور البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: "الحاوی للفتاوی" للسیوطي (۱/۳۵۳) "تلخیص الحبیر" (۲/ ۲٦۹) اور ''ارواء الغلیل'' (۱۱۲۳).

(۲۰۰) یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی حدیث «اِنَّهَا مُبَارَكَةٌ وَهِيَ طَعَامُ طُعْمٍ وَّشِفَاءُ سُقْمٍ» ہے اور اس کو ابوذر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

....

(190)١۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج طیالسی (١/ ٢٠٣) فاکہی (٢/ ٢٩، ٣٠) بزار (١١٧١، ١١٧٢) اور طبرانی نے "المعجم الصغیر" (١/ ١٠٦) میں اور بیہقی (٥/ ١٤٧) نے کی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ منذری نے "الترغیب والترھیب" (٢/ ٢٠٩) میں اس کو بزار کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے، اسی طرح بیہقی نے بھی اس کو "شعب الإیمان" (٨/ ٧٠) میں صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث ''صحیح مسلم'' (١٦/ ٣٠) "الفضائل، باب فضائل أبي ذر"، مسند احمد (٥/ ١٧٥) اور "دلائل النبوۃ" لأبي نعیم (٢٠٩) میں بھی مروی ہے مگر ان میں ((وَشِفَاءُ سُقْمٍ)) کے الفاظ نہیں ہیں۔

طبرانی نے ''الاوسط'' (٦٠) میں اس کو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس طریق میں ((اِنَّهَا مُبَارَكَةٌ)) کے الفاظ بھی نہیں ہیں اور یہ طریق ضعیف بھی ہے۔

٢۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فاکہی (٢/ ٤١) اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (١١/ ٩٨) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اسی طرح فاکہی (٢/ ٤٥) نے اس حدیث کو سعید بن ابی ہلال سے بھی روایت کیا ہے مگر اس کی سند معضل ہے کیونکہ سعید بن ابی ہلال اتباع التابعین میں سے ہیں۔

دوسری حدیث ((خَيْرُ مَاءٍ عَلَى وَجْهِ الْاَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ)) کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

١۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (٢/ ٤١) میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (١١/ ٩٨) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (٣/ ٢٨٩) میں اس کو طبرانی کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ہیثمی کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ بعد میں میں نے "ترغیب و ترھیب" دیکھی اس میں منذری نے صراحت کی ہے کہ اس کو ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ٢/ ٢٠٩) میں نے "موارد الظمان" میں، اسی طرح صحیح ابن حبان (الإحسان، تحقیق کمال یوسف) میں بھی اس کو اس کے مظان میں تلاش کیا مگر مجھے نہیں ملی۔ واللہ أعلم (190)

''یہ مبارک پانی ہے۔ یہ بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفا بخش دوا ہے۔ روئے زمین کا سب سے بہتر و افضل پانی، آب زمزم ہے۔''

آب زم زم کی برکات کا اندازہ اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ تاریخ امام بخاری اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آبِ زمزم کے مشکیزے بھر بھر کر ساتھ لے جاتے تھے اور مریضوں کو پلاتے اور ان پر چھڑکا کرتے تھے۔ (۲۰۱)

جبکہ سنن بیہقی و مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہیل بن عَمرو کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ ہمیں آب زمزم کا ہدیہ بھیجتے رہو اور یہ سلسلہ ترک مت کرو۔ وہ دو دو مشکیزے بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ (۲۰۲)

---

(۱۹۰) ۲۔ حدیث ابو الطفیل کو فاکہی (۲/ ۴۰) اور ابن عدی (۱/ ۲۳۰) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند ابراہیم بن یزید مکی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

(۲۰۱) اس حدیث کو امام بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۳/ ۱۸۹) میں، ترمذی (۹۶۳)، فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۲/ ۴۹) میں، ابو یعلی (۴۹۸۳) حاکم (۱/ ۴۸۵) بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۲۰۲) اور ''شعب الایمان'' (۸/ ۶۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند خلاد بن یزید کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۲۰۲) یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو جابر، ابن عباس، ام معبد رضی اللہ عنہم اور اسی طرح ابن ابی حسین نے بھی روایت کیا ہے مگر ابن ابی حسین کی روایت مرسل ہے کیونکہ یہ تابعی ہیں۔

۱۔ حدیثِ جابر کو فاکہی نے ''اخبار مکہ'' (۲/ ۴۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند عبداللہ بن المؤمل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مگر بیہقی (۵/ ۲۰۲) میں ابراہیم بن طہمان نے اس کی متابعت کی ہے اور شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" (۸۸۳) میں اس سند کو جید کہا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۱/ ۲۰۱) میں اور بیہقی نے (۱۹۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول سلف صالحین بھی اپنے ساتھ آبِ زم زم لے جایا کرتے تھے۔ (بحواله مناسك الحج والعمرة، ص: ٤٣)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے آبِ زم زم کے فضائل وبرکات کے علاوہ اس کے مادی وطبی فوائد کا تذکرہ بھی بڑے عمدہ اور جامع انداز سے کیا ہے۔

(دیکھیے: زاد المعاد: ٤/ ٣٩٢، ٣٩٣، بتحقيق الارناؤوط)

سیرت وسننِ مصطفیٰ ﷺ کی جامع اس بےنظیر کتاب ''زادالمعاد'' کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے جسے نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کیا ہے اور پھر اس کے باب ''طبِ نبوی'' کا الگ سے ترجمہ الدار السّلفیہ بمبئی نے بھی بڑی عمدگی سے شائع کردیا ہے۔ الغرض آبِ زم زم خوب پیٹ بھر کر پینا چاہیے اور واپسی پر اپنے ساتھ بھی لانا چاہیے۔ یہ سنت وثواب اور ثابت ہے۔ آبِ زم زم پینے کے لیے بعض لوگ کھڑے

---

⑲⓪ روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

٣۔ حدیثِ ام معبد کو فاکہی (٢/ ٥٠) نے روایت کیا ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

٤۔ ابن ابی حسین کی مرسل روایت کو عبدالرزاق (٩١٢٧) ازرقی (٢/ ٥١) اور فاکہی (٢/ ٣٣) نے ابن جریج کے واسطے سے ان سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح سند ہے۔ ازرقی (٢/ ٥٠) اور فاکہی (٢/ ٤٨) نے اس کو ابراہیم بن نافع کے واسطے سے بھی ابن ابی حسین سے روایت کیا ہے اور یہ سند بھی صحیح ہے۔ پہلی موصول روایات کے ساتھ اس مرسل کو ملا لینے سے مذکورہ حدیث، صحیح حدیث ہے۔

تنبیہ: فاکہی کے ہاں ابراہیم بن نافع کی بجائے ''ابونعیم بن نافع'' ہے اور یہ کسی ناسخ کی غلطی سے ابراہیم کی بجائے ابونعیم ہوا ہے۔ ''اخبار مکۃ'' فاکہی کے محقق لکھتے ہیں کہ مجھے ابونعیم بن نافع کا ترجمہ نہیں ملا حالانکہ یہ ابونعیم بن نافع نہیں بلکہ ابراہیم بن نافع ہیں جیسا کہ ازرقی کی ''اخبار مکۃ'' میں ہے۔ ان کا ترجمہ ''تہذیب الکمال'' اور ''تہذیب التہذیب'' وغیرہ میں موجود ہے۔ یہ محقق اگر ازرقی کی ''اخبار مکۃ'' دیکھ لیتے تو عین ممکن تھا کہ وہ اس غلطی پر متنبہ ہوجاتے۔

ہونا ضروری یا اس کے آداب میں سے سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، یہ محض جائز تو ہے ضروری نہیں۔ (بخاري شريف باب ما جاء في زمزم، وفتح الباري: ٣/ ٤٩٢-٤٩٣)

زم زم میں کفن یا نقدی بھگونا:

بعض حُجاجِ کرام بلکہ اکثر لوگ برکت کی غرض سے کفن کے کپڑے تھانوں کے حساب سے بھگو کر لاتے ہیں اوران کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ زم زم میں تر کیے ہوئے کپڑوں میں مُردوں کو کفنانا باعثِ نجات ہے، حالانکہ یہ سراسر عبث اور لا اصل بات ہے۔ اگر عقائد واعمال درست نہیں تو یہ کفن بھی کسی کام نہیں آسکتا۔ نجات کا دارومدار اللہ کی نظرِ کرم اور پھر اعمالِ صالحہ پر ہے۔ کفن کو زم زم میں بھگو لینے، کفن پر کچھ لکھ دینے یا تعویذ گنڈوں سے یہ کام چل سکتا ہوتا تو پھر کسی کو عمل کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بے عملی کا تو پہلے ہی دور دورہ ہے۔ ایسے نظریات بے عملی پر مزید اکسانے کا سبب بنتے ہیں۔ اور پھر نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کسی سے بھی زم زم میں کپڑوں کو بھگونے اور نقدی سکوں کو ڈبونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

(السنن والمبتدعات، ص: ١١٣ بحواله حجة النبي ص: ١١٩)

سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم میں مذکور ایک ضعیف روایت (كما في إرواء الغليل ٤/ ٢٣٢، ٢٣٣) سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آبِ زم زم پیتے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَرِزْقاً وَاسِعاً وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ)) [٢٠٣]

''اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، وسیع رزق اور ہر قسم کی بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔''

---

[٢٠٣] دارقطنی (٢/ ٢٨٨) مستدرک حاکم (١/ ٤٧٢)

طواف کا اول وآخر...حجرِ اسود پر:

جب آبِ زم زم پی کر فارغ ہوجائیں تو ایک مرتبہ پھر حجرِ اسود پر چلے جائیں اورسابقہ تفصیل کے مطابق اسے بوسہ دیں، چھوئیں یا اشارہ کریں کیونکہ صحیح مسلم اور دیگر کتب میں مذکور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے:

((ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ اِلَى الصَّفَا))[٤٠٤]

''(نمازِ طواف کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حجرِ اسود کی طرف تشریف لے گئے اور اس کا استلام کیا اور پھر بابِ صفا کے راستے صفا کی طرف (سعی کے لیے) نکل گئے۔''

سعی کرنے کے لیے صفا ومروہ کی طرف جانے سے پہلے اورطواف ونمازِ طواف سے فارغ ہوکر پھر جب آپ حجرِ اسود کا استلام کریں گے تو اس طرح آپ کے طواف کا اول وآخر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح استلامِ حجرِ اسود پر ہی ہوگا۔

ایک باطل پروپیگنڈے کی تردید:

بعض ملحدین اورغیرمسلم یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا بھی تو ایک بت پرستی ہے۔ان کا یہ قول لغوِ محض اورسراسر باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بعثت ہی بت پرستی کو مٹانے کے لیے ہوئی تھی۔

(١) کسی چیز کومحض بوسہ دینا عبادت تو نہیں البتہ محبت کی علامت ضرور ہے، جیسے ماں باپ اپنی اولاد کواور شوہر اپنی بیوی کو بوسہ دے تو کیا یہ اولاد یا بیوی کی عبادت ہوئی؟ ہرگزنہیں۔تو پھر حجرِ اسود کو بوسہ دینا کس منطق سے عبادت و بت پرستی بن گیا؟

(٢) بات دراصل یہ ہے کہ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ

---

[٤٠٤] اس کی تخریج نمبر (١٩٣) میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔

نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر جب وہ حج کو جاتے ہیں تو اپنے خالق ومالک، ربِ کعبہ کی عظمت وجلال کے پیشِ نظر شریعت کے قاعدے کے مطابق فرطِ محبت سے اس گھر کے گرد چکر لگانے لگتے ہیں اور محبتِ الٰہی وحبِ رسول ﷺ کے نشے میں چُور ہوکر حجرِ اسود کو چومنے لگتے ہیں۔ اب بتایئے! کیا یہ حجر اسود کی عبادت اور پوجا ہے؟ نہیں بلکہ یہ تو ربِ کعبہ کے حکم سے عین ربِ لایزال ہی کی عبادت ہے۔

﴿۳﴾ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ جہاں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں؛ وہیں اس تمام پروپیگنڈے، جہلاء ومشرکین کے شکوک وشبہات اور ملحدین کے اوہام کی ظلمتوں میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں بشرطیکہ کوئی گوشِ ہوش تو ہو!!

صحیح بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے پہلے انہوں نے اس پر نظریں جما کر فرمایا:

«اِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ» [۲۰۵]

---

[۲۰۵] بخاری (۱۵۹۷، ۱۶۰۵، ۱۶۱۰) مسلم (۹/ ۱۵۔ ۱۷) اسی طرح ابو داود (۱۸۷۳) ترمذی (۸۶۰) نسائی (۵/ ۲۲۷) ابن ماجہ (۲۹۴۳) دارمی (۲/ ۵۲، ۵۳) ابن الجارود (۴۵۲) ابن خزیمۃ (۲۷۱۱) بیہقی (۵/ ۷۴، ۸۲، ۸۳) طیالسی (۱/ ۲۱۵، ۲۱۶) احمد (۱/ ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۲۶، ۳۴، ۳۵، ۴۶، ۵۱، ۵۳، ۵۴) اور ابو یعلی (۲۱۷، ۲۲۱) نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے: «اِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ» یہ کلمات ایک مرفوع حدیث میں بھی مذکور ہیں۔ حافظ ابوبکر المروزی نے "مسند أبي بكر الصديق" (۱۱۹) میں ایک نامعلوم صحابی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو حجرِ اسود پر کھڑے [190]

''میں اتنا خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، تو نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔''

غور فرمائیں کہ انھوں نے کتنے واضح الفاظ میں توحید کو نکھارا اور شرک کے دروازے بند کر دیے اور فرمایا کہ میں تو صرف اتّباعِ رسول ﷺ کر رہا ہوں، ورنہ مجھے تم سے کوئی مطلب نہ تھا۔

④ یہ اتّباعِ رسول ﷺ کے جذبے کا ہی تو کرشمہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک پتھر (حجرِ اسود) کو بوسہ دیا تو ہم بھی بوسہ دیتے ہیں اور آپ ﷺ نے دوسرے پتھر (جمرات) کو کنکر مارے تو ہم بھی انھیں کنکر ہی مارتے ہیں، یہ پتھر ہے تو وہ بھی پتھر ہے لیکن کبھی سنا ہے کہ کسی نے حجرِ اسود پر کنکر مارے ہوں یا جمرات کے ستونوں کو بوسہ دیا ہو؟!

محترم! یہ بت پرستی اور عبادتِ اوثان نہیں بلکہ اطاعتِ الٰہی اور اتّباعِ رسول ﷺ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

⑤ یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ مسلمان کعبہ شریف یا حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے کہتے کیا ہیں؟ بت پرستی کرنے والے تو اپنے بھگوانوں سے مرادیں مانگتے ہیں، ان سے پراتھنا کرتے ہیں جبکہ مسلمان، ''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' ہر ہر لفظ کے ساتھ صرف اللہ کی تقدیس وپاکی بیان کرتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ اگر مسلمان بھی کعبہ یا حجر اسود کی عبادت کرتے

---

⑲⓪ دیکھا اور آپ ﷺ نے یہ کلمات ((إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ)) کہے اور اس کے بعد اس کا بوسہ لیا اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو انھوں نے بھی یہی کلمات کہے، اس کے بعد اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ کا ذکر ہے مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ہوتے تو ساری نماز یا طواف میں کوئی تو ایسا لفظ ہوتا جس میں کعبہ کو مخاطب کر کے کہتے کہ اے کعبہ! تو ہماری مدد کر۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں جبکہ بت پرست اپنے معبودانِ باطلہ سے پراتھنا اور عجز و نیاز کرتے ہیں۔ تو گویا مسلم و مشرک ہر دو کے فعل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(نیز دیکھیے: حجِ مسنون، ص:۵۳۔۵۵، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی)

صفا ومروہ کے درمیان سعی

جب آپ طوافِ بیت اللہ، نمازِ طواف، آبِ زمزم پینے اور حجرِ اسود کا استلام کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بابِ صفا کے راستے مسجدِ حرام سے نکلیں۔ کیونکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور حدیث کے مطابق حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ اسی راستے سے نکل کر صفا پر گئے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ اِلَیٰ الصَّفَا))[۲۰۶]

''پھر نبی ﷺ بابِ صفا کے راستے نکل کر صفا کی طرف چلے گئے۔''

اس دروازے سے نکل کر جانے کی صورت میں آپ اپنے سامنے موجود صفا پر سیدھے اور بآسانی پہنچ جائیں گے۔ بابِ صفا سے نکلتے وقت مسجدِ حرام سے بایاں پاؤں نکالیں۔ یہ مسجدِ حرام اور عام مساجد سے نکلنے کے آداب میں سے ہے۔ صحیح مسلم، سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور یہ مسنون دعا کریں:

((بِسْمِ اللّٰهِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ، رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ))

''اللہ کے نام سے، صلوۃ وسلام ہو نبی ﷺ پر۔ اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے فضل وکرم کے دروازے کھول دے۔''

یا پھر اتنا کہہ لیں:

---

[۲۰۶] اس کی تخریج کے لیے نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

«اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ» ⁽²⁰⁷⁾

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔''

سعی کا طریقہ:

مذکورہ دعا کرتے ہوئے بابِ صفا سے نکلیں اور سیدھے صفا پر چلے جائیں۔ اس پہاڑی کے اوپر چلے جانا مسنون وافضل ہے۔یا پھر اس کے پاس کھڑے ہوکر صحیح مسلم اور دیگر کتب میں مذکور حدیث کے پیشِ نظر یہ قرآنی آیت پڑھیں:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ۱۵۸]

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔''

اور ساتھ ہی یہ کہیں: «أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ» ⁽²⁰⁸⁾

''میں وہیں سے سعی شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع فرمایا ہے۔''

اگر ممکن ہو تو صفا پر اتنا اوپر تک چڑھ جائیں کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگے۔ ویسے آج کل تعمیرِ جدید کی وجہ سے اس کے امکانات بہت کم ہوگئے ہیں۔ بہر حال اس پہاڑی کے بقیہ حصہ پر، جو تاحال ننگا رکھا گیا ہے، یا اس کے پاس نچلی جانب قبلہ رو کھڑے ہو جائیں اور صحیح مسلم ودیگر کتب میں مذکور معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی رو سے تین مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہیں اور تین مرتبہ یہ دعا کریں:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ،

---

(۲۰۷) یہ حدیث مسلم (۵/ ۲۲۴) ابو داود (۴۶۵) ابن ماجہ (۷۷۲) وغیرہ میں ابوحمید یا ابواسید (راوی کو شک ہے) سے مروی ہے جبکہ بسم اللہ کا ذکر حدیثِ انس وغیرہ میں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ''تخریج صلاۃ الرسول ﷺ'' (حدیث: ۲۴۱) دیکھیں۔

(۲۰۸) دیکھیں: نمبر (۱۹۳)

أَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَعَبْدَهٗ ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ)) (۲۰۹)

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اور ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے اس نے تمام سرکش جماعتوں کو شکست دی۔''

یہ ذکر و دعا تین مرتبہ کرنے کے بعد اپنے لیے اور اپنے عزیز واقارب کے لیے دین ودنیا کی بھلائیوں کی دعائیں کریں۔ اس کے بعد صفا سے نیچے کی طرف اترتے جائیں اور مروہ کی طرف چلنے لگیں اور سعی شروع کر دیں جس کے بارے میں مسند احمد، مستدرک حاکم، سنن دارقطنی اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِسْعَوْا، اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ)) (۲۱۰)

''سعی کرو کیونکہ اللہ نے تم پر یہ سعی فرض کی ہے۔''

---

(۲۰۹) دیکھیں نمبر (۱۹۳)

(۲۱۰) یہ حدیث حبیبہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اسے ابن خزیمہ، مزی، ابن عبدالہادی، ابن حجر اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: "ارواء الغلیل" (۱۰۷۲)

۱۔ حدیثِ حبیبہ کو (بعض طرق میں ان کا نام ''برۃ'' ہے اور بعض میں نام ذکر ہی نہیں ہوا) ابن سعد (۸/ ۲۴۷) احمد (۶/ ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۳۷) بحشل الواسطی نے ''تاریخ واسط'' (۱۵۷) میں، ابن خزیمۃ (۲۷۶۴) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲۴/ ۲۰۷، ۲۲۵، ۲۲۷، ۳۲۳) میں، ابن عدی (۴/ ۱۴۵۶) دارقطنی (۲/ ۲۵۵۔ ۲۵۶) بیہقی (۵/ ۹۷، ۹۸) بغوی (۱۹۲۱) ابونعیم نے "حلیۃ الأولیاء" (۹/ ۱۵۹) میں اور خطیب بغدادی نے ''الموضح'' (۲/ ۴۰۶) میں روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عباس کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۱/ ۱۸۴) میں روایت کیا ہے۔

لہٰذا معمول کے مطابق چلتے ہوئے ان ستونوں تک پہنچ جائیں جن پر سبز لائٹیں لگائی گئی ہیں اور ''سبز میل'' کے نام سے مشہور ہیں۔ وہاں سے باوقار طریقہ سے مردوں کے لیے دوڑنا ضروری ہے اور اسی دوڑنے کا نام ''سعی'' ہے جو کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب والی معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی رو سے مسنون ہے، کیونکہ اس میں مروی ہے:

«ثُمَّ نَزَلَ وَمَشَىٰ اِلَى الْمَرْوَةِ حَتَّىٰ انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِيْ، ثُمَّ سَعَىٰ، حَتَّىٰ اِذَا صَعِدَتَا مَشَىٰ حَتَّىٰ اَتَىٰ عَلَى الْمَرْوَةِ»[۲۱۱]

''پھر آپ ﷺ صفا سے اترے اور مروہ کی طرف چلنے لگے اور جب آپ ﷺ وادی کے درمیان پہنچ گئے تو وہاں سے دوڑے (سعی کی) یہاں تک کہ چڑھائی (مروہ کی) آگئی تو پھر معمول کے مطابق چلنے لگے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئے۔''

صفا ومروہ کی یہ ساری جگہ جو آج کل خوبصورت سنگِ مرمر سے فرش کی گئی ہے اور دونوں پہاڑیوں کی صرف تھوڑی تھوڑی چوٹیاں بطورِ نشانی باقی رکھی گئی ہیں، نبی ﷺ کے عہدِ مبارک اور بعد میں بھی مدتِ مدید تک کشادہ اور پتھریلی جگہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نسائی شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«لَا يُقْطَعُ الْاَبْطَحُ اِلَّا شَدّاً»[۲۱۲]

''اس پتھریلی وادی کو دوڑ کر ہی پار کرنا چاہیے۔''

دوڑتے ہوئے پھر جب مقامِ سعی کے دائیں بائیں سبز لائٹیں آجائیں تو پھر

---

[۲۱۱] دیکھیں: نمبر (۱۹۳)

[۲۱۲] نسائی (۵/ ۲۴۲) اسی طرح اسے ابن ابی شیبۃ (۴/ ۶۹) احمد (۶/ ۴۰۴، ۴۰۵) اور طبرانی نے بھی ''المعجم الکبیر'' (۲۵/ ۹۸) میں ایک نامعلوم صحابیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ طبرانی اور احمد کی ایک روایت میں ان کو ام ولد شیبہ کہا گیا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

وہاں سے معمول کی چال اختیار کرلیں اور چلتے ہوئے مروہ پہاڑی کی طرف آتے جائیں۔ صحیح مسلم والی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی رو سے مروہ کے بھی اوپر چڑھ جائیں اور یہاں بھی صفا کی طرح ہی قبلہ رو ہو جائیں، تکبیر وتوحید اور ذکر و دعا کریں اور خود اپنے اور عزیز و اقارب کے لیے دعائیں کریں کیونکہ مذکورہ حدیث میں ہے:

«فَفَعَلَ عَلَىٰ الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ علَىٰ الصَّفَا» (۲۱۳)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔''

سعی کا ایک چکر:

صفا پر چڑھ جانے اور وہاں سے اتر کر چلتے اور سعی کرتے ہوئے اور پھر چلتے ہوئے مروہ پر چڑھ جانے کا نام ایک شوط (چکر) ہے۔ پھر مروہ سے صفا کی طرف چلیں، معمول سے چلنے کی جگہ معمول سے چلیں، سبز میلوں یا لائٹوں کے درمیان دوڑیں اور آگے نکل کر پھر چلتے ہوئے صفا پر جا چڑھیں۔ یہ دوسرا چکر مکمل ہوگیا ہے۔ اسی طرح سات چکر مکمل کرنے ہیں اور ساتواں چکر ظاہر ہے کہ مروہ پر جا کر ختم ہوگا۔

عورتوں کی سعی:

عورتوں کے سعی کرنے کا طریقہ بھی مردوں کی طرح ہی ہے سوائے اس کے کہ مغنی ابن قدامہ (۳/۳۹۴) میں لکھا ہے کہ وہ دوڑنے کی جگہ پر بھی نہ دوڑیں بلکہ عورتوں کا طواف اور سعی سب چل کر ہی ہوتے ہیں۔ امام ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ۔ نیز عورتوں کے لیے اضطباع بھی نہیں کیونکہ رمل واضطباع میں بے پردگی کا خدشہ ہوتا ہے۔ امام نووی نے المجموع (۸/ ۷۵) میں لکھا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک دو قول ہیں: پہلی صورت جو جمہور کا قول ہے اور صحیح بھی کہ عورت صرف چلے، اور دوسری صورت یہ کہ اگر رات ہو جبکہ سعی کی جگہ خالی ہوتی ہے تو وہ بھی مردوں

---

(۲۱۳) دیکھیں: نمبر (۱۹۳)

کی طرح دوڑ کر سعی کرلے۔ شیخ البانی نے اسے ہی اقرب قرار دیا ہے، کیونکہ بخاری شریف، کتاب الانبیاء میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا واقعہ ہی اس سعی کا آغاز اورسببِ مشروعیت ہے اور انھوں نے اس جگہ پر دوڑ کر ہی ساتوں چکر لگائے تھے۔

(مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٧ مختصراً)

طواف اورسعی کے ایک چکر میں فرق:

طواف کا ایک شوط (چکر) تو حجرِ اسود سے شروع ہوکر حجرِ اسود تک پہنچنے پر مکمل ہوتا ہے مگر سعی کا ایک چکر صفا سے شروع ہوکر صفا تک آنے پر نہیں بلکہ مروہ تک پہنچنے پر ہی مکمل ہوجاتا ہے۔ جولوگ صفا سے لے کر صفا تک جانے کو ایک چکر سمجھتے اورشمار کرتے ہیں وہ صحیح نہیں، اس طرح تو چودہ چکربن جاتے ہیں جوکہ صحیح احادیث کے خلاف فعل ہے، جس کی علامہ ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں اور علمائے احناف سے سمرقندی نے "تحفة الفقهاء" میں تردید کی ہے اور چودہ چکروں والے قول کو ضعیف قراردیا ہے۔ بقول سمرقندی احناف کے نزدیک بھی صحیح قول یہی ہے کہ سعی صفا پر نہیں بلکہ مروہ پر ختم ہوگی اور یہی سنت کے مطابق بھی ہے۔

(دیکھیں: شرح مسلم للنووي: ٤/ ٨/ ١٧٨، الفتح الرباني: ١٢/ ٨٢، ٨٣، حجة النبي ﷺ، ص: ٦٠)

جبکہ صحیح مسلم میں مذکور حدیث بھی شاہد ہے کہ صفا سے مروہ تک جانے کو ایک چکر اور مروہ سے صفا تک جانے کو دوسرا چکر شمار کیا گیا ہے حتیٰ کہ بالآخر مروہ تک جانے پر سات چکر مکمل ہوجاتے ہیں۔ اگر صفا سے لے کر صفا تک جانے کو ہی ایک چکر شمار کیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ سعی کا اختتام مروہ پر نہیں بلکہ صفا پر ہونا چاہیے حالانکہ یہ نظریہ مذکورہ صحیح حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کے مناسکِ حج بیان کرنے والے معتبر ومعروف صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((حَتّٰی اِذَا کَانَ آخِرُ طَوَافِهٖ عَلَی الْمَرْوَةِ نَادٰی، وَهُوَ عَلَی الْمَرْوَةِ، وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ))[۲۱۴]

''حتیٰ کہ جب آپ ﷺ کا مروہ پر آخری چکر مکمل ہوا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا جبکہ آپ ﷺ مروہ کے اوپر تھے اور دوسرے لوگ نیچے دامن میں تھے۔''

طہارت:

صفا و مروہ کے مابین سعی کے لیے بھی افضل تو یہی ہے کہ آپ باوضو ہوں لیکن اگر کوئی شخص بلا وضو بھی سعی کر لے تو جائز ہے کیونکہ سعی کے لیے طہارت اور وضو شرط نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ حیض کا ذکر ہے؛ اس میں ان سے مخاطب ہو کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

((فَافْعَلِيْ مَا يَفْعلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰی تَطْهُرِيْ))[۲۱۵]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں عدمِ طہارت کی حالت میں صرف طوافِ بیت اللہ سے روکا ہے، سعی اور دوسرے مناسک کی ادائیگی سے منع نہیں فرمایا۔ اگر سعی کے لیے بھی طہارت شرط ہوتی تو آپ ﷺ طواف کے ساتھ سعی سے بھی منع فرما دیتے مگر ایسا نہیں ہوا۔

سنن سعید بن منصور میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما فرمایا کرتی تھیں کہ اگر عورت خانہ کعبہ کا طواف کر چکی ہو اور اس نے طواف کی دو رکعتیں بھی پڑھ لی ہوں اور پھر اسے حیض آجائے تو اسے صفا و مروہ کی سعی کر لینی چاہیے۔

(فقه السنة: ۱/ ۷۱۳)

---

[۲۱۴] ملاحظہ ہو: نمبر (۱۹۳)

[۲۱۵] اس کی تخریج نمبر (۱۵۳) میں گزر چکی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فتویٰ ہے جس کی سند کو حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی صحیح سند سے یہی مروی ہے اور خود امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔
(دیکھیں: فتح الباري: ۳/ ۵۰۳۔ ۵۰۵)

لیکن سعی بھی چونکہ ایک عبادت ہے اور اس میں ذکرِ الٰہی اور دعائیں کی جاتی ہیں لہٰذا اگر کوئی ایسی مجبوری نہ ہو تو باوضو ہو کر سعی کرنا ہی مستحب ہے۔
(المغني: ۳/ ۴۰۷)

پیدل اور سوار ہو کر سعی کرنا:

طواف کی طرح ہی افضل تو یہی ہے کہ سعی بھی پیدل چل کر کی جائے لیکن بیماروں، ضعیف العمر بوڑھوں، کمزوروں اور بچوں کو اٹھا کر یا سواری پر بٹھا کر بھی سعی کروائی جاسکتی ہے کیونکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہو کر طواف و سعی کرنے کا سبب ((لِيَرَاهُ النَّاسُ وَلِيَسْأَلُوهُ)) [۲۱۶] ذکر ہوا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل ''پیدل وسوار طواف'' کے عنوان سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری (۳/ ۴۹۰) کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ غرض صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود و نسائی اور بیہقی کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کسی تکلیف کی وجہ سے سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت بخشی تھی۔ [۲۱۷] اسی پر قیاس کرتے ہوئے صفا ومروہ کے مابین سعی بھی سوار ہو کر کی جاسکتی ہے جبکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ایک حدیث ہے جس میں کسی معقول عذر کی بنا پر سوار ہو کر سعی کرنے کے جواز کی دلیل موجود ہے۔ [۲۱۸]

---

[۲۱۶] اس کی تخریج نمبر (۱۸۴) میں دیکھیں۔
[۲۱۷] اس حدیث کی تخریج نمبر (۱۸۵) میں گزر چکی ہے۔
[۲۱۸] مسلم (۹/ ۱۰، ۱۱) ابو داود (۱۸۸۵) بیہقی (۵/ ۱۰۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صفا ومروہ کے مابین سوار ہوکر سعی کرنا جائز تو ہے لیکن چل کر سعی کرنا افضل ہے۔ امام ابن المنذر فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اورامام احمد واسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک بلا عذر سواری پر بیٹھ کر سعی کرنا مکروہ ہے۔
(دیکھیں: الفتح الرباني وشرحه: ١٢/ ١٤، ٨٥)

سعی کی دعائیں:

جس طرح طواف کے سات چکروں کے لیے لوگوں نے الگ الگ دعائیں مقرر کی ہیں؛ ایسے ہی صفا ومروہ کے مابین سعی کے لیے بھی کیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ سعی کے وقت بھی وہی چند اذکار اور دعائیں ثابت ہیں جو ہم ''طریقۂ سعی'' کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔ لہٰذا حجاج کو چاہیے کہ سعی کے دوران بھی خودساختہ اور خود مقرر کردہ دعائیں کرنے کی بجائے صرف قرآن وسنت سے ثابت شدہ دعاؤں پر اکتفا کریں اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً دو صحیح سندوں سے (كما في مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٨) ثابت ہے کہ وہ صفا ومروہ کی سعی کے دوران یہ دعا کیا کرتے تھے:

((رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ)) [٢١٩]

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو غالب اور صاحبِ کرم ہے۔''

لہٰذا سلف صالحین کا فعل سمجھ کر یہ دعا کی جاسکتی ہے۔ یہی دعا طبرانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب ہے مگر اس روایت کی سند کو علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے

[٢١٩] عبداللہ بن مسعود کے اثر کو ابن ابی شیبہ (٤/ ٦٨۔٦٠، ١٠/ ٣٧١) طبرانی نے ''الدعاء'' (٨٧٠) میں اور بیہقی (٥/ ٩٥) نے مسروق کے واسطے سے ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ طبرانی نے ''الاوسط'' میں جیسا کہ مجمع الزوائد (٣/ ٢٥١) میں ہے، اور ''الدعاء'' (٨٦٩) میں اس کو دوسری سند سے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے مگر یہ سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مجمع الزوائد (۳/ ۲۵۱ طبع مؤسسة المعارف، بیروت) میں ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ان کے اس فیصلے کو مناسک الحج والعمرۃ (ص: ۲۸) میں برقرار رکھا ہے۔

سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا:

جب مروہ پر پہنچ کر سعی کے سات چکر مکمل کرلیں تو حجِ تمتّع کرنے والے اپنے سر کے کچھ بال کٹوالیں اور اگر حج وعمرہ کے درمیان کافی وقفہ ہو اور بال بڑھ کر دوبارہ کچھ لمبے ہوسکتے ہوں تو سارا سر منڈوالیں لیکن عورتیں اپنی چوٹی کے بال پکڑ کر صرف انگلی کے ایک پَورے کے برابر کاٹ لیں۔ ان کے لیے یہی کافی ہے اور اس پر اجماع ہے۔ ان کا سر منڈوانا بعض علماء کے نزدیک ناجائز اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

(فتح الباري: ۳/ ٥٦١۔ ٥٦٧، التحقيق و الايضاح، ص: ۳۳ مناسك الحج والعمرة ص: ۲۸)

اس کے ساتھ ہی عمرہ مکمل ہوگیا، اپنا احرام کھول دیں، معمول کا لباس پہنیں، خوشبو استعمال کریں، حسبِ معمول زندگی کے ایام بسر کریں، مصروفِ عبادت رہیں اور کوشش کر کے حرم شریف میں باجماعت نمازیں ادا کریں۔

حجِ قِران کی نیت فسخ کرنا:

جو حُجاج قربانی کا جانور ساتھ لائے ہوں اور حجِ قِران کررہے ہوں وہ صفا ومروہ کے مابین سعی کرنے کے باوجود احرام نہیں کھولیں گے بلکہ انھیں یومِ نحر اور قربانی کے دن ۱۰/ ذوالحج تک احرام میں ہی رہنا ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم، سنن ابو داود و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

« خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ،

وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحِلَّ، وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَىٰ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لا يَحِلُّ حَتَّىٰ يَحِلَّ مِنْهُمَا، (وفي رواية:) فَلَا يَحِلَّ حتَّىٰ يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ ......)) (۲۲۰)

''ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہم (صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے کسی نے عمرے (حجِ تمتّع) کے لیے احرام باندھا اورکسی نے حجِ مفرد کے لیے۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے عمرے کا احرام باندھا اورقربانی ساتھ نہیں لایا وہ (عمرہ کر کے) احرام اتار دے اورجس نے احرام تو عمرے کا باندھا مگر قربانی ساتھ لایا وہ حج وعمرہ دونوں (حجِ قِران) کی نیت کر لے اور(عمرہ کرنے کے باوجود) حج مکمل کر لینے تک احرام نہ اتارے۔'' (اور ایک روایت میں ہے:) ''قربانی کا جانور ذبح کرنے تک احرام نہ اتارے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((... فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدَىٰ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدَىٰ فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّىٰ يَقْضِيَ حَجَّهٗ، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدَىٰ فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا والْمَرْوَةِ، وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ...)) (۲۲۱)

''(حجۃ الوداع کے موقع پر) نبی ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے بعض اپنے ساتھ قربانی کے جانور لائے تھے اوربعض نہیں لائے تھے۔

(۲۲۰) بخاری (۱۵۵٦) مسلم (۸/ ۱۴۱) بیہقی (۸/ ۳۴٦ـ ۳۴۷) اور احمد (٦/ ۱۱۹، ۲۴۳)

(۲۲۱) بخاری (۱٦۹۱) مسلم (۸/ ۲۰۹) ابو داود (۱۸۰۵) اور بیہقی (۵/ ۱۷، ۲۳)

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''تم میں سے جو شخص قربانی ساتھ لایا ہے وہ تمام مناسکِ حج پورے کرنے تک احرام میں رہے اور جو کوئی قربانی نہیں لایا (تمتّع کر رہا ہے) وہ بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا ومروہ کے مابین سعی کر کے بال کٹوائے اور احرام کھول دے۔''

اور اگر کوئی شخص قربانی تو ساتھ نہ لایا ہو مگر اس نے ''حجِ قِران'' کی نیت کر لی ہو تو اسے چاہیے کہ یہ نیت فسخ کر لے اور عمرہ مکمل ہوتے ہی احرام کھول دے کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوکر مروہ پر کھڑے ہوکر فرمایا تھا:

«لَو اَنِّي اِستَقبَلْتُ مِنْ اَمرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ، وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً ...»(۲۲۲)

''جو بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہوتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور صرف عمرے کا احرام ہی باندھتا۔ تم میں سے جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں وہ احرام کھول دے اور اسے عمرے کا احرام بنالے۔''

ایک دوسری روایت جو کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُكُمْ، وَاَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيٌ لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ، وَلَوْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ فَحُلُّوْا، فَحَلَلْنَا، فَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا»(۲۲۳)

(۲۲۲) اس حدیث کی تخریج نمبر (۱۹۳) میں ملاحظہ کریں۔
(۲۲۳) اس کی تخریج کے لیے نمبر (۷۵) ملاحظہ کریں۔

''تمھیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ صادق و نیکی کرنے والا ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں احرام کھول دیتا۔ اور جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے وہ پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا، پس تم احرام کھول دو، تو ہم نے احرام کھول دیے اور سمع وطاعت کی۔''

صحیح مسلم اور مسند احمد میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو مشورہ سمجھنے کی بنا پر نہ اپنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

«قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَرْبَعٍ مَضَیْنَ مِنْ ذِيْ الْحِجَّةِ اَوْ خَمْسٍ، فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ، فَقُلْتُ: مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ، قَالَ: اَوَ مَا شَعَرْتِ أَنِّيْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ، وَلَوْ اَنِّيْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ مَعِيْ حَتّٰى أَشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلُّ كَمَا حَلُّوْا» (۴۴۳)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار یا پانچ ذوالحج کو مکہ مکرمہ پہنچے اور (طواف وسعی کے بعد) میرے پاس تشریف لائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے غصہ میں تھے۔ میں نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے ناراض کیا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ؟! اللہ اسے آگ میں داخل کرے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا ہے جس کی تعمیل کرنے میں وہ تردد کررہے ہیں۔ جو بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہوتی تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا بلکہ یہاں آ کر خریدتا اور ان لوگوں کی طرح (عمرہ کر کے) احرام کھول دیتا۔''

(۴۴۳) اس کی تخریج کے لیے نمبر (۷۶) دیکھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیثِ مسلم میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ حجِ قِران کی نیت فسخ کر کے اسے صرف عمرہ (حجِ تمتُّع) کی نیت سے بدل لو کہ اب عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے تو حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوچھا:

«اَلِعَامِنَا هَذَا اَمُ لِلْأَبَدِ؟»

''کیا یہ حکم صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟''

تو آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا اور فرمایا:

«دَخَلَتِ الْعُمُرَةُ فِي الْحَجِّ، مَرَّتَيْنِ، لَا بَلُ لِلْاَبَدِ»[۲۲۵]

''عمرہ، حج میں داخل ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا، اس سال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے مگر انہوں نے حجِ قِران کی نیت کر رکھی تھی، انھیں یہ حکم فرمایا کہ وہ اپنی اس نیت کو فسخ کر کے حجِ تمتُّع کی نیت کر لیں اور عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ نبی ﷺ کا یہ حکم حضرت عائشہ و عبداللہ بن عمر سمیت چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مختلف احادیث میں نقل فرمایا ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور تمام وارد اعتراضات کے مُسکت جوابات بھی دیے ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: زاد المعاد: ۲/ ۱۷۸، ۲۲۳)

خواتین کے لیے حکم:

اگر کسی عورت نے عمرے کا احرام باندھا مگر طوافِ بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی سے پہلے ہی اسے حیض آ گیا یا زچگی ہوگئی اور نفاس کا خون جاری ہوگیا تو وہ

---

[۲۲۵] اس کی تخریج کے لیے نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

طواف وسعی نہ کرے اور جب وہ پاک ہوجائے تو طواف وسعی کرکے سر کے بال پَورے برابر کاٹ لے اوراحرام کھول دے، اس کا عمرہ مکمل ہوگیا۔ اور اگر کسی وجہ سے یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) تک بھی پاک نہ ہو تو وہ دوسرے حجاج کے ساتھ ہی (حج کا احرام باندھ کر) منیٰ چلی جائے بلکہ احرام تو وہ پہلے سے ہی باندھے ہوئے ہے، اب اسے عمرہ کی بجائے حج کے احرام سے بدل لے جو کہ محض نیت کرنے سے ہی ہوجائے گا۔ اس طرح اس کا ''حجِ قِران'' بن جائے گا۔ پھر وہ منیٰ وعرفات اورمزدلفہ کے تمام مناسکِ حج پورے کرے اور ایامِ تشریق کی رمی بھی کرے۔ پھر یومِ نحر وقربانی (۱۰/ ذی الحج) کو جب وہ جمرۂ عقبہ پر رمی کر لے اورقربانی کر کے اپنے سر کے بال پَورے برابر کاٹ لے تو اس پر بھی دوسری عام عورتوں کی طرح شوہر کے سوا ہر چیز حلال ہوجائے گی اور پھر جب (پاک ہوکر) طواف وسعی بھی کرلے گی تو اس کا حج وعمرہ دونوں مکمل ہوجائیں گے اوراس کے لیے بھی ہر چیز حلال ہوجائے گی۔

(التحقيق والإيضاح، ص: ٣٤)

ایسی عورت اور حجِ قِران کرنے والے ہر شخص کے لیے صحیح بخاری ومسلم میں مذکور حدیث کے مطابق صرف ایک طواف اورایک سعی ہی حج وعمرہ دونوں کے لیے کافی ہے کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافاً بَعْدَ أَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنىٰ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافاً وَاحِداً » (۳۲۶)

''وہ لوگ جنھوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ انھوں نے بیت اللہ کا

(۳۲۶) بخاری (۱۵۵۶، ۱۶۳۸) مسلم (۸/ ۱۴۰) اسی طرح اس کو ابو داود (۱۷۸۱) ابن الجارود (۴۵۸) ابن خزیمۃ (۲۷۴۴) بیہقی (۴/ ۳۴۷، ۵/ ۱۰۵) اور امام مالک (۴۱۰-۴۱۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

طواف اور صفا ومروہ کی سعی کی اور احرام کھول دیا۔ پھر جب (ایامِ تشریق کی رمی کر کے) منیٰ سے لوٹے تو طواف (وسعی) کر کے فارغ ہو گئے اور جنھوں نے حج وعمرہ کو جمع کیا (حجِ قِران کیا) انھوں نے صرف ایک ہی طواف کیا (اور سعی کی)۔''

حجِ قِران والوں کے لیے ایک ہی طواف وسعی کفایت کر جاتے ہیں لیکن اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح بعد میں اطمینانِ قلب کے لیے تنعیم سے عمرہ بھی کر لیتا ہے تو اس کے لیے مثال موجود ہے جیسا کہ اس آخر الذکر حدیث میں مذکور ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم پر جا کر عمرے کا احرام باندھا اور عمرہ کیا تھا۔ (۲۲۷)

مگر یہ گنجائش صرف ایسی صورت سے دو چار لوگوں کے لیے ہی ہو سکتی ہے جو عمرے کا طواف اور سعی الگ سے نہ کر سکے ہوں۔ اس لیے عام لوگوں نے جو یہ عادت بنالی ہے کہ وہ اپنے اعزاء واقارب کی طرف سے عمرے ہی کیے جاتے ہیں۔ یہ سلف صالحین سے ثابت نہیں جیسا کہ ''چھوٹا عمرہ بڑا عمرہ'' کے عنوان کے تحت ہم ذکر کر آئے ہیں اور یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاطر داری کے لیے تھا۔ (نیز دیکھیں: زاد المعاد: ۲/ ۱۷۰)

قارئین کرام! یہاں تک عمرے کے احکام ومسائل اور طریقہ ختم ہوا، اب آگے حج کا ذکر آئے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰه

(۲۲۷) دیکھیں: نمبر (۲۲۶)۔ اسی طرح نمبر (٦٦) ملاحظہ کریں۔

طریقۂ حج
اور
احکام و مسائل

جب عمرے سے فارغ ہو جائیں تو ۷؍ ذوالحج تک مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران ہرممکن حد تک کوشش کریں کہ نمازِ پنجگانہ مسجدِ حرام میں باجماعت ادا کریں، کیونکہ ایک حدیث شریف کی رو سے مسجدِ حرام میں پڑھی گئی ایک نماز کا ثواب دیگر مساجد کی بہ نسبت ایک لاکھ گُنا زیادہ ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

«صَلٰوۃٌ فِيْ مَسْجِدِيْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلٰوۃٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مَائَةِ أَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ» (۲۲۸)

''میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں ایک نماز دوسری عام مساجد سے ایک ہزار گُنا افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری عام مساجد سے ایک لاکھ گُنا زیادہ ہے۔''

جبکہ صحیح بخاری ومسلم میں مذکور حدیث کی رو سے عام مساجد میں باجماعت نماز

(۲۲۸) اس حدیث کو احمد (۳/۳۴۳) ابن ماجہ (۱۴۰۶) اسی طرح طحاوی نے ''الآثار'' (۱/ ۲۴۶) اور ابن عبدالبر نے ''التمہید'' (۶/ ۲۷) میں روایت کیا ہے۔ اس سلسلے کی دوسری احادیث کے لیے ''تخریج صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' (نمبر: ۲۳۱) دیکھیں۔

ادا کرنے کا ثواب اکیلے نماز ادا کرنے سے ستائیس گُنا زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَلوٰةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلوٰةِ الْفَذِّ بِسبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً» (۲۲۹)

''باجماعت نماز، اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گُنا افضل ہے۔''

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کوئی نماز جو ایک تو مسجد حرام میں ہو اوردوسرا باجماعت بھی ہو تو کیا ایسی ایک نماز کا ثواب ہماری ان عام مساجد میں ادا کی گئی نمازوں سے ستائیس لاکھ گُنا زیادہ نہ ہوجائے گا؟ سُبْحَانَ اللّٰه.

۸/ ذوالحج، یومِ ترویہ:

جو لوگ حجِ تمتُّع کررہے ہوں اورعمرہ کرنے کے بعد احرام کھول چکے ہوں وہ ۸/ ذوالحج (یومِ ترویہ) کو اپنی قیام گاہ پر غسل کریں۔ مرد حجاج دستیاب شدہ عمدہ خوشبو لگائیں اور اپنی قیام گاہ ہی سے حج کا احرام باندھ لیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے ہی کیا تھا اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ صحیح بخاری ومسلم اورمسند احمد وبیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے طواف وسعی کے بعد مکہ مکرمہ کی مشرقی جانب ایک مقام وادی بطحاء میں قیام فرمایا اور ۸/ ذوالحج (یومِ ترویہ) کو بطحاء ہی سے تلبیۂ حج کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے تھے:

«تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنٰى فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ مِنَ الْبَطْحَآءِ» (۲۳۰)

---

(۲۲۹) اس حدیث کو بخاری (۶۴۵) مسلم (۵/ ۱۵۲) ترمذی (۲۱۵) نسائی (۲/ ۱۰۳) اور ابن ماجہ (۷۸۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مزید تخریج کے لیے ''تخریج صلوٰة الرسول ﷺ'' (حدیث: ۴۴۲۔ دوسرا ایڈیشن) دیکھیں۔

(۲۳۰) بخاری (۳/ ۵۰۶، فتح الباری) میں یہ حدیث تعلیقاً ہے، جبکہ مسلم (۸/ ۱۶۲) ابن خزیمة (۲۷۹۴) بیہقی (۴/ ۳۵۶) اور احمد (۳/ ۳۱۸، ۳۷۸) نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔

''وہ بطحاء سے تلبیۂ حج کہتے ہوئے منیٰ کو روانہ ہو گئے۔''

احرام باندھ کر ﴿ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ بِالْحَجِّ ﴾ کہیں اور تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔ بعض لوگ اپنی اقامت گاہ سے غسل کر کے حرم شریف چلے جاتے ہیں اور میزابِ رحمت کے پاس سے تلبیۂ حج کہتے اور احرام کے حکم میں داخل ہوتے ہیں اور پھر طواف کر کے منیٰ کو روانہ ہوتے ہیں اور پھر اسے ہی ''طوافِ افاضہ'' بھی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ سراسر خلافِ سنت فعل ہے۔ (التحقيق والإيضاح، ص: ٣٥) کیونکہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی قیام گاہ سے تلبیۂ حج کہتے ہوئے سیدھے منیٰ کا ہی رخ کیا تھا۔ طواف کرنے کے لیے حرم شریف نہیں آئے تھے۔

۸ ذوالحج (یومِ ترویہ) کو نمازِ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن کی نمازِ فجر منیٰ ہی میں جا کر ادا کرنا سنت ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

﴿ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ، تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى فَأَهَلُّوْا بِالْحَجِّ، وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ﴾[231]

''یومِ ترویہ کو حج کا تلبیہ کہتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور نبی ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر گئے اور آپ ﷺ نے ظہر و عصر، مغرب و عشاء اور فجر کی نمازیں وہیں ادا فرمائیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ رات منیٰ میں جا کر گزارنا ہی سنت ہے اور نمازِ ظہر کے لیے وہاں پہنچنا مسنون عمل ہے۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو رات کو بھی منیٰ پہنچنا جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ بھی نہیں۔ (المغني: ٣/ ٣٦٣، نيل الأوطار: ٣/ ٥/ ٦٤)

---

[231] اس کی تخریج نمبر (۱۹۳) میں دیکھیں۔

بلکہ اگر مجبوری کی بنا پر منیٰ پہنچ ہی نہیں سکا تو اگلے دن علی الصبح سیدھا عرفات ہی چلا جائے تو بھی اس کا حج مکمل ہے۔ امام ابن المنذر نے منیٰ میں یہ رات نہ گزار سکنے پر کوئی فدیہ نہ ہونے پر اجماع ذکر کیا ہے۔ (النيل: ۳/۵/ ٥٦، و الفتح الرباني: ١٢/ ١١٣)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سنت تو یہ ہے کہ مذکورہ پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھے اور یہ رات بھی وہیں گزارے۔ یہ رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے، رکن یا واجب نہیں، لہٰذا اگر کسی سے یہ سنت چھوٹ جائے تو اس پر کوئی دم (فدیہ) بھی نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔ (شرح مسلم للنووي: ٤/ ١٧٤)

منیٰ میں نمازِ ظہر و عصر اور عشاء قصر کر کے (دوگانہ) پڑھی جائیں۔ اس میں مکی و غیر مکی یا مقامی و آفاقی حجاج میں کوئی فرق نہیں۔ (التحقيق والإيضاح، ص: ٢٧)

پاک وہند کے حجاج ایک روایت کا سہارا لے کر تمام نمازیں پوری ہی پڑھتے ہیں حالانکہ یہ خلافِ سنت ہے کیونکہ کبار محققین نے ثابت کیا ہے کہ وہ روایت حج کے موقع سے تعلق ہی نہیں رکھتی بلکہ اس کا تعلق تو فتح مکہ کے دن سے ہے۔ حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں قصر کر کے پڑھیں اور کسی کو مکمل کرنے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔

(زاد المعاد: ١/ ٤٦١، ٤٦٢ ـ التحقيق والإيضاح، ص: ٣٥)

۸/ ذوالحج کے دن اور اگلی رات تلبیہ، تکبیر اور ذکرِ الٰہی کی کثرت رکھیں۔

۹/ ذوالحج، یومِ عرفہ یا یومِ حج:

۹/ ذوالحج کو ''یومِ عرفہ'' اور ''یومِ حج'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس دن نمازِ فجر منیٰ میں ادا کر کے کچھ دیر ذکرِ الٰہی میں گزاریں اور جب سورج طلوع ہو جائے تو منیٰ سے عرفات کو تلبیہ اور تکبیریں کہتے ہوئے روانہ ہو جائیں، کیونکہ صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں مذکورہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر ثقفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّهٗ سَأَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنَىٰ اِلَى عَرَفَةَ، كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِيْ هَذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ» (۲۳۲)

''انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس وقت پوچھا جبکہ وہ صبح کے وقت عرفات کی طرف جارہے تھے کہ اس دن تم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ کس طرح سے جایا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی تلبیہ وتہلیل ''لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہتا اوراسے اس سے روکا نہ جاتا اور کوئی تکبیر کہتا تو اسے بھی روکا نہیں جاتا تھا۔''

روانگی کا وقت:

منیٰ سے عرفات کی طرف کس وقت روانہ ہونا چاہیے؟ اس کا کافی حد تک اندازہ تو مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ «وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنَىٰ اِلَى عَرَفَةَ» سے بھی ہوجاتا ہے کہ صبح کے وقت جب وہ منیٰ سے عرفات کو نکلے تو مذکورہ سوال کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس سفر میں کیے جانے والے ذکر کے بارے میں سوال ہے، لہٰذا یہ آغازِ سفر میں ہی کیا گیا ہوگا اور آغازِ سفر صبح (دن چڑھے) معلوم ہورہا ہے۔ ویسے اس کی صراحت ایک دوسری حدیث میں آئی ہے کہ نبی ﷺ نے پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں، رات بھی منیٰ میں رہے اور طلوعِ آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کو چلے۔ چنانچہ صحیح مسلم اوردوسری کتبِ حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

(۲۳۲) اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۳۷) بخاری (۱۶۵۹) مسلم (۹/ ۳۰) نسائی (۵/ ۲۵۰) ابن ماجہ (۳۰۰۸) دارمی (۲/ ۵۶) بیہقی (۵/ ۱۱۲) اور احمد (۳/ ۱۱۰، ۱۴۷، ۲۴۰) نے روایت کیا ہے۔

((فَصَلّٰی بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ، ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلاً حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ، فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ)) ۲۳۳

''آپ ﷺ نے (منیٰ میں) ظہر وعصر، مغرب وعشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں، فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے اور وادیٔ نمرہ میں بالوں کا خیمہ لگانے کا حکم فرمایا اور طلوعِ آفتاب کے بعد نبی ﷺ منیٰ سے روانہ ہوئے۔''

اس حدیث شریف میں روانگی کا مسنون وقت واضح ہے، جبکہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ معلّم اور ان کے ایجنٹ حاجیوں کو آدھی رات کے وقت ہی منیٰ سے میدانِ عرفات پہنچانا شروع کر دیتے ہیں جو کہ خلافِ سنت فعل ہے۔ لہٰذا حجاج کو ان کے اصرار کے باوجود طلوعِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے روانہ نہیں ہونا چاہیے۔

وادی نَمِرہ میں:

مسنون یہ ہے کہ منیٰ سے وادی نمرہ جایا جائے۔ یہ وہ وادی ہے جس میں نبی ﷺ کے حکم پر آپ ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ زوالِ آفتاب تک اسی وادی میں رہا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا؛ جیسا کہ مذکورہ سابقہ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ جبکہ اسی حدیث میں ہے:

((فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ)) ۲۳۴

''آپ ﷺ نے نمرہ میں قبہ یا خیمہ لگا ہوا پایا اور اس میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج سر سے ڈھل گیا۔''

---

۲۳۳ اس کی تخریج نمبر (۱۹۳) میں ملاحظہ کریں۔

۲۳۴ نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

وادیٔ عُرنہ میں:

زوالِ آفتاب کے بعد وادیٔ نمرہ کے ساتھ ہی آگے وادیٔ عُرنہ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے (جہاں آج کل مسجدِ نمرہ بنائی گئی ہے) وہاں آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہلوا کر ایک اقامت سے ظہر اور پھر دوسری اقامت سے عصر کی نمازیں قصر وجمع کر کے پڑھیں، جیسا کہ معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے:

«اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِّلَتْ لَهٗ، فَأَتَىٰ بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ... ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلّٰى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلّٰى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئاً» (۲۳۵)

''جب سورج سر سے ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء پر کاٹھی ڈالنے کا حکم فرمایا اور اس پر (سوار ہوکر) وادیٔ (عُرنہ) میں تشریف لائے اور لوگوں کو خطبہ دیا ......پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور پھر ایک اقامت سے آپ ﷺ نے نمازِ ظہر اور دوسری اقامت سے نماز عصر پڑھائی اور ان کے مابین کچھ (نفل وسنت) نہ پڑھا۔''

یہاں ایک اذان اور دو اقامتوں سے آپ ﷺ نے ظہر وعصر ادا کیں۔ ان نمازوں میں اہلِ مکہ بھی شامل تھے مگر آپ ﷺ نے کسی کو نماز مکمل کرنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ سبھی نے قصر نمازیں ادا کیں۔ (زاد المعاد: ١/ ٤٦١، ٤٦٢)

آج کل حُجاج کی کثرت کی وجہ سے ان وادیوں (نَمرہ اور عُرنہ) میں رکنا مشکل ہو چکا ہے لہٰذا اگر منیٰ سے سیدھے عرفات ہی چلے جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (مناسك الحج والعمرة، ص: ٢٩)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یوم ترویہ کو منیٰ ٹھہرنا، وہیں پر

(۲۳۵) اس کے لیے بھی نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

رات گزارنا، پھر وادیٔ عُرنہ (وَنَمرہ) میں زوالِ آفتاب تک رکنا، جو کہ مشعرِ حرام اور عرفات کے مابین ہیں، وہاں خطبہ دینا اور دو نمازیں پڑھنا اور پھر عرفات جانا فقہاء کے ہاں متفق علیہ امورِ سنن میں سے ہیں لیکن آج کل مُحدثات وبدعات کے دور دورے کی وجہ سے انھیں کثیر لوگ نہیں جانتے اور حد تو یہ ہے کہ بکثرت مصنفین بھی اس کی تمیز نہیں کرتے۔ (مجموع الفتاویٰ: ٢٦/ ١٦٨)

وقوفِ عرفات:

وقوفِ عرفات حج کا ''رکنِ اعظم'' ہے۔ سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن معمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ»[٢٣٦]

''میدانِ عرفات میں وقوف کرنے کا نام ہی حج ہے۔''

گویا اگر کسی سے یہ رہ گیا تو اس کا حج ہی نہیں ہے۔ صحیح مسلم والی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی رو سے غروبِ آفتاب کے بعد تک میدانِ عرفات میں وقوف کرنا سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے:

«فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلاً حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ»[٢٣٧]

''آپ مسلسل میدانِ عرفات میں رہے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوگیا اور

---

[٢٣٦] ابو داود (١٩٤٩) ترمذی (٨٨٩، ٨٩٠) نسائی (٥/ ٢٥٦، ٢٦٤) ابن ماجہ (٣٠١٥) احمد (٤/ ٣٠٩، ٣١٠، ٣٣٥) اسی طرح اس کو ابن الجارود (٤٦٨) ابن خزیمۃ (٢٨٢٢) ابن حبان (١٠٠٩) دارقطنی (٢/ ٢٤٠، ٢٤١) حاکم (١/ ٤٦٤) بیہقی (٥/ ١١٦، ١٥٢، ١٧٣) اور طیالسی (١/ ٢٢٠) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

[٢٣٧] نمبر (١٩٣) ملاحظہ کریں۔

شام کی زردی زائل ہوگئی اور سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی۔‘‘

معلّم حضرات اوران کے ایجنٹ یہاں بھی اپنی من مانی کرتے ہیں اورنمازِ عصر کے بعد ہی حاجیوں کومزدلفہ پہنچانا شروع کر دیتے ہیں جوکہ صحیح نہیں اور آجکل ممکن بھی نہیں رہا۔ ویسے آجکل سرکاری اہلکار عرفات سے قبل ازمغرب روانگی سے روکے رکھتے ہیں۔

طریقۂ وقوف:

مسجدِ نَمرہ یا عرفات کی کسی بھی جگہ پر نمازِ ظہر وعصر قصر اورجمع تقدیم کر کے (نمازِ ظہر کے وقت دونوں نمازوں کو) پڑھیں، یہی مسنون طریقہ ہے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ’’جبلِ رحمت‘‘ (عرفات میں موجود پہاڑی) کے دامن میں وقوف فرمایا تھا۔جبلِ رحمت کے اوپر آپ ﷺ نہیں چڑھے بلکہ اس کے پاس ہی قبلہ رو ہوکر وقوف فرمایا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى أَتَى الْمَوْقِفَ،فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَآءَ اِلَى الصَّخْرَاتِ، وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ)) (۲۳۸)

’’آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوکر موقف(عرفات)تشریف لائے اور اپنی اونٹنی کا پیٹ (رخ) پہاڑی (جبلِ رحمت) کی چٹانوں کی طرف کر دیا اور لوگوں کے راستے کو اپنے سامنے رہنے دیا اور آپ ﷺ قبلہ رو ہوگئے۔‘‘

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب جائے وقوف یہی ہے اور یہ جولوگوں میں مشہور ہے کہ جوشخص جبلِ رحمت پر نہ چڑھے اس کا وقوف صحیح نہیں، ان کی یہ بات سراسر غلط ہے۔

میدانِ عرفات کے ہر حصے میں وقوف صحیح ہے، البتہ اگر ان پہاڑی چٹانوں تک نہ پہنچ سکے جوکہ جبلِ رحمت کے دامن میں بچھی ہیں تو اس کے قریب تر ہونے کی کوشش کرے۔ (شرح صحیح مسلم: ۸/ ۱۸۵)

(۲۳۸) تخریج کے لیے نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

مذکورہ بالا کیفیت سے کھڑے ہو کر آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو سینے تک اٹھائے دعا وذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ چنانچہ نسائی شریف میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنْتُ رَدِيْفَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَرَفَاتٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ يَدْعُوْ))(۲۳۹)

''میں میدانِ عرفات میں وقوف کے دوران آپ ﷺ کے ساتھ ہی اونٹنی پر سوار تھا، آپ ﷺ ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگتے رہے۔''

جبکہ سنن بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ بِعَرَفَةَ، يَدَاهُ اِلٰى صَدْرِهٖ كَاسْتِطْعَامِ الْمِسْكِيْنِ))(۲۴۰)

''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ عرفات میں سینے تک اس طرح ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔''

(۲۳۹) اسے نسائی (۵/ ۲۵۴) اسی طرح احمد (۱/ ۲۱۲) ابو یعلی (۶۷۳۲) ابن خزیمہ (۲۸۲۴، ۲۸۲۵) اور طبرانی نے بھی "المعجم الکبیر" (۱۱/ ۱۴۰، ۱۸/ ۲۷۶) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند عبدالملک بن ابی سلیمان کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہی ہے۔ ان شواہد کی تفصیل نمبر (۲۴۰) میں آرہی ہے۔

(۲۴۰) بیہقی (۵/ ۱۱۷) اسی طرح اسے فاکہی نے بھی ''اخبارِ مکۃ'' (۵/ ۲۳، ۲۴) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسین بن عبداللہ الہاشمی کی وجہ سے ضعیف ہے مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں نمبر (۲۳۹) میں مذکور حدیث کے علاوہ درج ذیل احادیث بھی ہیں:

۱۔ حدیثِ انس: اس کو فاکہی نے ''اخبارِ مکۃ'' (۵/ ۲۴) میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے، کیونکہ اسے انس سے روایت کرنے والے اعمش ہیں اور ان کا انس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" (190)

آپ ﷺ جبلِ رحمت کے دامن میں بچھی چٹانوں پر اس طرح دعا و ذکر رہے تھے مگر موقف کی وسعت کو واضح کرنے کے لیے صحیح مسلم وسنن ابو داود اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ» (۲۳۱)

''میں نے تو یہاں وقوف کیا ہے مگر پورا میدانِ عرفات ہی جائے وقوف ہے۔''

یومِ عرفہ کا روزہ:

بعض لوگ یقیناً نیکی حاصل کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوکر میدانِ عرفات میں وقوف والے دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں حالانکہ ان کا یہ فعل قطعاً خلافِ سنت ہے، کیونکہ صحیح بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«اِنَّ اُنَاساً اِخْتَلَفُوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ، فَشَرِبَهٗ» (۲۳۲)

---

(۱۹۰) (۴/ ۱۹۵) میں کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''اخبار مکۃ'' کے محقق کا اس کی سند کو حسن کہنا درست نہیں ہے۔

۲۔ حدیثِ ابوسعید الخذری: اسے احمد (۳/ ۱۳، ۱۴، ۸۵/ ۹۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیاں زمین کی طرف کی ہوئی تھیں مگر اس میں یہ اضافہ محل نظر ہے۔

(۲۳۱) مسلم (۸/ ۱۹۵) ابو داود (۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۳۶) ابن الجارود (۴۶۵) بیہقی (۵/ ۱۱۵، ۲۳۹) اور احمد (۳/ ۳۲۱)

(۲۳۲) اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۷۵) نے روایت کیا ہے اور مالک ہی کے طریق سے اس کو بخاری (۱۶۶۱) ''الحج''، مسلم (۸/ ۲) ''الصیام'' ابو داود (۲۴۴۱) ''الصیام'' ابن خزیمہ (۲۸۲۸) بیہقی (۴/ ۲۸۳۰، ۵/ ۱۱۶، ۱۱۷) اور احمد (۶/ ۴۳۰) نے روایت کیا ہے۔

''ان کے پاس عرفہ کے دن لوگوں میں اختلاف رائے ہوگیا کہ آپ ﷺ روزے سے ہیں۔ بعض دیگر نے کہا کہ آپ ﷺ روزے سے نہیں ہیں۔ تب میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا پیالہ بھیجا جبکہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر ہی بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے وہ دودھ نوش فرما لیا۔''

اب ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے زیادہ برّ وتقویٰ کا جذبہ کس میں ہوسکتا ہے؟ جب آپ ﷺ نے اس دن روزہ نہیں رکھا ہوا تھا تو دوسروں کے لیے اس میں خیر کہاں سے آئے گی؟ وقوفِ عرفات دراصل دعا وابتہال اور خشوع وخضوع کے ساتھ ذکرِ الٰہی کی کثرت کا دن ہے اور ہاتھ اٹھائے کھڑے، بیٹھے، لیٹے دعا وذکر کے لیے روزے کے بغیر ہونا ہی حاجی کے لیے معاون ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کے اس دن روزہ نہ رکھنے میں بھی یہی مصلحت پنہاں معلوم ہوتی ہے۔

یہ حکم تو ان کی نسبت ہے جو میدانِ عرفات میں حج کیلئے موجود ہوں لیکن جو لوگ عرفات میں موجود نہیں بلکہ اپنے اپنے ملکوں اور گھروں میں ہیں؛ ان کے لیے یومِ عرفہ یا یومِ حج کا روزہ بڑا باعثِ اجر وثواب اور ذریعۂ فضیلت ہے حتیٰ کہ صحیح مسلم، سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ سَنَتَيْنِ مَاضِيَةً وَمُسْتَقْبِلَةً» (۳۳۳)

''یومِ عرفہ کا روزہ گزشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

(۳۳۳) مسلم (۸/ ۵۰، ۵۱) ابو داود (۲۴۲۵، ۲۴۲۶) ''باب في صوم الدهر تطوعا'' ترمذی (۷۴۹) ابن ماجہ (۱۷۳۰) سب نے ''كتاب الصيام'' میں۔ ابن خزیمۃ (۲۰۸۷) بیہقی (۴/ ۲۸۳، ۲۸۶) احمد (۵/ ۲۹۷، ۳۰۸، ۳۱۱)

یومِ عرفہ کی فضیلت اور دعائیں

یومِ عرفہ کی بڑی فضیلت ہے۔ اس ایک دن کے روزے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دوسالوں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا ارشادِ نبوی ﷺ میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْداً مِن النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ، ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَآئِكَةَ فَيَقُوْلُ: مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟» (۲۳۴)

''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ یومِ عرفہ سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے رہائی دے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قریب ہو جاتا ہے اور پھر فخر کے طور پر فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ ان لوگوں کو (میری رحمت و مغفرت کے سوا) کیا چاہیے؟''

شرح السنہ امام بغوی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فيُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَآئِكَةَ، فَيَقُوْلُ: اُنْظُرُوْا اِلَيْ عِبَادِيْ، أَتَوْنِيْ شُعْثاً غُبْراً ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ» (۲۳۵)

---

(۲۳۴) مسلم (۹/ ۱۱۷) نسائی (۵/ ۲۵۱،۲۵۲) ابن ماجہ (۳۰۱۴) ابن خزیمۃ (۲۸۲۷) اور حاکم (۱/۴۶۴)

(۲۳۵) شرح السنہ (۱۹۳۱)، اس کو ابو یعلی (۲۰۹۰) ابن خزیمہ (۲۸۴۰) ابن حبان (۱۰۰۶) (۱۹۰)

''جب یومِ عرفہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرشتوں کو فخریہ کہتا ہے: ''میرے بندوں کو دیکھو! وہ کس طرح گرد آلود و پراگندہ بال ہو کر مجھے پکارتے ہوئے دور دراز سے میرے لیے آئے ہیں۔ میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔''

یہ سارا مبارک دن ذکر و دعا میں گزارنا چاہیے۔

ترمذی شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بہترین دعا وہ ہے جو یومِ عرفہ میں مانگی جائے۔ میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے جو دعائیں کی ہیں ان میں سے افضل دعا یہ ہے:

«لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْكُ، وَلَہُ الْحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ»(۲۳۶)

---

(۲۳۵) بزار (۱۱۲۸) اور لالکائی نے بھی "شرح أصول أهل السنة" (۷۵۱) میں مختلف طرق سے ابو البزار کے واسطے سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، نیز اس کی تائید میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیثیں بھی ہیں:

۱۔ حدیثِ ابن عمر کو طبرانی (۱۲/ ۴۲۵، ۴۲۶) اور بزار (۱۰۸۲) نے روایت کیا ہے۔ البانی نے اسے حسن کہا ہے: ملاحظہ ہو: "صحیح الجامع" (۱۳۷۳)

۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو ازرقی (۲/ ۵، ۶) بزار (۱۰۸۳) اور سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۴۸۴) میں روایت کیا ہے اور یہ اسناداً ضعیف ہے۔

(۲۳۶) یہ دعا متعدد احادیث میں آئی ہے، انفرادی طور پر تو ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں مگر سب احادیث کے ملا لینے سے یہ دعا صحیح ثابت ہے اور وہ احادیث یہ ہیں:

۱۔ حدیثِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ ان کی حدیث کو احمد (۲۰/ ۲۱۰) ترمذی (۳۵۸۵) اور فاکہی نے ''اخبارِ مکۃ'' (۵/ ۲۴، ۲۵) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند محمد بن ابی حمید (اس کا لقب حماد ہے) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۲۳۵)

....

⑲ ٢۔ حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ اسے عقیلی (٣/ ٤٦٣) اور طبرانی نے ''الدعاء'' (٨٧٥) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند فرج بن فضالہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

٣۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ۔ اسے ابن ابی شیبۃ (٦/ ٨٤- دارالتاج) بیہقی (٥/ ١١٧) اور ابن عبدالبر نے ''التمہید'' (٦/ ٤٠) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔ اس ضعف اور انقطاع کی صراحت بیہقی نے کی ہے۔ طبرانی نے ''الدعاء'' (٨٧٤) میں اس کو علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند بھی قیس بن ربیع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی تیسری سند بھی ہے کیونکہ وہ ''تمہید'' میں حدیثِ علی اور حدیثِ عبداللہ بن عمرو کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جو حدیثِ علی ہے اس کا دارومدار دونوں سندوں میں دینار ابوعمرو پر ہے اور یہ قابلِ حجت نہیں۔ (٦/ ٣٩)، اس کی مذکورہ دونوں سندوں میں دینار ابوعمرو نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس حدیث کی تیسری سند ہے اور یہ دینار، دینار بن عمر الاسدی ہے۔ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کو ''صالح الحدیث'' کہا ہے، لہٰذا یہ سند حسن درجہ کی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور علّت نہ ہو۔

٤۔ طلحہ بن عبیداللہ بن کریز اور ابن ابی حسین کی مرسل روایتیں:

ا۔ طلحہ بن عبیداللہ کی مرسل روایت کو مالک نے "موطأ، كتاب القرآن (١/ ٢١٤) باب ماجاء في الدعاء" اور ''کتاب الحج'' (ا/ ٤٢٢،٤٢٣) "باب جامع الحج" میں روایت کیا ہے اور مالک کے طریق سے اس کو عبدالرزاق (٨١٢٥) فاکہی (اخبارِ مکہ: ٥/ ٢٥) بیہقی (٤/ ٢٨٤، ١١٨٥) اور بغوی (١٩٢٩) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

تنبیہ: ایک ضعیف راوی عبدالرحمٰن بن یحییٰ نے امام مالک سے اس دعا کو ایک دوسری سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موصول روایت کیا ہے۔ اس سند سے اسے ابن عدی (٤/ ١٦٠٠) اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' (٨/ ١٤، ١٥) میں تخریج کیا ہے مگر یہ موصول روایت صحیح نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ مالک سے منکر ہے۔ ''یہ موطأ'' میں مرسلاً مروی ہے اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے غلطی ہوئی ہے، مالک نے تو اسے ''موطا'' میں مرسل روایت کیا ہے۔ اور ''سنن'' میں مرسل روایت ⑲

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ سارے جہاں کی بادشاہی اور ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

عام حجاج کو چاہیے کہ یہ دعا اور ایسی ہی قرآن وسنت سے ثابت شدہ مسنون دعائیں مانگیں۔ مذکورہ دعا کے علاوہ اس دن کے لیے کوئی مخصوص دعا ثابت نہیں ہے۔ طواف اور سعی کی طرح عرفات کی دعاؤں کی بھی مطبوعہ کاپیاں بکتی ہیں۔اُن کے چکر میں نہ پڑیں بلکہ مطلق دعائیں کریں جن میں اپنی اوراعزاء واقارب کی دینی ودنیوی بھلائی ہو۔

حجاج کے لیے کسی معتبر ومستند کتاب سے دیکھ کر دعائیں پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔معتبر ومستند وہی کتاب ہوسکتی ہے جس میں کتاب وسنت (قرآن وحدیث) کی دعائیں ہوں۔ حُجاج کی آسانی کے لیے دین و دنیا کی بھلائی پر مشتمل کچھ مسنون دعائیں ہم یہاں نقل کررہے ہیں جنھیں آپ نہ صرف یہ کہ میدانِ عرفات میں مانگ سکتے ہیں بلکہ دورانِ طواف وسعی، دورانِ قیامِ منیٰ ومزدلفہ حتیٰ کہ اپنے گھروں، دکانوں، دفتروں اور مسجدوں میں ہر جگہ مانگ سکتے ہیں۔

---

⑲⓪ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''دوسری سند سے یہ مالک سے موصولاً بھی مروی ہے مگر اس کا موصول ہونا ضعیف ہے۔''

۲۔ ابن ابی حسین کی مرسل کو ابن ابی شیبۃ (۸۴/۶) اور ابن عبدالبر (۴۰/۶) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔

مذکورہ دعا اپنے ان شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اسی طرح ''مصنف ابن ابی شیبۃ'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس دعا کا عرفہ کے دن پڑھنا مروی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو شعبۃ ہے، اگر یہ ثقہ ہے تو اس اثر کی سند صحیح ہے۔

دعائیں اوراذکار

قرآنِ کریم سے:

① ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ [آل عمران: ۳۸]

''اے میرے پروردگار! مجھے اپنی قدرت سے نیک اولاد عطا فرما، یقیناً تو ہی دعا سننے والا ہے۔''

② ﴿رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ [الأعراف: ۱۵۱]

''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

③ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَ يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ [طه: ۲۵-۲۸]

''اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔''

④ ﴿رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ [بني إسرائيل: ۸۰]

''اے میرے پروردگار! مجھے جہاں بھی تو لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال، سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔''

⑤ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ [إبراهيم: ٤٠، ٤١]

''اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ ہوں) اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان والوں کو اس دن بخش دو جب حساب قائم ہوگا۔''

⑥ ﴿رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ [طه: ١١٤]

''اے میرے پروردگار! مجھے مزید علم عطا فرما۔''

⑦ ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٩]

''اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو تُو ہی ہے۔''

⑧ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

[الأنبياء: ٨٧]

''تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ تیری ذات پاک ہے، بے شک میں قصور کرنے والوں میں سے ہوں۔''

⑨ ﴿رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴾

[المؤمنون: ٢٩]

''اے میرے پروردگار! مجھ کو برکت والی جگہ اتار اور تو بہترین جگہ دینے والا ہے۔''

⑩ ﴿رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ [المومنون: ۹۷، ۹۸]

''اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں تو اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

⑪ ﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

[المومنون: ۱۱۸]

''اے میرے پروردگار! (مجھ سے) درگزر فرما اور رحم کر، تو سب رحم کرنے والوں سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔''

⑫ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴾

[الشعراء: ۸۳، ۸٤، ۸۵]

''اے میرے پروردگار! مجھے حکم وقوتِ فیصلہ عطا فرما۔ اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔ اور مجھے جنتِ نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔''

⑬ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [النمل: ۱۹]

''اے میرے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرے ان احسانات کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں اور ایسا عملِ صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک

بندوں (صالحین) میں داخل فرما۔‘‘

⑭ ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ﴾ [القصص: ١٦]

’’اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا۔ میری مغفرت فرما دے۔‘‘

⑮ ﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ [القصص: ٢٤]

’’اے میرے پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے، میں اس کا محتاج ہوں۔‘‘

⑯ ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [الصافات: ١٠٠]

’’اے میرے پروردگار! مجھے بیٹا عطا فرما جو صالحین (نیکو کاروں) میں سے ہو۔‘‘

⑰ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأحقاف: ١٥]

’’اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا (کر مجھے سکھ دے) میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تیرے تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔‘‘

⑱ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾

[نوح: ٢٨]

''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اورسب مومن مردوں اورعورتوں کوبخش دے اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔''

⑲ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرة : ٢٠١]

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اورآخرت میں بھی بھلائی عطا کر، اورہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

⑳ ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ [البقرة: ٢٥٠]

''اے ہمارے رب! ہم پرصبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جمادے اور کافر قوم پرہمیں فتح ونصرت عطا کر۔''

㉑ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ [البقر: ٢٨٦]

''اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جوقصور ہوجائیں ان پر گرفت نہ کر۔ اور اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جوتونے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کواٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں، وہ ہم پر نہ ڈال، ہمیں معاف فرما، ہم سے درگزر کر، ہم پررحم کر، توہمارا مولا ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

۲۲ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ۸]

''اے ہمارے رب! جب تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کردیجیو۔ ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔''

۲۳ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ١٦]

''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔''

۲۴ ﴿رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [آل عمران: ۵۳]

''اے ہمارے رب! جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔''

۲۵ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۴۷]

''اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیری حدود سے جو کچھ تجاوز ہوا ہے اسے معاف کردے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔''

۲۶ ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

’’اے ہمارے رب! یہ سب کچھ (سارا جہاں) تونے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے) پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔‘‘

﴿۲۷﴾ ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۳]

’’اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے جو برائیاں ہم سے ہوئیں انھیں مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔‘‘

﴿۲۸﴾ ﴿رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ [آل عمران: ۱۹٤]

’’اے ہمارے رب! جو وعدے تُو نے اپنے رسولوں کے ذریعے کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کرنا، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔‘‘

﴿۲۹﴾ ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَ نَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [المائدة: ۸۳، ۸٤]

’’اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے، اور آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں؟ جبکہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کرے۔‘‘

﴿۳۰﴾ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الأعراف: ۲۳]

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اب اگر تُو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اوررحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''

(۳۱) ﴿رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ﴾

[الأعراف: ١٢٦]

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا اس حال میں کہ ہم تیرے فرماں بردار ہوں۔''

(۳۲) ﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ وَ نَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾

[یونس: ٨٥، ٨٦]

''ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو کافروں سے نجات دے۔''

(۳۳) ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّ هَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا﴾

[الکهف: ١٠]

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی رحمتِ خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔''

(۳۴) ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ﴾

[المومنون: ١٠٩]

''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔''

(۳۵) ﴿رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ [الفرقان: ٦٥]

''اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچالے، اس کا عذاب تو چمٹ جانے والا ہے۔''

٣٦ ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤]

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام (سب سے بڑا متقی) بنا۔''

٣٧ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحشر: ١٠]

''اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔''

٣٨ ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [الممتحنة: ٤، ٥]

''اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کرلیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے ۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا دے اور اے ہمارے رب! ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بیشک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔''

٣٩ ﴿اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ

الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [آل عمران: ٢٦]

''اے اللہ! تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

۴۰ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران : ١٧٣]

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

یہ سب قرآنی دعائیں ہیں جنھیں انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ نے مانگا۔ ان کے ہر وقت کے لیے مفید اور صحیح ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

حدیث شریف سے:

یہاں ہم حدیث شریف سے بھی صحیح و حسن سند والی کچھ دعائیں ذکر کر رہے ہیں جو کہ عمومی ہیں اور طواف، سعی، میدانِ عرفات اور ہر جگہ مانگی جا سکتی ہیں۔

① «اَللّٰهُمَّ لَاسَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا وَّأَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ سَهْلًا اِذَا شِئْتَ» (۴۳۷)

''اے اللہ! کوئی چیز آسان نہیں، سوائے اس کے جسے تو آسان کر دے اور جب تو چاہتا ہے تو ہر دشوار کو آسان کرتا ہے۔'' (ابن حبان و ابن السنی)

② «اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ» (۴۳۸)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں: بے بسی، کاہلی، بزدلی اور شدید

(۴۳۷) اس دعا کی سند صحیح ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴۳۸) بخاری (۲۸۲۳، ۶۳۶۷) ''الجہاد والدعوات'' مسلم (۱۷/ ۲۹ ''الذکر'')

بڑھاپے سے۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں: عذابِ قبر سے۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں: موت وحیات کے فتنے سے۔'' (بخاری ومسلم)

③ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالْعِیْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ والسُّمْعَةِ وَالرِّيَآءِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصُّمِّ وَالْبُكْمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّءِ الْاَسْقَامِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ»[۲۴۹]

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں: سنگ دلی، غفلت، فقروفاقہ اور ذلت ومسکنت سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں: فسق وفجور، نافرمانی اور نمود ونمائش سے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں: بہرہ، گونگا، دیوانہ اور کوڑھی ہونے سے اور تمام بُری و لاعلاج بیماریوں سے اور قرض کے بوجھ سے۔'' (ابن حبان وحاکم)

④ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ»[۲۵۰] (مسلم وابوداود)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں: زوالِ نعمت سے، تیری عافیت کے منہ موڑ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب اور تیرے غضب وغصے سے۔''

⑤ «اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ»[۲۵۱] (احمد وحاکم)

---

[۲۴۹] اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے حاکم نے اس کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[۲۵۰] مسلم (۵۴/۱۷) ''الرقاق'' ابوداود (۱۵۴۵) ''الصلاۃ، باب الاستعاذۃ۔

[۲۵۱] اس کو احمد اور حاکم کے علاوہ عبداللہ بن احمد نے ''زوائد المسند'' میں اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مفصل تخریج ہم نے حضرت العلام مولانا عطاء اللہ ⑲⓪

''اے اللہ! تمام امور میں ہمارا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا۔''

⑥ «اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا»[۲۵۲]

''اے اللہ! ہمیں اس قدر اپنا خوف وتقویٰ عطا کر کہ جو ہمارے اور تیری نافرمانیوں کے مابین حائل ہوجائے اور ہمیں اس قدر اپنی اطاعت نصیب فرما کہ جو ہمیں جنت تک پہنچا دے، اور ہمیں اتنی دولتِ یقین سے نواز کہ اس دنیا کے مصائب ہمارے لیے آسان ہوجائیں، اور ہمیں ہماری قوتِ سماعت وشنوائی، قوتِ بینائی اور قوتِ جسمانی سے اس وقت تک بہرہ ور رکھ جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے۔ اور اس (بہرہ مندی) کو ہماری وارث بنا دے اور جس نے ہم پر ظلم کیا اس سے انتقام لے، جو ہم پر زیادتی کرے اس کے خلاف ہماری مدد فرما۔ جو ہم سے دشمنی

---

[۱۹۰] صاحب حنیف رحمہ اللہ کے معروف رسالہ ''پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں'' کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو: نمبر (۱۴۱) یہ تقریباً حسن درجہ کی حدیث ہے۔ حافظ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[۲۵۲] ترمذی (۳۵۰۲) ''الدعوات'' مستدرک (۹/ ۵۲۸) اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے جبکہ حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

رکھے اس کے خلاف بھی ہماری مدد فرما اور کسی مصیبت کو ہمارے دین پر مؤثر و نقصان دہ نہ بنا اوراس دنیا کو ہماری سوچ وفکر اورعلم وعقل کا محور ومرکز نہ بنا دے۔ اورہم پر کسی ایسے شخص کومسلّط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔'' (ترمذی وحاکم)

⑦ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ»[253]

(بخاری و مسلم)

''عظیم وحلیم اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔عرشِ عظیم کے رب کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔آسمانوں اورعرشِ کریم کے رب کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''

⑧ «يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ»[254] (ترمذی)

''اے ہمیشہ زندہ وقائم رہنے والے! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد طلب کرتا ہوں۔''

⑨ «اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ، فَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِي كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ»[255] (ابوداود)

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا، میرے تمام حالات کی اصلاح فرما، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''

---

[253] بخاری (۶۳۴۵، ۶۳۴۶) مسلم (۱۷/ ۴۷، ۴۸)

[254] ترمذی (۳۵۲۴) ترمذی کی سند ضعیف ہے مگر اس کے بعض شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔

[255] ابوداود (۵۰۹۰) ''كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح'' یہ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

⑩ «اَللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّي، لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً»[256] (ابو داود)

''اللہ ہی اللہ میرا پروردگار ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

⑪ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ، نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ، قَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَائُكَ، أَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ أَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهٗ أَحَداً مِّنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ»[257]

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے ایک بندے اور ایک بندی کا بیٹا ہوں۔ میں تیرے قابو میں ہوں۔ مجھ پر تیرا حکم چلتا ہے۔ مجھ پر تیرا ہر فیصلہ مبنی برعدل ہے۔ میں تیرے اسماء حسنٰی، جو تو نے اپنے لیے اختیار کیے، اپنی کتاب میں نازل فرمائے، اپنی مخلوق میں کسی کو سکھلائے یا جنھیں تو نے اپنے علمِ غیب میں ترجیح دے رکھی ہے، اُن تمام اسماء کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ قرآنِ کریم کو میرے دل کا سرور اور سینے کا نور بنا دے اور اسے میرے غم کا فور کرنے اور پریشانیاں دور کرنے کا ذریعہ بنادے۔'' (ابن حبان و احمد)

⑫ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْراً مِّنْهَا»[258] (صحیح مسلم)

---

[256] ابو داود (۱۵۲۵) "باب في الاستغفار" عن اسماء بنت عمیس۔ شیخ شعیب نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (تحقیق صحیح ابن حبان: ۳/ ۱۴۶)

[257] یہ حدیث صحیح ابن حبان اور مسند احمد کے علاوہ مسند ابو یعلی وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ شیخ البانی نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" میں اس کو صحیح کہا ہے۔

[258] مسلم (۶/ ۲۲۰) كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة.

''بے شک ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے مصیبت سے بچانا اور میرے لیے اس سے بہتر چیز مقدّر کرنا۔''

⑬ «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ» [۲۵۹] (ترمذی)

''اے اللہ! مجھے حرام سے بچا کر حلال کے ساتھ کفایت عطا کر اور اپنے

[۲۵۹] ترمذی (۳۵۶۳) اسے احمد نے فضائل الصحابة (۱۱۴۲، ۱۲۰۸) میں، طبرانی نے ''الدعاء'' (۱۰۴۲) میں اور حاکم (۱/ ۵۳۸) نے بھی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حسن درجہ کی حدیث ہے۔ ترمذی نے بھی اسے حسن کہا ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس کی سند میں عبدالرحمان بن اسحاق ہے اور یہ دو ہیں: ایک واسطی اور دوسرا قرشی۔ واسطی ضعیف ہے مگر قرشی صدوق ہے جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق قرشی ہے جیسا کہ حاکم اور اسی طرح احمد کی ایک روایت میں صراحت ہے۔ اس نے اس حدیث کو سیار ابوالحکم سے روایت کیا ہے۔

''الدعاء'' طبرانی کے محقق ڈاکٹر محمد سعید نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق واسطی ہے قرشی نہیں کیونکہ قرشی سیار ابوالحکم سے روایت نہیں کرتا۔ اسی طرح حاکم کی تصحیح اور ذہبی کی موافقت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شاید ان کو اشتباہ ہوگیا ہے کہ انھوں نے واسطی کو قرشی سمجھ لیا ہے۔

قلت: قرشی کی صراحت اگر صرف حاکم ہی کے ہاں ہوتی تو ہم کسی حد تک ڈاکٹر صاحب کی بات کو تسلیم کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ممکن ہے حاکم کے ہاں عبدالرحمٰن کے قرشی ہونے کی صراحت ان کے اوہام میں سے ہو مگر یہ صراحت تو احمد کی ایک روایت میں بھی ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ رہا ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ کہ قرشی، سیار ابوالحکم سے روایت نہیں کرتا تو یہ دعویٰ مردود ہے کیونکہ قرشی کی بھی سیار ابوالحکم سے روایت ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (۵/۲۱۲) میں ذکر کیا ہے۔ غالبًا ڈاکٹر صاحب نے یہ ⑲⓪

فضل وکرم کے ساتھ مجھے تو اپنی ذات کے سوا ہر کسی سے غنی کر دے۔“

⑭ «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْراً وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْراً وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْراً وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْراً وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْراً وَّعَنْ يَّسَارِيْ نُوْراً وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْراً وَّمِنْ خَلْفِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ لِّيْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْراً وَّاَعْظِمْ لِيْ نُوْراً »[٢٦٠] (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

”اے اللہ! میرے دل میں، میری زبان میں، میری آنکھوں کی بصارت میں اور میرے کانوں کی سماعت وشنوائی میں نور بھر دے، میرے دائیں، بائیں، اوپر، نیچے اور آگے پیچھے نور بکھیر دے۔ میرے لیے میرے نفس میں نور پیدا فرما دے اور میرے لیے نور کا حظّ وافر مقدّر فرما دے۔“

⑮ « اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْإِسْلَامِ قَائِماً، وَاحْفَظْنِيْ بِالْإِسْلَامِ قَاعِداً، وَاحْفَظْنِيْ بِالْإِسْلَامِ رَاقِداً، وَلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوّاً وَّلَا حَاسِداً، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَآئِنُهٗ بِيَدِكَ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَآئِنُهٗ بِيَدِكَ»[٢٦١] (حاکم)

”اے اللہ! مجھے کھڑے، بیٹھے، سوئے ہر حالت میں اسلام پر قائم رکھتے ہوئے میری حفاظت فرما۔ دشمنوں اور حسد کرنے والوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا طلبگار ہوں کہ جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ

---

(190) دعویٰ صرف ”تہذیب التہذیب“ ہی دیکھ کر کر ڈالا ہے۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب پر یہ ردّ ”پیارے رسول کی پیاری دعائیں“ کی مفصل تخریج میں بھی کیا ہے۔

[٢٦٠] بخاری (٦٣١٦) ”الدعوات“ مسلم (٦/ ٤٥، ٤٩، ٥١) ”صلاۃ المسافرین“ ابو داود (١٣٥٣) اور نسائی (٢١٨/٢) وغیرہ۔ ملاحظہ ہو: ”تخریج صلوۃ الرسول“ (نمبر: ٦٩٣)

[٢٦١] مستدرک حاکم (٥٢٥/١)

اس کے خزانے بھی تیرے ہاتھ میں ہیں۔‘‘

⑯ «اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِيْ وَآمِنْ رَوْعَتِيْ وَاقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ» (۲۶۲)

’’اے اللہ! میرے پردے رکھنا اور خوف وخطر سے مجھے محفوظ رکھنا اور مجھ پر جو قرضے ہیں انھیں ادا کروانے کی تدبیر کرنا۔‘‘ (طبرانی واحمد)

⑰ «اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيْ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ» (۲۶۳)

’’اے اللہ! میرے لیے میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے تمام امور کی حفاظت وعصمت کا ذریعہ ہے۔ اور میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میرا روزگار ہے اور میری آخرت کی اصلاح فرما جو کہ میرا آخری ٹھکانا ہے، اور ہر بھلائی کے لیے میری عمر دراز کردے اور ہر برائی سے بچانے کے لیے موت کو میرے لیے باعثِ راحت بنا دے۔‘‘ (مسلم)

⑱ «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ» (۲۶۴)

’’اے اللہ! میرے گناہوں کی مغفرت فرما۔ میرے گھر بار میں کشائش کردے اور میری روزی میں برکت نازل فرما۔‘‘ (ترمذی)

⑲ «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَأَنْتَ تَوَفَّاهَا، لَكَ مَمَاتُهَا

(۲۶۲) دیکھیں: مشكوٰة المصابيح بتحقيق الألباني (۲۴۵۵) و صحيح الجامع الصغير (۲۸۵) [مؤلف]

(۲۶۳) مسلم (۱۷/ ۴۰)

(۲۶۴) ترمذی اور اسی طرح ’’المعجم الصغير للطبراني‘‘ میں یہ دعا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

وَمَحْيَاهَا، اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْلَهَا، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ)) (۲۶۵)

''اے اللہ! میرے نفس کو تو نے ہی پیدا فرمایا ہے اور تو ہی اسے فوت کرے گا۔ اس کا مارنا اور جلانا تیرے ہاتھ میں ہے، اگر تو اسے زندہ رکھے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے مار دے تو اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے عافیت کا طلب گار ہوں۔'' (مسلم)

(۲۰) ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْ اَمْرِيْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ وَعَمَدِيْ وَهَزْلِيْ وَجِدِّيْ وَكُلَّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) (۲۶۶)

''اے اللہ! میری خطا و نادانی، حدود سے تجاوز، سب کی مغفرت فرما جنھیں تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! میری خطا، جان بوجھ کر کیے گئے گناہ، غیر ارادی طور پر اور ارادتاً کیے ہوئے گناہ معاف فرما کہ یہ سب میرے نامۂ اعمال میں ہیں۔ اے اللہ! مجھے میرے اگلے، پچھلے، پوشیدہ اور علانیہ سب گناہ معاف فرما دے۔ تو آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنیوالا ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

(۲۱) ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعِفَّةَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دُنْيَايَ وَدِيْنِيْ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِيْ وَآمِنْ رَّوْعَتِيْ وَاحْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ

(۲۶۵) مسلم (۱۷/ ۳۵)

(۲۶۶) بخاری (۶۳۹۸) مسلم (۱۷/ ۴۰)

فَوْقِي وَ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي))(۲۶۷)

''اے اللہ! میں اپنے دینی ودنیوی اوراہل ومال کے تمام معاملات میں عفت وعافیت کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! میرے پردے رکھنا اور میری میرے سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر سے حفاظت فرمانا اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کہیں زمین میں نہ دھنسا دیا جاؤں۔'' (بزار)

(۲۲) ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدَیٰ وَالتُّقَیٰ وَالْعَفَافَ وَالْغِنَیٰ))(۲۶۸)

''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور دولت مندی وغنا کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۳) ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ، عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ بِهٖ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ بِهٖ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ أَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْعَمَلٍ، وَأَسْئَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهٗ لِیْ خَيْراً))(۲۶۹)

''اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں وہ جلد ہو یا بدیر اور اسے میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا ہوں۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ہر برائی سے جوجلد ہو یا دیر میں اور میں اسے جانتا ہوں یا نہیں بھی جانتا۔ اے

---

(۲۶۷) ابوداود (۵۰۷۴) باسناد صحیح عن ابن عمر، والبزار (۳۱۹۶) عن ابن عباس۔

(۲۶۸) مسلم (۱۷/ ۴۰، ۴۱) ترمذی (۳۴۸۹) ابن ماجہ (۳۸۳۲)

(۲۶۹) ابن ماجه (۳۸۴۶) بإسناد صحيح و صححه ابن حبان (۲۴۱۳) وكذا الحاكم (۱/۵۲۲) وافقه الذهبي. (احمد ایضاً، مؤلف)

اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جو تیرے کسی بندے اور تیرے کسی نبی نے تجھ سے طلب کی اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس برائی سے جس سے تیرے کسی بندے اور تیرے کسی نبی نے پناہ طلب کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس قول وعمل کی توفیق کا جو مجھے اس کے قریب کرے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں نارِ جہنم سے اور ہر اس قول وعمل سے جو مجھے اس کے قریب لے جائے اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو ہر اس فیصلے کو جو میرے بارے میں کر چکا ہے اسے میرے لیے بھلائی والا بنا دے۔''

۲۴ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَمِنْ سَیِّءِ الْاَسْقَامِ»[۲۷۰]

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں برص وجنون ودیوانگی اور کوڑھ کی بیماریوں اور دوسرے لاعلاج امراض سے۔'' (ابو داود، نسائی، احمد)

۲۵ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَالْهَدْمِ وَالْغَرْقِ وَالْحَرْقِ وَأَعُوْذُ بِكَ أَنْ يَّخبِطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِراً، وَأَعُوْذُ بِكَ أَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغاً»[۲۷۱]

(نسائی ، حاکم)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی اونچائی سے گر کر، کسی چیز کے

---

[۲۷۰] مذکورین کے علاوہ اس کو طیالسی اور ابن عدی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

[۲۷۱] ابو داود (۱۵۵۲،۱۵۵۳) نسائی (۸/۲۸۲،۲۸۳) حاکم (۱/ ۵۳۱) اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیچے دب کر، ڈوب کر یا جل کر مروں، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے اُچک لے (مبتلائے فتنہ کر دے۔) اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تیری راہ میں الٹے پاؤں بھاگنے والے کی موت مروں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور یا کیڑے کے کاٹنے سے مروں۔''

(۲۶) « اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَىٰ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ عَنِّیْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَایَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَایَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ »(۲۷۲)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کاہلی، شدید بڑھاپے، گناہ، قرض، قبر کے فتنے، قبر کے عذاب، آگ کے فتنے اور آگ کے عذاب سے، اور مالداری کے فتنہ اور غربت کے امتحان سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں، کانے دجال کے فتنے سے۔ اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی، برف اور اَولوں کے ساتھ اس طرح دھو دے جس طرح سفید کپڑے سے میل کچیل دھو دی جاتی ہے اور میرے اور گناہوں کے مابین اتنی دوری کر دے جتنی کہ مشرق و مغرب کے مابین ہے۔''

(۲۷۲) بخاری (۶۳۶۸) مسلم (۱۷/ ۲۸، ۲۹) ترمذی (۳۴۹۵) نسائی (۸/ ۲۶۲، ۲۶۳) ابن ماجہ (۳۸۳۸)

㉗ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»[۲۷۳]

''اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور نارِ جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں موت وحیات کے فتنے اور کانے دجّال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (بخاری ونسائی)

㉘ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ، وَعَمَلٍ لَّا يُرْفَعُ، وَدُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ»[۲۷۴] (احمد، ابن حبان، حاکم)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔ ایسے عمل سے جو مقبول نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔''

㉙ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ»[۲۷۵]

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض اور دشمنوں کے غلبے اور ان کے خوش ہونے کے مواقع سے۔'' (نسائی، حاکم)

㉚ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ يَوْمِ السُّوْءِ، وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوْءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ، وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ، وَمِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ

---

[۲۷۳] بخاری (۱۳۷۷) ''الجنائز'' مسلم (۵/ ۸۷، ۸۸) ''الصلاۃ'' اور نسائی (۸/ ۲۷۵) ''الاستعاذۃ''

[۲۷۴] یہ دعا صحیح ہے۔ یہ متعدد صحابہ سے بعض الفاظ کے تغیر وتبدل اور بعض الفاظ کے اضافے سے مروی ہے۔ دیکھیں: دعا نمبر (۲۸۱)۔

[۲۷۵] نسائی (۸/ ۲۶۵، ۲۶۸) مستدرک (۱/ ۵۳۱) اس کو امام حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

دَارِ الْمَقَامَةِ)) (٢٧٦)

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں، بُرے دن، بُری رات، بُری گھڑی، بُرے ساتھی اور قیام گاہ کے بُرے پڑوسی سے۔''

(٣١) ((اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ)) (٢٧٧)

''اے اللہ! جس طرح تو نے میری شکل حسین بنائی ہے ایسے ہی میرے اخلاق کو عمدہ و اچھا کردے۔'' (مسند احمد)

(٣٢) ((اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، أَنْ تُضِلَّنِيْ وَأَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ)) (٢٧٨)

''اے اللہ! میں تیرا تابع فرمان (مسلم) ہوا اور میں تجھی پر ایمان لایا، تجھی پر توکّل وبھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری ہی پشت پناہی سے میں لڑتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اور میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کردے، تو زندہ و جاوداں ہے جسے موت نہیں جبکہ تمام جنّ وانس تو ایک نہ ایک دن مرجائیں گے۔'' (مسلم، احمد)

(٣٣) ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِيْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِيْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِيْ وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّيْ)) (٢٧٩)

---

(٢٧٦) دیکھیں: صحيح الجامع الصغير للألباني (١٣١٠) و سلسلة الأحاديث الصحيحة (١٤٤٣) [مؤلف]

(٢٧٧) أحمد (٦/ ٦٨، ١٥٥) بإسناد صحيح.

(٢٧٨) مسلم (١٧/ ٣٩)

(٢٧٩) ابو داود (١٥٥١) ترمذی (٣٤٩٢) نسائی (٨/ ٢٥٩) مستدرک حاکم (١/ ٥٣٣) اس کو ترمذی نے حسن جبکہ حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنی قوتِ سماعت وشنوائی کی برائی سے اپنی قوتِ بینائی، اپنی زبان، اپنے دل اور مادۂ منویہ کی برائی سے۔''
(ابو داود، ترمذی، نسائی، حاکم)

۳۴ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَ الْأَدْوَاءِ »(۲۸۰)

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، بداخلاقی، بدعملی، حرص وہویٰ اور بیماریوں سے۔'' (ترمذی، حاکم ،طبرانی)

۳۵ «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعِ»(۲۸۱)

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں، ایسے دل سے جس میں خشیت وڈر نہ ہو، ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ان چاروں سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، حاکم)

---

(۲۸۰) اس دعا کو ترمذی (۳۵۹۱) "الدعوات، باب دعاء أم سلمه'' ابن حبان (۲۴۲۲) طبرانی نے ''الدعا'' (۱۳۸۴) میں، حاکم (۱/ ۵۳۲) اور بزار (۳۲۰۹،مختصراً) نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حسن جبکہ ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۲۸۱) ابو داود (۱۵۴۸) ترمذی (۳۴۸۲) نسائی (۸/ ۲۵۵، ۲۶۳، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۸۴، ۲۸۵) ابن ماجہ (۳۸۳۷) حاکم (۱/ ۱۰۴) یہ دعا ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، ترمذی اور اسی طرح نسائی میں بھی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور نسائی و مستدرک حاکم میں انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
اسی طرح مسلم (۱۷/ ۴۱) میں یہ دعا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی حدیث میں اس سے پہلے دیگر کلمات کا بھی اضافہ ہے۔

③⑥ ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ﴾(٢٨٢)

''اے حضرت جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) کے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، آگ کی تپش اور قبر کے عذاب سے۔'' (نسائی)

③⑦ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ، فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُهَا اِلَّا أَنْتَ﴾(٢٨٣)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل وکرم اور تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔ اور ان سب کا مالک صرف تو ہی ہے۔'' (طبرانی)

③⑧ ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(٢٨٤)

''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا میں اور آخرت میں، دونوں جہانوں میں حسنات وبھلائیاں عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (بخاری ومسلم)

③⑨ ﴿اَللّٰهُمَّ حَجَّةً، لَا رِيَاءَ فِيْهَا وَلَا سُمْعَةً﴾(٢٨٥)

---

(٢٨٢) یہ دعا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اس کو نسائی نے ''السنن'' اور ''عمل الیوم واللیلة'' میں، اسی طرح احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ دعا صحیح ہے۔

(٢٨٣) دیکھیں: سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (١٥٤٣) [مؤلف]

(٢٨٤) یہ دعا بخاری اور مسلم وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(٢٨٥) اس دعا کو ابن ابی شیبۃ (٣/٤٤٢- دار التاج) اور ابن ماجہ (٢٨٩٠) نے ''المناسك، باب الحج علی الرحل'' میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یزید بن ابان اور ربیع بن صبیح دونوں ضعیف ہیں جیسا کہ بوصیری نے ''مصباح الزجاجة'' (١٠١٩) میں کہا ہے۔
شیخ البانی نے اس دعا کو ''صحیح الجامع'' (١٢١٣) میں صحیح کہا ہے، غالبًا انھوں نے اس ⑲⓪

''اے اللہ! میں (صرف تیری رضا کے لیے) حج کرنے آیا ہوں، نمود و نمائش سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔'' (ابن ماجہ)

❀❀❀

---

⑲⓪ کی تصحیح شواہد کی بنا پر کی ہوگی۔
بعد میں مجھے اس کے بعض شواہد مل گئے۔ ان شواہد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بشر بن قدامہ الضبائی کی حدیثیں ہیں:

۱۔ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فاکہی نے ''اخبار مکۃ'' (۱/ ۴۰۰) میں اور طبرانی نے ''الاوسط'' (۱۴۰۰) میں روایت کیا ہے۔
اس کی سند میں اگر ابن جریج کا عنعنہ نہ ہوتو یہ حسن درجہ کی ہے۔ اس حدیث میں "اللهم" کے بعد "اجعلها" اور "حجة" کے بعد "مبرورة" کے الفاظ بھی ہیں۔ اور ''اخبارِ مکہ'' میں "مبرورة" کے بعد "متقبلة" کا لفظ بھی ہے۔

۲۔ حدیثِ بشر بن قدامۃ کو ابن خزیمۃ (۲۸۳۶) بیہقی (۴/ ۳۳۲، ۳۳۳) اور ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (۲/ ۱۳۰، ۱۳۱) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں دو راوی مجهول ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡهُ حَجًّا غَيۡرَ رِيَاءٍ وَلَا هَبَاءً وَلَا سُمۡعَةً))
بعد میں میں نے "مختصر الشمائل للألباني" دیکھی کیونکہ حدیثِ انس کو ترمذی نے بھی ''الشمائل'' میں روایت کیا ہے۔
''مختصر الشمائل'' میں شیخ البانی ترمذی اور ابن ماجہ کی سند کو ضعیف کہنے کے بعد کہتے ہیں: ''لیکن ضیاء نے ''المختارۃ'' میں اس حدیث کو دوسرے طُرق سے بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ ان طُرق اور اس شاہد کی تخریج "الصحيحة" (۲۶۱۷) میں ہے ملاحظہ ہو: "مختصر الشمائل" حدیث (283)
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے طُرق اور شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔

لیلۃ الجمع یا مزدلفہ کی رات

میدانِ عرفات میں جب سورج غروب ہوجائے تو تلبیہ وتکبیریں کہتے ہوئے نمازِ مغرب پڑھے بغیر ہی سکون واطمینان کے ساتھ مزدلفہ کی طرف روانہ ہوجائیں۔ اس وقت افراتفری مچانا اور شور وغل کرنا منع ہے، کیونکہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کی بھیڑ بھاڑ، چیخ و پکار اور اونٹوں کو تیز تیز ہانکنے کی آوازیں سنیں تو فرمایا:

((یَآ أَیُّهَا النَّاسُ! عَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَةِ، فَإِنَّ الْبِرَّ لَیْسَ بِالْاِ یْضَاعِ))(۲۸۶)

''لوگو! آرام اور سکون سے چلو کیونکہ یہاں دوڑنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔''

البتہ جب راستہ خالی اور صاف مل جائے تو سواری کو تیز کر لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کَانَ یَسِیْرُ الْعَنَقَ، فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً، نَصَّ))(۲۸۷)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی رفتار سے چلتے گئے اور جب لوگوں کی بھیڑ سے خالی کھلی جگہ آتی تو تیز ہو جاتے۔''

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں عرفات سے

---

(۲۸۶) بخاری (۱٦۷۱)

(۲۸۷) بخاری (۱٦٦٦) مسلم (۹/ ۳۴) اسی طرح اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۹۲) ابو داود (۱۹۲۳) نسائی (۵/ ۲۵۹) اور ابن ماجہ (۳۰۱۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

مزدلفہ جانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ بھیڑ میں سکون ووقار کے ساتھ چلا جائے اور بھیڑ سے خالی کھلی جگہ ہو تو تیز چلا جائے۔ یہ تیزی اس لیے ہے کہ اس دن نمازِ مغرب بھی مزدلفہ میں جا کر نماز عشاء کے ساتھ ہی پڑھی جاتی ہے۔

(بحواله بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني: ۱۲/ ۱۳۵)

اس طرح جب مزدلفہ پہنچ جائیں تو صحیح بخاری و مسلم میں مذکور احادیث کے مطابق ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ قصر اور جمع تاخیر کر کے پہلے نماز مغرب اور پھر نماز عشاء پڑھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم والی مشہور حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے:

« وَدَفَعَ حَتّٰى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ، فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئاً، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ »(۲۸۸)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات سے مزدلفہ پہنچے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نمازِ مغرب وعشاء پڑھیں اور ان کے مابین کوئی سنت ونفل نہیں پڑھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر تک سو گئے۔“

صحیح بخاری ومسلم، سنن نسائی وابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھنے کا ذکر ہے۔(۲۸۹)

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

« جَمَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ، كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بِإِقَامَةٍ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا، وَلَا عَلٰى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا »(۲۹۰)

---

(۲۸۸) ملاحظہ ہو: نمبر (۱۹۳)

(۲۸۹) بخاری (۱۶۷۴) مسلم (۹/ ۳۴) نسائی (۵/ ۲۶۰) ابن ماجہ (۳۰۲۰) دارمی (۲/ ۵۸) بیہقی (۵/ ۱۲۰)

(۲۹۰) بخاری (۱۶۷۳) اسی طرح ابو داود (۱۹۲۸) نسائی (۵/ ۲۶۰) دارمی (۲/ ۵۸) اور بیہقی (۵/ ۱۲۰)

”نبی ﷺ نے مزدلفہ میں نمازِ مغرب وعشاء جمع کر کے پڑھیں اور ہر ایک کے لیے اقامت کہی اور ان کے مابین یا ان دونوں کے بعد آپ ﷺ نے کچھ نہیں پڑھا۔“

ان دونوں احادیث سے جہاں نبی ﷺ کے جمع بین الصلوٰتین کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں آپ ﷺ نے صرف فرض ادا کیے، سنتیں یا نوافل کچھ نہیں پڑھا تھا۔ نہ مغرب وعشاء کے مابین اور نہ عشاء کے بعد حتیٰ کہ طلوعِ فجر پر آپ ﷺ نے نمازِ فجر ادا فرمائی۔ ان دونوں احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رات آپ ﷺ نے ”نمازِ تہجد“ بھی ادا نہیں فرمائی تھی۔ لہٰذا فجر تک سو جانا ہی مسنون ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ اس رات آپ ﷺ نے شب زندہ داری نہیں کی۔ (حجة النبي، ص: ٧٦)

صحیح بخاری، سنن نسائی اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کے یہ نمازیں قصر کر کے پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ... صَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا وَالْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ» [291]

”آپ ﷺ نے مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں (قصر) پڑھیں۔“

بعض فقہی مذاہب کے علماء نے جو لکھا ہے کہ اس دن مغرب وعشاء کے لیے اقامت بھی صرف ایک ہی کہی جائے گی وہ بات غیر صحیح اور خلافِ سنت ہے۔ بعض احادیث میں ایک اقامت کا ذکر آیا ہے مگر کبار محدّثین نے انھیں شاذ قرار دیا ہے۔
(حجة النبي، ص: ٧٥)

[291] مسلم (٩/ ٣٥، ٣٦) ابو داود (١٩٢٩، ١٩٣٣) نسائی (٥/ ٢٦٠) ابن خزیمہ (٢٨٤٩) ابن حبان (٦/ ٦٤) اور بیہقی (٥/ ١٥١) نے مختلف سندوں سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

کنکریاں اکٹھی کرنا:

بعض لوگ مزدلفہ پہنچتے ہی نمازیں ادا کرنے سے بھی پہلے کنکریاں اکٹھی کرنا شروع کردیتے ہیں جوکہ خلافِ سنت فعل ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھنے اور پھر مشعرالحرام پر ذکر و دعا کے بعد منیٰ کو روانگی کے وقت کنکریاں لانے کا حکم فرمایا تھا۔ (۲۹۲)

اور پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ مزدلفہ سے ہی کنکریاں چنی جائیں بلکہ منیٰ سے کنکریاں لینا بھی جائز ہے۔ پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ پر رمی کرنے کے لیے مزدلفہ سے صرف سات کنکریاں لے لیں اور پھر اگلے تین دنوں میں روزانہ اکیس اکیس کنکریاں منیٰ میں سے لے لیں اور رمی کر آئیں۔ بعض لوگ کنکریاں اکٹھی کر کے انھیں دھوتے ہیں جو ثابت نہیں۔ البتہ بعض اہلِ علم کے نزدیک (جن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی شامل ہیں) استعمال شدہ کنکریاں جمرات سے اٹھا کر وہیں مارنا بھی جائز نہیں۔

(التحقيق والايضاح لابن باز، ص: ٤٢)

جبکہ امام شافعی، علامہ ابن حزم اور شیخ البانی اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (مناسك الحج والعمرة، ص: ٨٢)

معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر مزدلفہ میں ہی باجماعت ادا فرمائی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

«فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَاِقَامَةٍ» (۲۹۳)

''جب طلوعِ فجر کا وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی۔''

---

(۲۹۲) مسلم (۹/ ۲۷) نسائی (۵/ ۲۵۸، ۲۶۷، ۲۶۹) بیہقی (۵/ ۱۲۶، ۱۲۷) اور احمد (۱/ ۲۱۰، ۲۱۳)

(۲۹۳) اس کی تخریج کے لیے دیکھیں: نمبر (۱۹۳)

ضعیفوں کے لیے حکم:

عام حجاج کے لیے یہی مسنون ہے کہ نمازِ فجر مزدلفہ ہی میں پڑھیں۔ البتہ صحیحین وسنن اربعہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین اور ضعیف لوگ نصف شب کے بعد منیٰ کو روانہ ہو جائیں تو انھیں اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعْفَةِ اَهْلِهٖ» (۲۹۴)

''میں انھی لوگوں میں سے ہوں جنھیں نبی ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کے ضعیفوں کے ساتھ مزدلفہ کی رات آگے (منیٰ) بھیجا تھا۔''

ایسے لوگ راتوں رات منیٰ تو چلے جائیں مگر رات کے وقت انھیں یہ اجازت نہیں کہ وہ جمرۂ عقبہ پر رمی بھی کرلیں بلکہ وہ بھی رمی طلوعِ آفتاب کے بعد ہی کریں گے، کیونکہ سنن ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم بنی عبدالمطلب کے لڑکوں کو مزدلفہ کی رات گدھوں پر سوار کر کے منیٰ روانہ کردیا اور روانگی کے وقت آپ ﷺ نے ہماری رانوں کو پیار سے ٹھونکتے ہوئے فرمایا:

«اُبَيْنِيَّ! لَاتَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ» (۲۹۵)

''اے میرے بچو! طلوعِ آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی نہ کرنا۔''

(۲۹۴) بخاری (۱۶۷۸) مسلم (۹/ ۴۰، ۴۱) وغیرہ

(۲۹۵) ابو داود (۱۹۴۰) نسائی (۵/ ۲۷۰، ۲۷۱) ابن ماجہ (۳۰۲۵) بیہقی (۵/ ۱۵۶) طیالسی (۱/ ۲۲۳) اور احمد (۱/ ۲۳۴، ۳۱۱، ۳۴۳) اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والے الحسن العرنی ہیں، ان کا ابن عباس سے سماع نہیں ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے، بلکہ امام ابو حاتم کے کہنے کے مطابق انھوں نے ابن عباس کا زمانہ ہی نہیں پایا ہے۔ مگر اس حدیث کے ابن عباس سے دوسرے طُرق بھی موجود ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے۔

مشعر الحرام اور عام حُجاج کے لیے مسنون طریقہ:

رات کے وقت مذکورہ روانگی تو خواتین، بچوں اور ضعیفوں کے لیے ہے، البتہ عام حُجاج مزدلفہ میں نمازِ فجر پڑھیں اور پھر سنت یہ ہے کہ مشعرالحرام (جہاں آج کل مسجد ہے) کے پاس کھڑے ہوکر قبلہ رُو ہوں اور دعا و ذکرِ الٰہی میں کچھ وقت مشغول رہیں کیونکہ صحیح مسلم والی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نمازِ فجر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے:

« حَتَّىٰ أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهٗ، وَهَلَّلَهٗ، وَوَحَّدَهٗ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتّٰى اَسْفَرَ جِدّاً فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ »(۲۹۶)

''یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعرالحرام پر آئے اور قبلہ رُو ہوکر دعائیں کیں، تکبیریں کہیں، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کیا اور اللہ کی توحید و وحدانیت بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح رہے حتیٰ کہ روشنی اچھی طرح پھیل گئی مگر پھر طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم (منیٰ کو) روانہ ہوگئے۔''

سورۂ بقرہ میں بھی اس ذکر و دعا کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ﴾ [البقرة: ۹۸]

''پھر جب تم عرفات سے چلو تو مشعرالحرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو۔ اور اسے اسی طرح یاد کرو جس طرح کہ اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔''

اس آیت میں مشعرالحرام کے پاس ذکر کرنے کا حکم آیا ہے اور سابقہ حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشعرالحرام پر تشریف لے گئے۔ یہ دراصل بھیڑ نہ ہونے کے

(۲۹۶) اس کی تخریج نمبر (۱۹۳) میں دیکھیں۔

زمانوں سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ یا پھر ان لوگوں کے نصیب ہیں جو مشعر الحرام نامی چھوٹی سی پہاڑی پر یا اس کے قرب وجوار میں میں پہنچ جائیں ورنہ آج حُجاج کی کثرت اور بھیڑ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ قرب وجوار میں جگہ ملنا بھی مشکل ہوتا ہے اور دور پار کہیں جگہ ملتی ہے۔ ایسی صورت میں اس ذکر و دعا کی سنت پر ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر ہی نمازِ فجر کے بعد عمل کرسکتا ہے کیونکہ پوری وادیٔ مزدلفہ کا حکم ایک ہی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، سنن ابو داود اور نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

《وَقَفْتُ هٰهُنَا، وَجَمْعٌ وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ》[۴۹۷]

''میں نے یہاں (مشعر الحرام کے پاس) وقوف کیا ہے جبکہ یہ پوری وادی مزدلفہ ہی جائے وقوف ہے۔''

وادی محسّر:

منٰی و مزدلفہ کے مابین ہی وادی محسّر بھی ہے جو کہ منٰی ہی کا حصہ ہے، جہاں اصحابِ فیل (ہاتھی والوں) کی بربادی کا واقعہ رونما ہوا تھا۔ یہ وادی مزدلفہ سے خارج ہے جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کتنے ہی لوگ مزدلفہ کی رات عجیب افراتفری میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شناخت کے بغیر یہ رات بھی وادیٔ محسّر میں گزار دیتے ہیں حالانکہ وہاں سے گزرنے والے راستوں پر دائیں بائیں اس وادی کی حدود کے سنگ میل بھی لگے ہوئے ہیں۔ یوں وہ ایک نہیں بلکہ دوہری نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں:

① ایک تو یہ کہ وہ رات مزدلفہ میں گزارنا ضروری تھا جو انھوں نے مزدلفہ سے باہر وادی محسّر میں جاگزاری اور غرض غالباً صرف یہ ہوتی ہے کہ منٰی کے قریب تر ہوکر رات گزاریں تاکہ صبح جلد منٰی پہنچ جائیں اور رمی وغیرہ سے فارغ ہوجائیں۔

---

[۴۹۷] مسلم (۸/ ۱۹۵) ابو داود (۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۳۶) نسائی (۵/ ۲۶۵) وغیرہ

② دوسری نافرمانی یہ کہ نبی ﷺ کا عمل تو یہ بتاتا ہے کہ جب کبھی بھی ایسی جگہوں سے گزریں جہاں عذابِ الٰہی واقع ہوا ہو تو جلدی جلدی گزرجائیں چہ جائیکہ وہاں ڈیرے ہی ڈال لیے جائیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ جب کبھی ایسی جگہوں سے گزرتے جہاں پر اللہ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیے تھے تو جلدی جلدی گزرجاتے۔ چنانچہ حجر اورثمود کے علاقوں سے آپ تیزی سے گزرے تھے۔ (بحواله حجة النبي، ص: ۸۷) ایسے ہی آپ نے وادی محسّر میں بھی کیا تھا۔ چنانچہ سنن ابو داود میں مختصراً اور سنن ترمذی و مسند احمد اور زوائد مسند احمد میں مطوّلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ وادی محسّر سے گزرنے لگے تو تیز تیز گزرے۔

((وَاَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مَحَسِّرٍ (ولفظ أحمد:) فَقَرَعَ نَاقَتَهٗ فَخَبَّتْ حَتّٰى جَاوَزَ الْوَادِيَ ثُمَّ حَبَسَهَا)) [۲۹۸]

”وادی محسّر میں آپ ﷺ تیزی سے گزرے (اور مسند احمد میں ہے:) آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو اپنے کوڑے سے مارا تو تیز چلنے لگی یہاں تک کہ جب آپ ﷺ یہ وادی پار کرگئے تو آپ ﷺ نے (اس کی نکیل کھینچ کر) اسے روک لیا (آہستہ کرلیا)۔“

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:

((حَتّٰى أَتَىٰ بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا)) [۲۹۹]

”جب آپ ﷺ وادی محسّر میں پہنچے تو اپنی سواری کو کچھ حرکت دی

---

[۲۹۸] ترمذی (۸۸۵) احمد (۱/ ۱۵۷) اور ”زوائد احمد“ (۱/ ۷٦) و ابو یعلی (۵۴۴،۳۱۲) اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

[۲۹۹] تخریج نمبر (۱۹۳) میں دیکھیں۔

(اور تیزی سے نکل گئے)۔''

الغرض مزدلفہ میں جب روشنی خوب ہو جائے مگر ابھی سورج طلوع نہ ہوا ہو تو تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے جیسا کہ صحیح مسلم و سنن ابو داود اور ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿...حَتّٰی اَسْفَرَ جِدّاً فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ﴾ (۳۰۰)

''جب روشنی خوب ہوگئی تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مزدلفہ سے منیٰ کو) روانہ ہوگئے۔''

(۳۰۰) تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: نمبر (۱۹۳)

۱۰/ذوالحج
یا
یومِ نحر وقربانی کی مصروفیات

۱۰/ذوالحج کو جب آپ مزدلفہ سے منیٰ پہنچ جائیں تو یہاں آکر چار کام کرنے ہوتے ہیں جن میں مسنون ترتیب یہ ہے:

① جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا۔ ③ حلق یا تقصیر (پورا سر منڈوانا یا کچھ بال کٹوانا)۔

② نحر وقربانی۔ ④ طوافِ افاضہ یا طوافِ زیارت یا طوافِ حج۔

جمہور فقہاء ومحدّثین کے نزدیک یہ ترتیب مسنون ہے واجب نہیں، لہٰذا اگر کسی سے کوئی تقدیم وتاخیر ہوجائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ (دم وغیرہ) نہیں ہے۔ یہ تقدیم وتاخیر لاعلمی سے ہو، بھول سے ہو یا جان بوجھ کر کی گئی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں۔

(بلوغ الأماني: ۱۲/ ۲۰۹)

تقدیم وتاخیر سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص رمی سے پہلے بال کٹوالے یا قربانی سے پہلے طوافِ افاضہ کرلے یا رمی سے پہلے قربانی کرلے یا رمی سے پہلے طواف کرلے وغیرہ۔

اس سلسلے میں صحیحین وسنن اور مسند احمد میں متعدد احادیث مروی ہیں کہ مختلف لوگوں نے جب ایسی صورتوں کے بارے میں سوالات کیے تو آپ ﷺ نے ایسے ہر موقع پر فرمایا:

«لَا حَرَجَ» [۳۰۱] ”اس میں کوئی حرج نہیں۔“

---

[۳۰۱] اس بارے میں عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن عباس، علی، جابر، اور اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہم سے روایات ہیں:

① جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا:

۱۰/ذوالحج کو مزدلفہ سے منیٰ آتے ہی سب سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی کرنا یا کنکریاں مارنا مسنون ہے۔ یہ رمی صرف سات کنکریوں سے اور صرف ایک ہی جمرہ عقبہ پر ہوگی۔ رمی کے لیے کنکریاں موٹے چنے سے ذرا بڑی ہونی چاہئیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

«ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَىٰ الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَىٰ حَتَّىٰ أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ، رَمَىٰ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي»(۳۰۲)

''پھر آپ ﷺ (وادی محسّر سے گزر کر) درمیانی راستے پر چلنے لگے جو کہ سیدھا جمرۂ کبریٰ (جمرہ عقبہ) پر جانکلتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس جمرے کے پاس پہنچے جو کہ درخت کے پاس ہے۔ آپ ﷺ اسے سات

(۱۹۰) ۱۔ حدیثِ عبداللہ بن عمر و بخاری (۱۷۳۶) مسلم (۹/ ۵۴) ابو داود (۲۰۱۴) ترمذی (۹۱۶) اور دارمی (۲/ ۶۴، ۶۵) وغیرہ میں ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عباس کو بخاری (۱۷۲۱) ابو داود (۱۹۸۳) نسائی (۵/ ۲۷۲) اور ابن ماجہ (۳۰۵۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیثِ علی کو احمد (۱/ ۷۶، ۱۵۷) ترمذی (۸۸۵) اور ابو یعلی (۳۱۲، ۵۴۴) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

۴۔ حدیثِ جابر مسند احمد (۳/ ۳۲۶، ۳۸۵) ابن ماجہ (۳۰۵۲) اور ابن حبان (۱۰۱۲) میں ہے۔ اس کو ابن حبان اور بوصیری نے صحیح کہا ہے۔

۵۔ حدیثِ اسامہ بن شریک ابو داود (۲۰۱۵) ابن خزیمہ (۲۷۷۴) دارقطنی (۲/ ۲۵۱/ ۶۷) اور بیہقی (۵/ ۱۴۶) میں ہے اور اس کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

(۳۰۲) یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے، اس کی مفصل تخریج نمبر (۱۹۳) میں دیکھیں۔

کنکریاں مارتے وقت ساتھ ہی تکبیر (اَللّٰہُ اَکۡبَرُ) کہتے تھے۔ اور وہ کنکریاں موٹے چنے سے ذرا سی بڑی تھیں۔ آپ ﷺ نے وادی میں کھڑے ہو کر اس جمرے کو رمی کی۔''

وہاں بعض لوگ معلوم نہیں کس جذبے کے تحت موٹے موٹے کنکر اور جوتے تک مارتے ہیں جو کوئی مستحسن جذبہ نہیں بلکہ جنون و دیوانگی اور سراسر جہالت اور خلافِ سنت ہے۔ وہاں کنکر و پتھر مارنا یا جوتے پھینکنا نہیں بلکہ کنکریاں مارنا کارِ ثواب ہے لہٰذا ((کُنۡ مُتَّبِعاً وَلَاتَکُنۡ مُبۡتَدِعاً)) ہمیں سنت کی اتباع کرنی چاہیے اور اپنے پاس سے کوئی عمل ایجاد نہیں کرنا چاہیے۔ اس رمی کا مستحب وقت تو صحیح مسلم میں مذکور حدیث کی رُو سے طلوعِ آفتاب سے لے کر زوالِ آفتاب تک ہے۔ (۲۹۳)

لیکن اگر کوئی شخص بامرِ مجبوری رات ہونے تک بھی رمی کر لے تو مضائقہ نہیں کیونکہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ کسی صحابی نے نبی ﷺ کے سامنے عرض کیا:

((رَمَیۡتُ بَعۡدَ مَا اَمۡسَیۡتُ فَقَالَ: لَاحَرَجَ)) (۲۹۴)

''میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔''

جبکہ دوسرے ایامِ تشریق کی رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی، ترمذی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۲۹۳) یہ بھی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہی ہے اور اس کو مسلم (۹/ ۴۷، ۴۸) ابو داود (۱۹۷۱)، ترمذی (۸۹۴) نسائی (۵/ ۲۷۰) دارمی (۲/ ۶۱) اور ابن ماجہ (۳۰۵۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۲۹۴) اس حدیث کی تخریج کے لیے نمبر (۳۰۱) دیکھیں۔

((وَرَمىٰ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فِيْ سَائِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ))[365]

''یومِ نحر کے بعد والے ایامِ تشریق میں آپ ﷺ نے زوالِ آفتاب کے بعد رمی کی۔''

اب مسنون تو یہی ہے لیکن اگر کوئی کمی بیشی ہوجائے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ رمی کرتے وقت اس طرح کھڑے ہونا سنت ہے کہ مکہ مکرمہ بائیں طرف اور منیٰ دائیں طرف ہو جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمرۂ کبریٰ پر پہنچے تو بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب کرلیا اور سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہا۔ پھر فرمایا:

((هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ))[366]

''جن پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (یعنی نبی ﷺ) انھوں نے اسی طرح رمی کی تھی۔''

مذکورہ بالا متعدد احادیث میں آدابِ رمی کے سلسلے میں بار بار گزر رہا ہے کہ ہر کنکری کو مارتے وقت اللہ اکبر کہیں۔ یہ عمل بعض دیگر احادیث کی رو سے بھی مسنون ہے۔[367]

---

[365] اس کے لیے دیکھیں: نمبر (۳۰۳)

[366] بخاری (۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰) مسلم (۹/ ۴۲، ۴۳، ۴۴) اسی طرح ابو داود (۱۹۷۴) ترمذی (۹۰۱) نسائی (۵/ ۲۷۳، ۲۷۴) اور ابن ماجہ (۳۰۳۰) وغیرہ۔

[367] ان احادیث میں ابن عمر، جابر، فضل بن عباس اور ام جندب رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں:

۱۔ حدیثِ ابن عمر بخاری (۱۷۵۱) اور نسائی (۵/ ۲۷۶۔ ۲۷۷) میں ہے۔

۲۔ حدیثِ جابر کی تخریج کے لیے اس کتاب کی حدیث نمبر (۱۹۳) دیکھیں۔

۳۔ حدیثِ فضل بن عباس کو نسائی (۵/ ۲۷۵) اور احمد (۱/ ۲۱۲) نے روایت کیا ہے۔ شیخ احمد شاکر نے تحقیق مسند (۳/ ۲۳۶/ ۱۸۱۵) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

رمی سے فارغ ہوجانے کے بعد اس جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے ہوکر دعا کرنا ثابت نہیں ہے جیسا کہ مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں صحیح سند والے ایک موقوف اثر میں حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ وہ دوسرے دونوں جمروں کے پاس تو کافی دیر کھڑے ہوکر اَللّٰهُ اَكْبَر، سُبْحَانَ الله، اَلْحَمْدُ لِلّٰه کا ذکر کرتے اور اللہ سے دعائیں مانگتے تھے مگر جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ (۳۹۸)

رمی کرتے وقت تمام کنکریاں ایک ایک کر کے مارنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے مٹھی بھر کر ایک مرتبہ ہی ساری کنکریاں پھینک دیں تو اس کی رمی شمار نہیں ہوگی۔

(المغني: ٣/ ٣٨٦)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

«لَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ» (۳۹۹)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ پر رمی کر لی۔“

لہٰذا اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے یومِ نحر وقربانی کو رمی کے بعد تلبیہ کہنا بند کر دینا چاہیے۔

---

(190) ۴۔ حدیث ام جندب کو ابو داود (۱۹۶۶۔ ۱۹۶۷) اور ابن ماجہ (۳۰۳۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند شواہد میں حسن درجے کی ہے۔

(۳۹۸) موطأ (۱/ ۴۰۷) وإسناده صحيح على شرط الشيخين.

(۳۹۹) ۱۔ حدیثُ الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بخاری (۱۵۴۳، ۱۶۸۵) مسلم (۹/ ۲۶، ۲۷) ابو داود (۱۸۱۵) ترمذی (۹۱۸) اور نسائی (۵/ ۲۶۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ اور حدیثِ اسامہ بن زید کو بخاری (۱۵۴۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اہلِ منیٰ کی عید:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ منیٰ میں ہوتے ہوئے بھی ۱۰؍ ذوالحج کو عید پڑھنا مستحب ہے اور وہ با قاعدہ پڑھتے بھی ہیں اور اس پر بعض لفظی وقیاسی عمومات سے استدلال کرتے ہیں جبکہ درحقیقت یہ فعل سنتِ ظاہرہ سے غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے منیٰ میں نمازِ عید ہرگز ہرگز نہیں پڑھی۔ منیٰ میں مقیم حجاج کے لیے جمرۂ عقبہ پر رمی کرنا ایسا ہی ہے جیسے دوسرے شہروں والوں کے لیے عید پڑھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ دوسرے شہروں کے لوگ نمازِ عید اس وقت پڑھیں جب اہلِ منیٰ کا قربانی کا وقت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دس ذوالحج کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس طرح مکہ کے باہر (مدینہ طیبہ) وغیرہ میں نمازِ عید کے بعد خطبہ وغیرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اور جس طرح بیت اللہ شریف کا طواف کرنا مسجدِ حرام کا تحیہ ہے پھر وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح جمرۂ عقبہ پر رمی کرنا منیٰ کا تحیہ ہے، اس کے بعد وہاں نمازِ عید کی دو رکعتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (فتاویٰ ابن تیمیة: ٢٦/ ١٧٠، ١٧١)

② نحر وقربانی کا وقت وطریقہ:

نحر وقربانی کا مسنون وقت جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد شروع ہوتا ہے اور یومِ نحر (۱۰؍ ذوالحج) اور ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳؍ ذوالحج) تک رہتا ہے۔ اس طرح ذوالحج کے چار دنوں میں قربانی جائز ہے کیونکہ مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذِبْحٌ»[٣١٠]

---

[٣١٠] احمد (۴/ ۸۲) ابن حبان (۱۰۰۸) دارقطنی (۴/ ۲۸۴) بیہقی (۵/ ۲۳۹، ۹/ ۲۹۵) اور بزار (۱۱۲۶، ۱۲۰۶)

''تمام ایامِ تشریق میں قربانی جائز ہے۔''

قربانی کا جانور حتی الامکان اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہیے اور یہ ممکن نہ ہو تو دوسرا آدمی بھی مقرر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ (۳۱۱)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے بیک وقت دونوں ہی صورتوں پر عمل فرمایا تھا کہ کچھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کے لیے دے دیے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے:

((ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمَنْحَرِ، فَنَحَرَ ثَلَاثاً وَّسِتِّیْنَ بَدَنَةً بِیَدِہٖ، ثُمَّ اَعْطٰی عَلِیّاً، فَنَحَرَ مَا غَبَرَ)) (۳۱۲)

''پھر آپ ﷺ (جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد) قربان گاہ کی طرف چلے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کیے اور باقی کے (سینتیس اونٹ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کے لیے فرمایا اور وہ انھوں نے ذبح کیے۔''

قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رو کر کے بائیں پہلو پر لٹائیں اور صحیحین میں مذکور حدیث کی رو سے اس کے دائیں پہلو پر اپنا پاؤں رکھیں۔ (۳۱۳)

ذبح و نحر کے وقت صحیح مسلم اور سنن ابو داود میں مذکور حضرت عائشہ و جابر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کی رو سے یہ دعا پڑھیں:

---

(۳۱۱) ملاحظہ ہو نمبر (۳۱۲) میں آنے والی حدیث جابر رضی اللہ عنہ۔

(۳۱۲) دیکھیں نمبر (۱۹۳)

(۳۱۳) بخاری (۵۵۵۸) مسلم (۱۳/ ۲۰، ۱۲۱) ابو داود (۲،۹۴) ترمذی (۱۴۹۴) نسائی (۷/ ۲۲۰، ۲۳۰، ۲۳۱) ابن ماجہ (۳۱۲۰) اِسی طرح اس کو دارمی (۲/ ۷۵) ابن الجارود (۹۰۹) ابن خزیمہ (۲۸۹۵، ۲۸۹۶) اور بیہقی (۵/ ۲۳۸، ۹/ ۲۵۹، ۲۸۳، ۲۸۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّ هَذَا مِنْكَ وَلَكَ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي))(٣١٤)

''اللہ کے نام سے۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! یہ تیری ہی توفیق سے اور تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ! اسے میری طرف سے قبول فرما۔''

اور یاد رہے کہ ''حجِ تمتُّع'' کرنے والوں پر تو قربانی واجب ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾

[البقرة: ١٩٦]

''تم میں سے جو شخص حج کا وقت آنے تک عمرے سے فائدہ اٹھائے وہ حسبِ مقدور قربانی کرے۔''

اور ''حجِ قِران'' کرنے والوں پر بھی صحیح بخاری و مسلم میں مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی رُو سے قربانی کرنا واجب ہے جبکہ ''حجِ مفرد'' والوں پر قربانی واجب تو نہیں البتہ کر لیں تو کارِ ثواب ہے۔(٣١٥)

قربانی نہ ہونے کی صورت میں:

سابقہ حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر کسی کے پاس قربانی نہ ہو اور قربانی کا جانور خریدنے کی طاقت نہ ہو تو وہ تین روزے ایامِ حج میں اور سات روزے وطن واپس لوٹ کر رکھ لے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْياً، فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا

---

(٣١٤) بخاری (١٧١٧) مسلم (٩/ ٦٤، ٦٦) اِسی طرح اس کو ابو داود (١٧٦٩) ابنِ ماجہ (٣٠٩٩) دارمی (٢/٧٤) سب نے ہی ''کتاب الحج'' میں، ابن الجارود (٤٨٢، ٤٨٣) بیہقی (٥/ ٢٤١، ٩/ ٢٩٤) احمد (١/ ٧٩، ١٢٣، ١٣٢، ١٤٣، ١٥٤) اور عبداللہ بن احمد نے ''زوائد المسند'' (١/١١٢) میں روایت کیا ہے۔

(٣١٥) یہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما نمبر (٢٢١) میں گزر چکی ہے۔

رَجَعَ اِلیٰ أَھْلِہٖ)) (۳۶۶)

''جو قربانی نہ پائے وہ ایامِ حج میں تین اور جب اپنے اہلِ خانہ کے پاس جائے تو سات روزے رکھے۔''

اور یہی حکم قرآنِ کریم میں بھی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ [البقرة: ١٩٦]

''جسے قربانی میسّر نہ ہو، وہ تین روزے ایامِ حج میں اور سات روزے واپس جا کر رکھے، اس طرح یہ پورے دس روزے ہوجائیں گے۔ یہ رعایت اُن کے لیے ہے جن کے گھر مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔''

ایامِ حج میں جو تین روزے رکھنے ہوتے ہیں یہ یوم نحر (۱۰/ ذوالحج) کو چھوڑ کر کسی بھی دن رکھے جاسکتے ہیں حتیٰ کہ ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحج) کو رکھ لینا بھی جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

((لَمْ یُرَخَّصْ فِیْ أَیَّامِ التَّشْرِیْقِ أَنْ یَصُمْنَ اِلَّا لِمَنْ لَمْ یَجِدِ الْھَدْيَ)) (۳۶۷)

''ایامِ تشریق میں روزہ رکھنے کی کسی کو اجازت نہیں سوائے اس کے جو قربانی نہ پائے۔''

قربان گاہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منحر (قربان گاہ) میں قربانی کی تھی جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن

---

(۳۶۶) یہ بھی حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہی تخریج نمبر (۲۲۱) میں دیکھیں۔

(۳۶۷) بخاری (۱۹۹۷، ۱۹۹۸) "الصوم"۔ اسی طرح دارقطنی (۲/ ۱۸۵، ۱۸۶) اور بیہقی (۴/ ۲۹۸) نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ابو داود میں مذکور ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا:

((نَحَرْتُ هٰهُنَا، وَمِنٰى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ)) [318]

''میں نے یہاں قربانی کی ہے جبکہ ساری وادی منیٰ ہی جائے قربانی ہے۔ بے شک اپنی اقامت گاہوں پر ہی قربانی کرلو۔''

سنن ابو داود، دارمی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مروی ہے:

((كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ)) [319]

''پورا مکہ ہی راستہ ہے (چاہے جہاں سے داخل ہو جاؤ اور چاہے جہاں سے نکل جاؤ) اور پورا شہرِ مکہ ہی قربان گاہ ہے۔''

ھَدْی (حجاج کی قربانی) میں اشتراک:

اگر کوئی شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ اکیلا ہی جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اونٹ یا گائے کے ساتویں حصے میں شامل ہوجائے کیونکہ یہ سات حُجاج کی طرف سے کفایت کر جاتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ)) [320]

''صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔''

---

[318] مسلم (۸/ ۱۹۵، ابو داود ۱۹۰۸، ۱۹۳۶) بیہقی (۵/ ۱۱۵، ۲۳۹)

[319] ((كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ)) کی تخریج نمبر (۱۴۲) میں گزر چکی ہے۔

[320] اس حدیث کو مالک (۲/ ۴۸۶) ''الضحایا'' مسلم (۹/ ۶۶۔ ۶۷) ''الحج'' ابو داود (۲۸۰۹) ''الأضحیٰ'' ترمذی (۹۰۴، ۱۵۰۲) ''الحج والأضاحی'' اور ابن ماجہ (۳۱۳۲) ''الأضحیٰ'' وغیرہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ تو حج کی قربانی ''ہدی'' کا حکم ہے جبکہ اپنے وطنوں اور گھروں میں جو عیدالاضحیٰ پر قربانی کی جاتی ہے اس میں اونٹ دس آدمیوں (گھروں) کی طرف سے بھی کفایت کر جاتا ہے لیکن گائے سات ہی آدمیوں (گھروں) کی طرف سے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب ''احکام ومسائلِ عیدین وقربانی'' میں دیکھیں جو کہ طبع ہو چکی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

نحر کرنے کا طریقہ:

اونٹ جسے کہ عام جانور کی طرح ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ ''نحر'' کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا اگلا بایاں پاؤں گھٹنے سے باندھ کر اسے تین قدموں پر کھڑا رہنے دیں جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور ابو داود میں مذکور ہے۔ (۳۲۱)

صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مؤطا امام مالک میں موصولاً صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک موقوف اثر میں ہے کہ وہ قربانی کے جانور کو اِشعارِ قربانی لگانے کے لیے جب چھری وغیرہ مارتے تو اسے قبلہ رو کر لیتے تھے۔ (۳۲۲) اس سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ اونٹ کو نحر کرتے وقت قبلہ رو کر لینا چاہیے اور نحر کے وقت بھی وہی دعا کریں جو عام جانور کو قربان کرتے وقت کی جاتی ہے جو کہ گزر چکی ہے۔

(۳۲۱) بخاری (۱۷۱۳) مسلم (۹/ ۶۹) اسی طرح اس کو ابو داود (۱۷۶۸) دارمی (۲/ ۶۶) سب نے ''کتاب الحج'' میں، ابن خزیمہ (۲۸۹۳) اور بیہقی (۵/ ۲۳۷) نے روایت کیا ہے۔ کچھ لفظی فرق سے اس کو طیالسی (۱/ ۳۴۱) اور ابن ابی شیبہ (۴/ ۸۳۔۸۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۳۲۲) بخاری (۳/ ۵۴۲۔ الفتح) میں نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رو کر لیا کرتے تھے۔ بخاری میں یہ اثر تعلیقاً ہے اور اس کو مالک (۱/ ۳۷۹) اور بیہقی نے موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ مرفوع روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کو ابو داود (۲۷۹۵) ابن ماجہ (۳۱۲۱) دارمی (۲/ ۷۵۔ ۷۶) ابنِ خزیمہ (۲۸۹۹) بیہقی (۹/ ۲۸۷) اور احمد (۳/ ۳۷۵) نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

قربانی کے جانور کا گوشت کھانا:

اپنی قربانی کے جانور کا گوشت کھانا بھی سنت ہے؛ چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ کھایا جائے، اور اس میں سے فقیروں اور محتاجوں میں بھی تقسیم کرنا چاہیے کیونکہ سورۂ حج میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: ٣٦]

''پس تم خود (قربانی کا گوشت) کھاؤ اور فقیروں محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔''

اور صحیح مسلم، سنن ابو داود اور ابن ماجہ میں مذکور معروف حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں ہے:

« ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبضْعَةٍ، فَجُعِلَتْ فِي قِدْرٍ، فَطُبِخَتْ، فَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا »(٣٢٣)

''پھر آپ ﷺ نے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کٹوا کر ہنڈیا میں پکوایا اور آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔''

③ حلق (پورا سر منڈوانا) یا تقصیر (کچھ بال کٹوانا):

قربانی سے فارغ ہوکر اپنے سر کے سارے بال منڈوا لیں یا کچھ بال کٹوا لیں؛ دونوں طرح ہی جائز ہے، کیونکہ سورۂ فتح میں دونوں صورتوں کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾ [الفتح: ٢٧]

''اِنْ شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہوگے اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے اور تمھیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔''

اس ارشادِ الٰہی کی رُو سے جائز تو دونوں صورتیں ہی ہیں لیکن سر منڈوانا افضل ہے، کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

---

(٣٢٣) دیکھیں: نمبر (١٩٣)

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ »

''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔''

اور چوتھی مرتبہ فرمایا:

« وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ » (۳۲۴) ''اور بال کٹوانے والوں کی بھی۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر خود نبی اکرم ﷺ کا پورا سر منڈوانا صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے، لہٰذا یہی افضل بھی ہے، جس کی تفصیل صحیح بخاری اور فتح الباری (۳/ ۵۶۱، ۵۶۲) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حلق یا تقصیر کے وقت یہ بات پیشِ نظر رہے کہ بال کاٹنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر کی دائیں طرف سے بال کاٹے یا کٹوائے اور پھر بائیں طرف سے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتٰى مِنٰى، فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنٰى، وَنَحَرَ نُسُكَهٗ، ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ، وَنَاوَلَ الْحَلَّاقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ، ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ، فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ، ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ، فَقَالَ: اِحْلِقْ، فَحَلَّقَهٗ، فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ: اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ » (۳۲۵)

''نبی ﷺ (مزدلفہ سے) منیٰ آئے اور جمرۂ عقبہ پر رمی کی، پھر منیٰ میں اپنی

---

(۳۲۴) بخاری (۱۷۲۸) مسلم (۹/ ۵۱) ابن ماجہ (۳۰۴۳) اور بیہقی (۵/ ۱۳۴) یہ حدیث دیگر متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

(۳۲۵) اس حدیث کو مسلم (۹/ ۵۳، ۵۴) اسی طرح ابو داود (۱۹۸۱، ۱۹۸۲) ترمذی (۹۱۲) ابن الجارود (۴۸۴) ابن خزیمہ (۲۹۲۸) حاکم (۱/ ۴۷۴) بیہقی (۵/ ۱۳۴) احمد (۳/ ۱۱۲، ۲۰۸، ۲۵۶) حمیدی (۱۲۲۰) اور ابن المنذر نے ''الاوسط'' (۲/ ۲۷۴، ۲۷۵) میں روایت کیا ہے۔

اقامت گاہ پر آئے اور قربانی کی، پھر بال کاٹنے والے کو بلایا اور اس کے سامنے اپنے سرِ اقدس کا دایاں پہلو کیا، پھر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ بال انھیں پکڑا دیے، پھر سرِ اقدس کا بایاں پہلو بال کاٹنے والے کی طرف کر کے فرمایا: مونڈو، اس نے وہ پہلو بھی مونڈ دیا، وہ بال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو پکڑائے اور فرمایا: یہ لوگوں میں بانٹ دو۔''

حلقِ رأس کا حکم صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں پر صرف تقصیر ہے، کیونکہ سنن ابو داود و دارمی اور دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

«لَيْسَ عَلَى النِّسَآءِ حَلْقٌ، اِنَّمَا عَلَى النِّسَآءِ التَّقْصِيْرُ» [۳۲۶]

''عورتوں کے لیے سر منڈوانا نہیں ان کے لیے کچھ بال کاٹنا ہی کافی ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قصر کرنا ہو تو بالوں کو جمع یعنی اکٹھے کر کے ان میں سے انگلی کے پَورے کے برابر کاٹ لیے جائیں اور اس میں معمولی کمی بیشی ہو تو بھی حرج نہیں۔ مرد اس سے زیادہ بھی کاٹ سکتے ہیں مگر عورتیں ایک پَورے سے زیادہ نہ کاٹیں۔ (بحواله مناسك الحج والعمرة، ص: ۳۸، تفصیل کے لیے دیکھیے: المغني: ۳/ ۳۹۵)

سر کے بالوں کے بعد ناخن وغیرہ کاٹنا بھی علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق مسنون ہے۔ (زادالمعاد: ۲/ ۲۷۰ محقق)

---

[۳۲۶] ابو داود (۱۹۸۴، ۱۹۸۵) دارمی (۲/ ۶۴) دارقطنی (۲/ ۲۷۱) اسی طرح اس کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۲/ ۲۵۰) میں، بیہقی (۵/ ۱۰۴) اور خطیب بغدادی نے بھی "الموضح" (۱/ ۴۲۷، ۴۲۸) میں روایت کیا ہے۔ اس کو ابو حاتم و بخاری نے قوی اور ابن حجر نے حسن کہا ہے۔ دیکھیں: "علل الحديث لابن أبي حاتم" (۱/ ۲۸۱) "تلخيص الحبير" (۲/ ۲۶۱)

تحلّلِ اول:

ان امور کو انجام دینے کے بعد احرام کھول دیں اور خوشبو وغیرہ لگائیں کیونکہ صحیحین، سنن اربعہ اور موطأ امام مالک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهٖ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ أَنْ يَّطُوْفَ» (۳۷)

''میں آپ ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے اور طوافِ اضافہ (طوافِ زیارت یا طوافِ حج) سے پہلے خوشبو لگایا کرتی تھی۔''

اب صرف بیوی سے ازدواجی تعلق کو چھوڑ کر باقی وہ تمام اشیاء حلال ہوگئیں جو احرام کی وجہ سے حرام تھیں مگر عورت سے تعلق صرف تب حلال ہوتا ہے جب طوافِ افاضہ بھی کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ طوافِ افاضہ سے پہلے والے اس احرام اتارنے کی حالت کو ''تحلّلِ اول'' کہا جاتا ہے اور طواف کرنے کے بعد بیوی سے تعلق بھی حلال ہو جاتا ہے لہٰذا اسے ''تحلّلِ ثانی'' یا ''تحلّلِ کلّی'' کہا جاتا ہے۔

(۴) طوافِ افاضہ یا طوافِ زیارت (طوافِ حج):

یومِ نحر و قربانی (۱۰/ ذوالحج) کو جو چار کام کرنے ہوتے ہیں ان میں سے چوتھا اہم کام ''طوافِ افاضہ'' یا ''طوافِ زیارت'' ہے۔ یہ طواف، حج کا اہم رکن ہے، اسی لیے اسے ''طوافِ حج'' کہا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوگا تو پھر حج ہی نہ ہوگا کیونکہ سورۂ حج میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج : ۲۹]

(۳۷) ان الفاظ سے اس حدیث کو امام مالک (۱/ ۳۲۸) نے روایت کیا ہے اور امام مالک ہی کے طریق سے اس کو بخاری (۱۵۳۹) مسلم (۸/ ۹۹) ابو داود (۱۷۴۵) اور نسائی (۵/ ۱۳۷) نے روایت کیا ہے۔

''اور اس قدیم گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کرو۔''

اس آیت میں جس طواف کا حکم فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہی طواف ہے اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے بقول بلا اختلاف یہ طواف فرض ہے۔

(زاد المعاد لابن القيم: ٢/ ٢٧١، بلوغ الأماني شرح الفتح الرباني: ١٢/ ٢٠٤)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ حیض کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک حاجی اس طواف سے فارغ نہ ہوجائے وہ مکہ مکرمہ سے نہیں نکل سکتا اور اگر کوئی شخص یہ طواف کیے بغیر ہی لوٹ جائے تو اس کا حج مکمل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((مَا أُرَانِي إِلَّا حَابِسَتُكُمْ))[٣٢٨]

''مجھے لگتا ہے کہ یہ تمھیں روک رکھے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انھی الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ طوافِ افاضہ کیے بغیر مکہ مکرمہ سے روانگی جائز نہیں۔

اس طواف کا مسنون وقت:

طوافِ افاضہ کا مسنون وقت تو یوم نحر (۱۰؍ ذوالحج) ہی ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((... وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ))[٣٢٩]

[٣٢٨] بخاری (۱۵۶۱، ۱۷۵۷، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲) مسلم (۸/ ۱۵۳، ۱۵۴، ۹/ ۸۰، ۸۲) اسی طرح اس حدیث کو ابو داود (۲۰۰۳) ترمذی (۹۴۳) دارمی (۲/ ۶۸) ابن ماجہ (۳۰۷۳) اور احمد (۶/ ۸۲، ۸۵، ۸۶، ۹۹، ۱۶۴، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۵، ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۶) وغیرہ نے مختلف سندوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[٣٢٩] بخاری (۱۶۹۱) مسلم (۸/ ۲۱۰) اور بیہقی (۵/ ۱۷، ۱۴۵)

''آپ ﷺ نے یومِ نحر میں قربانی کی اور مکہ مکرمہ چلے گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔''

اس سے بھی واضح الفاظ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

((ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَاَفَاضَ اِلَی الْبَيْتِ، فَصَلّٰی بِمَكَّةَ الظُّهْرَ)) (٣٣٠)

''اس (قربانی کا گوشت کھانے اور شوربا پینے) کے بعد آپ ﷺ سواری پر بیٹھ کر بیت اللہ شریف کی طرف (طواف کے لیے) چلے گئے اور نمازِ ظہر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ہی ادا فرمائی۔''

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یومِ نحر کو ہی طوافِ افاضہ بھی دوپہر کے وقت کر لیا تھا، لہٰذا مسنون تو یہی ہے لیکن اگر کوئی عذر (حیض یا بیماری) ہو تو ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحج) ہی میں سے کسی دن کر لینا چاہیے۔ یہی بہتر ہے ورنہ جب عذر و مجبوری زائل ہو، واپسی سے پہلے پہلے یہ طواف کر لیں اور اس تاخیر پر کوئی فدیہ بھی نہیں۔ (المغني: ٣/ ٣٩٦، بلوغ الأماني: ١٢/ ٢٠٤، ٢٠٥)

طوافِ افاضہ کا طریقہ و آداب:

اس طوافِ افاضہ کا طریقہ اور آداب وہی ہیں جن کا ذکر طوافِ قدوم (طوافِ عمرہ، طوافِ ورود یا طوافِ تحیہ) میں گزر چکا ہے سوائے اس کے کہ اس میں رمل اور اضطباع مشروع نہیں ہے کیونکہ سنن ابو داود و ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ اَفَاضَ فِيْهِ)) (٣٣١)

---

(٣٣٠) اس حدیث کی تخریج کے لیے نمبر (١٩٣) دیکھیں۔

(٣٣١) ابو داود (٢٠٠١) ابن ماجہ (٣٠٦٠) ابن خزیمۃ (٢٩٤٣) حاکم (١/ ٤٧٥) نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن خزیمہ نے اس (١٩٠)

''نبی ﷺ نے طوافِ افاضہ میں رمل چال اختیار نہیں فرمائی۔''

اضطباع کی غرض بحالتِ احرام رمل چال چلنے میں آسانی پیدا کرنا ہے لہٰذا اب احرام ہی نہیں تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ حجِ تمتُّع کرنے والوں کے لیے تو اس طواف کے بعد سعی کرنا بھی ضروری ہے جبکہ حجِ قِران اور حجِ مفرد کرنے والوں کے لیے پہلے ''طوافِ قدوم'' کے ساتھ کی گئی سعی ہی کافی ہے کیونکہ سنن ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿ مَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ اَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعْيٌ وَاحِدٌ عَنْهُمَا، يَحِلُّ مِنْهُمَا جَمِيْعاً ﴾ (۳۳۲)

''جس نے حج و عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا، اسے صرف ایک طواف اور ایک سعی ہی کفایت کر جاتی ہے حتیٰ کہ وہ ان دونوں کا احرام کھول دے۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ حیض والی صحیح حدیث بھی اس کی شاہد ہے۔ (۳۳۳)

اس طواف کے بعد بلکہ ہر مرتبہ طواف کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر دو

---

(۱۹۰) کو صحیح کہا ہے۔ حاکم نے اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر اس کی سند میں ابن جریج ہیں اور یہ مدلس ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو عطاء سے بیان کرتے ہوئے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے مگر شیخ البانی کے کہنے کے مطابق ابن جریج عطاء سے اگر کسی روایت کو لفظ "عن" سے بھی بیان کریں تو اسے سماع پر محمول کیا جائے گا۔ دیکھیں: "ارواء الغلیل" (۳/ ۹۷/ ۶۳۹)

(۳۳۲) اس حدیث کو ترمذی (۹۴۸) ابن ماجہ (۲۹۷۵) ابن خزیمہ (۲۷۴۵) ابن حبان (۹۹۳) ابن الجارود (۴۶۰) اور بیہقی (۵/ ۱۰۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن خزیمہ و ابن حبان نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام طحاوی نے اس حدیث میں کلام کیا ہے مگر حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (۳/۴۹۴، ۴۹۵) میں ان کا رد کیا ہے۔

(۳۳۳) اس کی تخریج کے لیے نمبر (۲۲۵) دیکھیں۔

رکعتیں پڑھیں، کیونکہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور مصنف عبدالرزاق میں موصولاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

((عَلَىٰ كُلِّ سُبُعٍ رَكْعَتَانِ)) (۳۳۴)

''طواف کے ہر سات چکروں کے بعد دو رکعتیں ہیں۔''

بخاری میں تعلیقاً اور مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ میں موصولاً امام زہری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۳۳۵)

ان دو رکعتوں سے فارغ ہوکر روزہ نہ ہو تو جی بھر کر آبِ زمزم پیئیں اور پھر استلامِ حجرِ اسود کے بعد طوافِ قدوم وسعی کے ضمن میں گزری تفصیل کے مطابق صفا و مروہ کے مابین سعی کریں۔ اب اس سعی کے بعد حلق یا تقصیر کسی کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ منیٰ میں یہ کام کرکے آپ احرام اتار چکے ہیں۔

(۳۳۴) اس کو بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۳/۴۸۴- الفتح) عبدالرزاق (۹۰۰۱۲) اور عبدالرزاق سے فاکہی (۱/ ۲۱۸) نے موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۳۵) اس کو عبدالرزاق (۸۹۹۴) ابن ابی شیبۃ (۳/ ۳۴۷- دارالتاج) فاکہی (۱/۳۳۱) اور عقیلی (۳/ ٦٦) نے مختلف سندوں سے زہری سے روایت کیا ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔

تنبیہ: زہری سے ہی مروی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک موصول روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے تین طواف کیے اور آخر میں چھ رکعت (اکٹھی ہی) ادا کیں۔ اسے عقیلی نے روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ۳/ ٦٦) مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے، کیونکہ اسے زہری سے بیان کرنے والا عبدالسلام بن ابی الجنوب ہے اور یہ سخت ضعیف ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حبان نے "المجروحین" (۳/۱۴۳) میں مسور بن مخرمہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ! میں نے دو طواف کیے اور پھر چار رکعتیں ادا کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَحْسَنْتَ)) ''تو نے اچھا کیا۔'' مگر اس کی سند بھی یاسین بن معاذ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

تحلّلِ ثانی یا تحلّلِ کلّی:

طوافِ افاضہ اور سعی کر لینے کے بعد حجاج پر میاں بیوی کے تعلقات سمیت ہر وہ چیز حلال ہوجاتی ہے جو احرام کی وجہ سے حرام تھی کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

((... حَتّٰى قَضٰى حَجَّهٗ، وَنَحَرَ هَدْيَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ، وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ))٣٣٦

''یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حج مکمل کرلیا اور یومِ نحر میں قربانی دے لی اور بیت اللہ کا ''طوافِ افاضہ'' بھی کر لیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز کو حلال کر لیا جو (احرام کی وجہ سے) حرام تھی۔''

اور اسے ہی ''تحلّلِ ثانی'' کہا جاتا ہے۔ جسے آپ ''تحلّلِ کلّی'' بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ''تمام اشیاء'' حلال ہو جاتی ہیں۔

❀❀❀

---

٣٣٦ بخاری (١٦٩١،١٦٩٢) مسلم (٨/ ٢١٠، ٢١١) اور بیہقی (٥/ ١٧، ١٨)

ایّامِ تشریق کی مصروفیات

قیامِ منیٰ:

طوافِ افاضہ اور صفا ومروہ کے مابین سعی کر کے پھر منیٰ کی طرف ہی لوٹ جائیں اور ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحج) کے شب و روز وہیں رہیں۔ کیونکہ سنن ابو داود، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

《 اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ آخِرِ یَوْمٍ حِیْنَ صَلَّی الظُّهْرَ، ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی مِنیٰ، فَمَکَثَ بِهَا لَیَالِيَ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ 》[۳۱۲]

''نبی ﷺ نے نمازِ ظہر کے بعد طوافِ افاضہ کیا پھر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور ایامِ تشریق کی راتیں منیٰ میں ہی گزاریں۔''

زیارت وطوافِ کعبہ:

ان تین ایام کے دوران یہ جائز ہے کہ ہر روز رات کو مکہ مکرمہ جائے اور (زیارتِ کعبہ کے علاوہ) طواف بھی کرلے، یہ چیز خود نبی اکرم ﷺ کے عملِ مبارک سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور معجم طبرانی کبیر، سنن بیہقی اور

---

[۳۱۲] اس حدیث کو احمد (۶/ ۹۰) ابو داود (۱۹۷۳) ابن خزیمہ (۲۹۵۶، ۲۹۷۱) ابن حبان (۱۰۱۳) ابن الجارود (۴۹۲) دارقطنی (۲/ ۲۷۴) حاکم (۱/ ۴۷۷، ۴۷۸) اور بیہقی (۵/ ۱۴۸) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں اور یہ مدلّس ہیں مگر انھوں نے ابن حبان کے ہاں تحدیث کی صراحت کی ہے لہٰذا یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ امام حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

مشکل الآثار طحاوی میں موصولاً مروی ہے:

((كَانَ ﷺ يَزُورُ الْبَيْتَ كُلَّ لَيْلَةٍ مِنْ لَيَالِي مِنًى))[٣٣٨]

''آپ ﷺ منیٰ سے ہر رات کو بیت اللہ کی زیارت وطواف کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔''

ذِکر وعبادت:

منیٰ میں قیام کا عرصہ ذکر وعبادت میں گزاریں کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ [البقرة: ٢٠٣]

''اِن گنتی کے دنوں (ایامِ منیٰ) کو ذکرِ الٰہی میں بسر کریں۔''

مسجدِ خیف میں نمازیں:

ممکن ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان ایام کی نمازیں منیٰ میں واقع ''مسجدِ خیف'' میں ادا کی جائیں کیونکہ اس سلسلے میں معجم طبرانی کبیر و اوسط اور المختارۃ للضیاء المقدسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً حدیث مروی ہے جسے امام منذری رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے اور شیخ البانی نے ان کی تائید کی ہے۔ (دیکھیے: تحذير الساجد من اتخاذ القبور المساجد، ص: ٧٣)

نیز ''أخبار مكة'' للازرقي (ص: ٣٥) سے ایک دوسرا موقوف طریق بھی ذکر کیا ہے جس میں ہے:

((صَلّٰى فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا))[٣٣٩]

---

[٣٣٨] دیکھیں: سلسلة الأحاديث الصحيحة (٢/ ٤٥٦) ومناسك الحج والعمرة (ص: ٤١) [مؤلف]

[٣٣٩] مرفوع حدیث کو فاکہی نے ''اخبارِ مکۃ'' (٤/ ٢٦٦) میں، طبرانی نے ''المعجم الكبير'' (١١/ ٤٥٣) میں روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے ''تحذير الساجد'' میں اس کو طبرانی کبیر کے علاوہ اوسط (١/ ١١٩/ ٢۔ زوائدہ) اور مقدسی کی ''الأحاديث المختارة'' وغیرہ ⑲⓪

''مسجدِ خیف میں ستّر انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے۔''

منیٰ میں قیام کے دوران نمازِ ظہر وعصر اور عشاء قصر کرکے (دوگانہ) پڑھنا مسنون ہے کیونکہ صحیحین، سنن ابو داود ونسائی اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمِنىٰ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِيْ بَكْرٍ رضي الله عنه رَكْعَتَيْنِ وَ مَعَ عُمَرَ رضي الله عنه رَكْعَتَيْنِ» [۳۳۹]

''میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ منیٰ میں دو دو رکعتیں پڑھیں۔''

---

(190) کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عطاء بن السائب ہیں آخر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا اور اس حدیث کو ان سے بیان کرنے والے محمد بن فضیل ہیں اور ان کی عطاء سے روایات ضعیف ہیں، بلکہ ابوحاتم نے کہا ہے کہ محمد بن فضیل کی عطاء سے جو روایات ہیں ان میں غلطی اور اضطراب پایا جاتا ہے، اس نے وہ اشیاء جنھیں عطاء تابعین سے روایت کرتا ہے، صحابہ سے منسوب کر دی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ''الجرح والتعديل'' (۶/۳۳۴) و ''تهذيب التهذيب''۔ موقوف روایت کو ازرقی نے ''اخبارِ مکہ'' (۱/ ۶۹، ۲/۱۷۴) میں اور فاکہی نے بھی ''اخبارِ مکہ'' (۴/ ۲۶۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند اشعث بن سوار کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ازرقی نے ابن عباس سے اسے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۱/۲/۷۳، ۲/۷۳) مگر اس سند میں ایک مجہول راوی ہے۔

شیخ البانی نے ''تحذير الساجد'' میں مرفوع اور موقوف دونوں کو ملا کر اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ واللہ اعلم

اس بارے میں سعید بن المسیب اور مجاہد سے بھی مقطوع روایتیں مروی ہیں یعنی ان کے اپنے اقوال ہیں مگر دونوں قول ضعیف ہیں۔

سعید بن المسیب کے قول کو فاکہی (۴/ ۲۶۸، ۲۶۹) نے روایت کیا ہے۔ اور مجاہد کے قول کو فاکہی اور ازرقی (۲/۱۷۴) نے روایت کیا ہے اس قول میں ستّر کی بجائے پچھتر نبیوں کا ذکر ہے۔

(۳۳۹) بخاری (۱۰۸۴، ۱۶۵۷) كتاب. تقصير الصلاة، و كتاب الحج، مسلم (۵/ ۲۰۴) کتاب ''صلوة المسافرين'' ابوداود (۱۹۶۰) ''الحج'' نسائی (۳/ ۱۲۰) ''تقصير الصلوة''

دو دن یا تین دن رَمی:

افضل تو یہ ہے کہ ذوالحج کے ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳) منیٰ میں گزارے اور تینوں دن ہی تینوں جمرات پر رَمی کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تینوں دن ہی رَمی کی تھی جیسا کہ سنن ابو داود، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

«ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی مِنَیٰ فَمَکَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ»(۳۳۱)

''(طوافِ افاضہ کے بعد) آپ ﷺ منیٰ لوٹ آئے اور ایامِ تشریق کی راتیں وہیں رہے۔''

اس حدیث میں ''لیالی'' اور ''ایام'' دونوں ہی جمع کے صیغے ہیں جو تین یا تین سے زیادہ کے عدد پر بولے جاتے ہیں۔لیکن اگر کسی وجہ سے صرف پہلے دو دن (۱۱، ۱۲ ذوالحج) منیٰ میں گزار کر اور صرف دو ہی دنوں کی رَمی پر کفایت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ چلا جائے تو اسے اس کی اجازت ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ [البقرة: ۲۰۳]

''جو شخص جلدی کر کے دو ہی دنوں (کی رَمی کے) بعد واپس آ گیا، اسے کوئی گناہ نہیں۔''

البتہ جو شخص دو دنوں کی رَمی کر کے ۱۲/ ذوالحج کو لوٹنا چاہے اُسے مغرب سے پہلے پہلے منیٰ سے نکل جانا چاہیے اور اگر وہیں (خیمے اور قیام گاہ وغیرہ) مغرب ہوگئی تو پھر ضروری ہے کہ وہیں رک جائے اور اگلے دن کی رَمی کر کے لوٹے۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع شرح المہذب (۸/ ۲۸۳) میں مذکورہ آیت کے لفظ ﴿يَوْمَيْنِ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ ''یَوم'' کا اطلاق دن پر ہوتا ہے نہ کہ رات پر۔ (لہٰذا رات ہونے سے پہلے پہلے نکلے

---

(۳۳۱) اس کی تخریج ابھی (۳۲۷) ہی میں گزری ہے۔

تو ٹھیک ورنہ نہیں) اِسی طرح انھوں نے حضرت عمر اور ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہما کا قول بھی نقل کیا ہے؛ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''جسے منیٰ میں ہی شام ہوجائے وہ صبح (تیسرے دن) تک رک جائے اور (رمی کرکے ہی) لوگوں کے ساتھ منیٰ سے روانہ ہو۔'' جبکہ مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا يَنفِرَنَّ حَتّٰى يَرْمِيَ الْجِمَارَ مِنَ الْغَدِ»[۳۳۲]

''اگلے دن (۱۳/ذوالحج) کی رمیٔ جمار کیے بغیر واپس نہ لوٹے۔''

یہی اثر موطأ امام محمد (ص: ۲۳۳ مع التعليق الممجد) میں بھی مروی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اِسے ہی اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور عام فقہاء کا قول ہے۔ (بحوالہ مناسک الحج والعمرہ، ص: ۴۰، نیز دیکھیے: المغنی: ۳/ ۴۰۷)

وجوبِ قیامِ منیٰ:

ام المومنین صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ سابقہ حدیث کی شرح میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

① اس حدیث کے الفاظ: «فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ» سے جمہور علماء امت نے یہ دلیل لی ہے کہ منیٰ میں ان دنوں قیام کرنا واجب ہے اور یہ جملہ مناسکِ حج میں سے ایک ہے۔

② جمہور کی دوسری دلیل حضرت عاصم بن عدوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے اصحابِ سنن، ابنِ حبان، احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے؛ جس میں وہ فرماتے ہیں:

«اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ لِلرُّعَاءِ اَنْ يَّتْرُكُوا الْمَبِيْتَ بِمِنًى»[۳۳۳]

---

[۳۳۲] موطأ (۱/ ۴۰۷) واسنادہٗ صحیح

[۳۳۳] اس حدیث کو مذکورین کے علاوہ مالک (۱/ ۴۰۸) دارمی (۲/ ۶۱) اور ابن، خزیمہ (۲۹۷۵) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

''نبی ﷺ نے بکریاں اور اونٹ چرانے والوں کومنیٰ میں یہ راتیں نہ گزارنے کی رخصت دے دی۔''

رخصت کا مقابل عزیمت ووجوب ہے اور یہ اجازت واِذن ایک خاص علّتِ مذکورہ کی وجہ سے حاصل ہوا اور اگر ایسا کوئی سبب نہ ہوتو ترکِ قیامِ منیٰ کی اجازت بھی نہیں ہے۔

۳ تیسری دلیل صحیح بخاری ومسلم میں مذکورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے؛ جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

«اِسۡتَأۡذَنَ الۡعَبَّاسُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ أنۡ يَّبِيۡتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنىٰ مِنۡ اَجۡلِ سِقَايَتِهٖ فَأَذِنَ لَهٗ» [۳۳۳]

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایامِ منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی اجازت طلب کی جو ان کی ذمہ داری سقاية الحاج (حاجیوں کو پانی پلانے) کی وجہ سے تھی تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔''

البتہ قیامِ منیٰ کے ترک کرنے پر وجوبِ دَم (فدیہ) پر اختلاف رائے ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ہر رات کے بدلے میں ایک دم ہے۔ (یعنی کم از کم دو جانور ذبح کرے) بعض فقہاء نے ہر رات کے بدلے بطورِ کفارہ ایک درہم صدقہ کرنے اور بعض نے ہر رات کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا کہا ہے جبکہ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک تینوں راتوں کے عوض صرف ایک دم ہے لیکن امام احمد رحمہ اللہ سے دوسری اور مشہور روایت میں، ایسے ہی حنفیہ کے نزدیک ترکِ قیامِ منیٰ پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ (نیل الأوطار: ۳/ ۵/ ۸۰)

---

[۳۳۳] ا۔ حدیثِ ابن عباس۔ بخاری (۱۶۳۵)

۲۔ حدیث ابن عمر۔ بخاری ومسلم (۹/ ۶۲۳۔۶۳) وغیرہ

ایامِ تشریق کی رَمی کا وقت:

ایامِ تشریق کی رَمیٔ جمار کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

((... یَرْمِي الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ))(۳۳۵)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد رمیٔ جمار کرتے تھے۔''

اس کی تائید بعض دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً سنن ترمذی و ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْجِمَارَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ))(۳۳۶)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب کے بعد رمی جمار کی۔''

صحیح بخاری اور سنن ابو داود میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((کُنَّا نَتَحَیَّنُ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَیْنَا))(۳۳۷)

''ہم انتظار کرتے اور جب آفتاب سر سے ڈھل جاتا تو رمی کرتے تھے۔''

ان احادیث کی بنا پر جمہور اہلِ علم کا تو یہی مسلک ہے جبکہ احناف اور امام اسحاق بن راہویہ کے نزدیک تیسرے دن کی رمی سورج ڈھلنے سے پہلے بھی جائز ہے مگر یہ احادیث ان کی تردید کر رہی ہیں۔ البتہ یوم نحر (۱۰/ ذوالحج) کی رمی کا وقت طلوعِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے:

((رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْجَمْرَةَ یَوْمَ النَّحْرِ ضُحیً، وَأَمَّا بَعْدَ

---

(۳۳۵) اس حدیث کی مفصل تخریج (۳۳۷) میں گزر چکی ہے۔

(۳۳۶) ترمذی (۸۹۸) ابن ماجہ (۳۰۵۴)

(۳۳۷) بخاری (۱۷۴۶) ابو داود (۱۹۷۲)

ذٰلِكَ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ »[۳۳۸]

''نبی ﷺ نے یومِ نحر کو صبح کے وقت رمی کی اور اس کے بعد (ایامِ تشریق میں) زوالِ آفتاب کے بعد۔''

رمیٔ جمار کا طریقہ:

جو شخص یومِ نحر کے علاوہ تین دن ایامِ تشریق میں جمرات پر رمی کرے گا اس کی کل ستر (۷۰) کنکریاں بنیں گی۔ ایامِ منیٰ کے دوران ہر روز تینوں جمرات پر رمی کریں کیونکہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم میں موصولاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔[۳۳۹]

ہر جمرے پر سات سات کنکریوں سے رمی کرنا ضروری ہے اور وہ بھی بالترتیب، پہلے جمرۂ اولیٰ (یا صغریٰ) پھر جمرۂ وسطیٰ اور پھر جمرۂ کبریٰ (یا عقبہ) پر۔ اس کا طریقہ وآداب متعدد احادیث میں یوں مروی ہے۔

صحیح بخاری وسنن بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب جمرۂ اولیٰ پر رمی کرتے (جو کہ مسجدِ خیف کے قریب ہے) تو اس پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے، پھر تھوڑا سا بائیں جانب ہو جاتے اور قبلہ رو کھڑے ہو کر طویل عرصہ تک ہاتھوں کو اُٹھائے دعا فرماتے۔ پھر دوسرے (یعنی جمرۂ وسطیٰ) پر بھی اسی طرح رمی اور دعا کرتے، پھر تیسرے جمرے پر آتے جو کہ عقبہ کے پاس ہے (اور جمرۂ عقبہ یا کبریٰ کہلاتا ہے) اس پر بھی سات ہی کنکریوں سے رمی فرماتے اور ہر کنکری کے ساتھ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' بھی کہتے مگر:

---

[۳۳۸] مسلم (۹/ ۴۷۔ ۴۸) ابو داود (۱۹۷۱) ترمذی (۸۹۴) نسائی (۵/ ۲۷۰) ابن ماجہ (۳۰۵۳) اور دارمی (۲/ ۶۱) وغیرہ نے اس حدیث کو جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[۳۳۹] اس کی تخریج (۳۰۳) میں دیکھیں۔

((وَلَا يقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ)) (۳۵۰)

''وہاں (دعا کے لیے) کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ چلے جاتے تھے۔''

ایسے ہی یہی طریقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی ہے جو کہ سنن ابو داود، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کے حوالے سے گزری ہے۔ اس میں مذکورۂ سابقہ الفاظ کے آگے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اور دوسرے جمرے کو سات سات کنکریوں سے رمی کی اور دونوں کی رمی کے بعد ایک طرف کھڑے ہوکر طویل وقت تک دعا فرمائی مگر تیسرے پر رمی کے بعد کھڑے نہیں ہوئے اور نہ دعا کی۔ (۳۵۱)

رمیٔ جمرات کے لیے سواری:

جمرات کی رمی کے لیے جاتے وقت سواری پر بیٹھنا جائز ہے اور پیدل جانا بھی۔ البتہ مستحب و افضل یہ ہے کہ یومِ نحر کی رمی کے وقت تو چاہے سواری استعمال کر لی جائے مگر باقی دنوں (ایامِ تشریق) میں پیدل جایا جائے کیونکہ سنن ابو داود اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملتے جلتے الفاظ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یومِ نحر میں جمرۂ عقبیٰ کی رمی کے لیے تو سوار ہوکر گئے مگر ایامِ تشریق میں پیدل ہی آتے اور جاتے تھے۔ (۳۵۲)

---

(۳۵۰) بخاری (۱۷۵۱، ۱۷۵۳) بیہقی (۵/ ۱۴۸) احمد (۲/ ۱۵۲) اس حدیث کو نسائی (۵/ ۲۷۶، ۲۷۷) دارمی (۲/ ۶۳) ابن خزیمہ (۲۹۷۲) ابن حبان (۱۰۱۴۔ زوائد) دارقطنی (۱/ ۲۷۵) اور حاکم (۱/ ۴۷۸) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۳۵۱) دیکھیں (۳۳۷)

(۳۵۲) ابو داود (۱۹۶۹) بیہقی (۵/ ۱۳۱) اس حدیث کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اس میں ایک راوی، عبداللہ بن عمر العمری ہیں۔ علّامہ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (۲/ ۴۶۵) میں اس کے بارے میں یہ کہا ہے: ''صَدُوقٌ فِي حِفْظِهِ شَيْءٌ'' اور ''المغنی'' (۱/ ۳۴۸) میں کہا ہے: ''صَدُوقٌ حَسَنُ الْحَدِيثِ''

رَمی کے لیے وکیل مقرر کرنا:

یومِ نحر اور ایامِ تشریق میں جمرات پر اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ کمزوروں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا وہاں خود جا کر رمی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں بعض لوگ اپنے کسی ضعیف یا بوڑھے کو جمرات پر پہنچانے کے لیے بڑا عجیب طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ صرف ایک شخص یا بعض خواتین کی خاطر وہ ہزاروں لوگوں کو دھکیلتے اور پھینکتے جاتے ہیں حالانکہ یہ رویہ نہ تو حجرِ اسود کے بوسہ کے لیے ہی درست ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی حضرت عمرِ فاروق ﷺ کو وصیّت ''طوافِ قدوم'' کے ضمن میں گزری ہے، اور نہ ہی یہ طریقہ جمرات پر مناسب ہے بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تو اِسے مکروہ قرار دیتے ہوئے ترمذی شریف میں ایک باب ہی یوں منعقد کیا ہے: "بابُ ماجاء فِي كراهية طَرد الناسِ عندَ رمي الجمارِ" اس باب کے تحت ہی وہ حضرت قدامہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث لائے ہیں جو کہ سنن نسائی و ابن ماجہ میں بھی مروی ہے؛ جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَرْمِي الْجِمَارَ عَلٰى نَاقَتِهٖ لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ» (۳۵۳)

''میں نے نبی ﷺ کو اپنی اونٹنی پر بیٹھے (یومِ نحر کی) رمی کرتے ہوئے دیکھا مگر وہاں کوئی مار دھاڑ، دھکم پیل، اور ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ کا شور نہیں تھا۔''

(۳۵۳) ترمذی (۹۰۳) نسائی (۵/ ۲۷۰) "باب الركوب إلى الجمار" ابن ماجہ (۳۰۳۵) "باب رمی الجمار" اسی طرح اس حدیث کو طیالسی (۱/ ۲۲۳) احمد (۳/ ۴۱۳) دارمی (۲/ ۶۲) فاکہی (۴/ ۲۸۷) ابن خزیمہ (۲۸۷۸) طبرانی نے "المعجم الكبير" (۱۹/ ۳۸) میں، ابن عدی (۱/ ۴۲۴۔ ۴۲۵) ابوالشیخ نے ''الاخلاق'' (۵۶) میں، ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۷/ ۱۱۸) میں، بیہقی (۵/ ۱۳۰) اور البکری نے بھی ''الاربعین'' (۱۳۷) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ ترمذی اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے کمزوروں، بوڑھوں، ضعیف عورتوں اور بچوں کی اپنی طرف سے رمی کرنے کے لیے انھیں کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دینا چاہیے اور خود اپنے خیموں ہی میں رہنا چاہیے۔ (فقه السنة: ١/ ٧٣٥)

وکیل کو چاہیے کہ وہ جس جمرے پر جائے؛ وہاں پہلے ایک ایک کر کے اپنی کنکریاں مارے اور پھر اُسی طرح ہی اپنے موکل کی کنکریاں بھی مارے۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ تمام کنکریاں ایک ایک کر کے مارنا ضروری ہے اور اگر کسی نے مٹھی بھر کر اکٹھی ہی کنکریاں مار دیں تو یہ رمی شمار نہیں ہوگی جیسا کہ یومِ نحر کی ''رمی جمرۂ عقبہ'' کے ضمن میں بھی گزر چکا ہے۔ (نیز دیکھیے: المغنی: ٣/ ٢٨٦)

رمی میں وکیل مقرر کرنے کے سلسلے میں بعض روایات بھی مروی ہیں مگر ان کی اسناد متکلّم فیہ ہیں، مثلاً سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے جس کی سند کے ایک راوی اشعث بن سوار کو محدّثین نے ضعیف کہا ہے۔
(كما في نيل الأوطار: ٢/ ٤/ ٢٩٤)

اس روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ومَعَنَا النِّسَآءُ وَالصِّبْيَانُ، فَلَبَّيْنَا عَنِ الصِّبْيَانِ، وَرَمَيْنَا عَنْهُمْ)) [٣٥٣]

''ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ہم نے بچوں کی طرف سے تلبیہ بھی کہا اور ان کی طرف سے رمی بھی کی۔''

ایسے ہی ترمذی میں ایک روایت ہے جس میں عورتوں کی طرف سے تلبیہ کہنے

---

[٣٥٣] مذکورین کے علاوہ اس حدیث کو طبرانی نے ''الاوسط'' (٨٩٦) میں بھی روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (٩٢٧) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں ہے کہ ہم عورتوں کی طرف سے تلبیہ کہا کرتے تھے اور بچوں کی طرف سے رَمی کیا کرتے تھے۔

اور بچوں کی طرف سے رمی کرنے کا ذکر ہے۔اس کی سند کے علاوہ متن بھی متکلّم فیہ ہے اور ابن القطان نے کہاہے کہ اس سے ابن ابی شیبہ والی (مذکورہٗ) روایت کا متن صحیح ہونے کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ عورت کی طرف سے تلبیہ نہیں کہا جاسکتا، اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (نیل الاوطار ایضاً)

غرض یہ حدیث تو ضعیف السند ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے دوسروں کی طرف سے رمی کرنے کا ثبوت ملتاہے۔ اور ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦]

''اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر کہ تم میں اس کی استطاعت ہے۔''

یہ بھی جوازِ وکالت کی دلیل ہے کہ بچے، بیمار اور کمزور وحاملہ عورتیں رمی جمرات کی استطاعت نہیں رکھتیں اور رمی کے وقت کے فوت ہوجانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا بھیڑ کم ہونے کا انتظار بھی ممکن نہیں ہوتا اور اس کی قضا بھی نہیں جبکہ اس کے برعکس طواف وسعی کا وقت فوت نہیں ہوتا اور وہاں بھیڑ کم ہونے کے انتظار کی گنجائش ہوتی ہے اور وقوفِ عرفات ومزدلفہ ومنیٰ کا وقت فوت ہوسکتاہے مگر وہاں بہرحال سب پہنچ سکتے ہیں، اگرچہ معمولی مشقّت ہی اُٹھانی پڑے بخلاف اس رمی کے۔ اور ویسے بھی رمی میں وکیل بنانا سلف صالحین سے ثابت ہے۔ (التحقيق لابن باز، ص: ٥٠)

عذر کی وجہ سے:

عذر وضرورت اور مجبوری کی بنا پر منیٰ کا قیامِ شب معاف ہے جیسا کہ قریب ہی صحیح بخاری ومسلم کے حوالے سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت دینے کا ذکر گزرا ہے کہ سقایۃ الحجاج کی ذمہ داری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رخصت دے دی تھی۔ (٣٥٥)

---

(٣٥٥) دیکھیں: (٣٤٤)

ایسے ہی اونٹ اور بکریاں چرانے والوں کو بھی آپ ﷺ نے یہ اجازت بھی دی تھی کہ وہ ایک دن ریوڑ چرالیں اور ایک دن رمی کرلیں یعنی وہ دو دن کی رمی ایک ہی دن کرسکتے ہیں جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ اور دیگر کتب میں مروی ہے۔ (۳۵۶)

❀ ❀ ❀

(۳۵۶) دیکھیں: (۳۴۳)

بچوں کا حج وعمرہ

بڑوں کی نسبت حج وعمرہ کے احکام ومسائل تو ضروری حد تک ذکر ہوگئے ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے حج کا تذکرہ بھی کر دیا جائے۔

بچوں کے حج کا صحیح اور کارِثواب ہونا:

بعض لوگ (سعودی عرب میں مقیم ہوتے ہوئے بھی) حج پر جاتے وقت اپنے بچوں کو ساتھ نہیں لے جاتے اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ان پر کون سا حج فرض ہے اور پھر تمام مناسکِ حج کی ادائیگی میں انھیں ساتھ ساتھ لیے پھرنا باعثِ مشقت بھی ہے۔ باتیں تو یہ دونوں ہی صحیح ہیں کہ نہ تو ان پر حج فرض ہے اور نہ ہی ان کا ساتھ لے جانا مشقت سے خالی ہوتا ہے۔لیکن اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بچے کو اپنے ساتھ حج کروانا بہت ہی برکت وفضیلت اور اجروثواب کا موجب اور فوائد وثمرات کا باعث ہے۔ پھر ان کا حج صحیح بھی ہوتا ہے کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْباً بِالرَّوْحَآءِ فَقَالَ: مَنِ الْقَوْمُ ؟»

''نبی ﷺ (حجۃ الوداع کے موقع پر) روحاء کے مقام پر ایک قافلے سے ملے تو پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا: ہم مسلمان ہیں، اور ساتھ ہی انھوں نے سوال کر دیا کہ آپ کون ہیں؟ جس پر رسولِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں۔''

جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

((فَرَفَعَتُ اِلَيُهِ الُمَرُأَةُ صَبِيّاً فَقَالَتُ:اَلِهَذَا حَجٌّ ؟))

''ایک عورت نے آپ ﷺ کی طرف ایک بچے کو اٹھایا اور پوچھا: کیا اس کا حج ہے؟''

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((نَعَمُ، وَلَكِ أَجُرٌ)) (۳۵۷)

''ہاں، اور تجھے اس کا ثواب ہوگا۔''

اس حدیث میں ان لوگوں کے نبی ﷺ کو نہ پہچاننے اور سوال کرنے کہ آپ کون ہیں؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یا تو یہ ملاقات رات کے اندھیرے میں ہوئی ہوگی اور وہ لوگ آپ ﷺ کو پہچان نہ پائے ہوں گے۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ملاقات تو دن کو ہی ہوئی ہو مگر وہ لوگ آپ ﷺ کو نہ پہچانتے ہوں کہ اپنے اپنے شہروں اور علاقوں میں وہ لوگ مسلمان تو ہو چکے ہوں مگر ہجرت کر کے ابھی مدینہ نہ پہنچے ہوں اور اس سے پہلے ابھی آپ ﷺ کو نہ دیکھ پائے ہوں، اور ان کا شمار ان لوگوں میں سے ہو جن کی طرف نبی اکرم ﷺ کی طرف سے منادی کی آواز پہنچی ہو کہ اس سال آپ ﷺ حج پر جانے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے اس اعلان پر تو صحیح مسلم ہی کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مذکور ہے:

---

(۳۵۷) اس حدیث کو مسلم (۹/ ۹۹، ۱۰۰) اسی طرح مالک (۱/ ۴۲۲) ابو داود (۱۷۳۳) نسائی (۵/ ۱۲۰، ۱۲۱) ابن خزیمہ (۳۰۴۹) بیہقی (۵/ ۱۵۵، ۱۵۶) طیالسی (۱/ ۲۰۴) احمد (۱/ ۱۲۹، ۲۴۴، ۲۸۸، ۳۴۴) اور ابو یعلی (۲۴۰۰) نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کو ترمذی (۹۲۴) ابن ماجہ (۲۹۱۰) طبرانی نے ''الاوسط'' (۶۳۷، ۱۲۷۹) میں، ابن جمیع نے ''معجم الشیوخ'' (ص: ۲۲۴) میں اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی صحیح حدیث ہے۔

((فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ)) ۳۵۸

''ایک خلقِ کثیر مدینہ منورہ پہنچ گئی تھی۔''

لہٰذا ممکن ہے کہ آپ ﷺ سے ان کی بالمشافہ گفتگو اور ملاقات پہلی مرتبہ اسی مقامِ روحاء پر ہوئی ہو۔ (بحوالہ المرعاۃ شرح المشکوۃ علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری: ۶/ ۱۹۹)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ثواب بچے کو اٹھانے، محرّ ماتِ احرام کی پابندی کروانے اور مناسکِ حج وعمرہ کی ادائیگی کروانے پر ہوگا۔ اسی سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار قاضی عیاض اور علاّمہ یمانی امیر صنعانی رحمہما اللہ نے بھی کیا ہے۔ جبکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر وہ بچہ سمجھدار ہوتو اسے حج کی تعلیم دینے کا ثواب والدین کو ہوگا اور اگر کم سن ہے تو احرام، رمی، وقوفِ عرفات ومزدلفہ میں نیابت اور طوافِ بیت اللہ اور سعئ صفا ومروہ کے دوران اسے اٹھانے کا ثواب ماں باپ کو ہوگا۔ (بحوالہ سابقہ)

سبل السلام شرح بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ یہ حدیث (جس میں بچے کا ذکر ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ بچے کا حج بھی صحیح ہے، وہ چاہے سمجھدار ہو یا کم سن جبکہ اس کمسن کی طرف سے اس کے سرپرست تمام اعمال ومناسکِ حج خود ادا کرتے جائیں اور جمہور اہلِ علم کا یہی مسلک ہے کہ بچے کا حج صحیح ہے۔ (سبل السلام: ۱/۲/ ۱۸۰)

صحیح مسلم شریف کی حدیث اور اہلِ علم ومعرفت کی تشریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بچے پر اگرچہ حج فرض نہیں لیکن اس کا حج صحیح ہے اور اسے اس کا ثواب بھی ہوگا۔ صرف اسی پر بس نہیں کہ اسے ثواب ہوگا بلکہ اسے حج کرانے والے والدین یا سرپرستوں کو بھی اس کے حج کا ثواب ملے گا۔

اندازہ فرمائیں کہ اگر تھوڑی سی اور چند روزہ مشقت برداشت کرنے پر اتنا اجر وثواب مل رہا ہو تو پھر اور کیا چاہیے؟ بچہ اگر ناسمجھ وشیر خوار ہو تو مناسکِ حج وعمرہ

---

۳۵۸ اس حدیث کی تخریج (۱۹۳) میں دیکھیں۔

میں سے تو کچھ نہیں سمجھ پائے گا سوائے اس کہ اس کے نامۂ اعمال میں ایک حج کا ثواب شیر خوارگی و کمسنی میں ہی درج ہو جائے گا جو کہ اس کے لیے ایک عظیم سعادت ہے۔

اگر بچہ کچھ سمجھدار بھی ہے تو وہ بہت سی حسین اور مقدس یادیں بھی ساتھ لائے گا جو اس کے دینی مستقبل کو سنوارنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ اور اگر بچہ یا بچی لڑکپن کی عمر میں ہوں تو وہ اور بھی زیادہ مستفید ہوں گے، وہ حرمین شریفین سے متعلقہ مقدس یادوں کے ساتھ ساتھ پورا طریقۂ حج بھی سیکھ جائیں گے۔ ننھے منے بچے کی سعادت آپ کو مطلوب ہے تو وہ حاصل ہو جائے گی، بچے کے بہترین اور روشن دینی مستقبل کی آپ کو فکر ہے تو اس کی بڑی حد تک اس میں ضمانت موجود ہے۔ اپنے لختِ جگر کی اسلامی خطوط پر تربیت کا ارادہ ہے تو یہ مبارک سفر اس کا سنہری موقع ہے اور اپنے اجر و ثواب کو دو چند کرنے کی لگن ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ کی بشارت پر یقین کیجیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

« وَلَكِ اَجرٌ » ''تجھے بھی اس کے حج کا ثواب ملے گا۔''

عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم میں بچوں کو حج کروانے کے واقعات:

صحیح مسلم کے حوالے سے گزری حدیث (جس میں بچے کو حج کروانے کا ذکر ہے) کے علاوہ بھی کتبِ حدیث میں بعض واقعات مذکور ہیں؛ جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مسعود اور خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ مبارک میں بھی لوگ اپنے بچوں کو اپنے ساتھ حج کرایا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ترمذی اور مسند احمد میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« حُجَّ بِي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَاَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ » [٣٥٩]

[٣٥٩] بخاری (١٨٥٨) "جزاء الصید" ترمذی (٩٢٥) احمد (٣/ ٤٤٩) اسی طرح اس حدیث کو فاکہی (١/ ٣٨٥) طبرانی (المعجم الکبیر: ٧/ ١٨٥ و أیضا ١٨٦) اور بیہقی (٥/ ١٥٦) نے بھی روایت کیا ہے۔

''حجۃ الوداع کے موقع پر مجھے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرایا گیا حالانکہ میں اس وقت صرف سات سال کا تھا۔''

اسی طرح صحیح بخاری ومسلم میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«بَعَثَنِي (اَوْ قَدَّمَنِي) النَّبِيُّ ﷺ فِي الثَّقُلِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ» ؀[٣٦٠]

''مجھے مزدلفہ سے رات کے وقت ہی نبی اکرم ﷺ نے اپنے سامان وزنانہ (عمر رسیدہ خواتین) کے ساتھ آگے (منیٰ) بھیج دیا تھا۔''

امام شوکانی، علامہ احمد عبدالرحمٰن البنّا اور علامہ عبیداللہ رحمانی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کے موقع پر ابھی نابالغ ہی تھے۔

(نيل الأوطار: ٢/ ٤/ ٢٩٤، الفتح الرباني وشرحه: ١١/ ٣١، المرعاة: ٦/ ٢٠٨)

گویا ان کا یہ حج بچپن میں ہی تھا اور نبی ﷺ کا شرفِ ہمرکابی بھی انھیں حاصل تھا۔ جبکہ سنن ترمذی وابن ماجہ، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی گزری ہے جس کی سند ومتن ہر دو پر کلام بھی نقل ہوا ہے؛ اس میں مذکور ہے:

«حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَنَا النِّسَآءُ والصِّبْيَانُ، فَلَبَّيْنَا عَنِ الصِّبْيَانِ وَرَمَيْنَا عَنْهُمْ» ؀[٣٦١]

---

(190) محمد بن انس بن فضالۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ دس سال کی عمر میں حج کیا۔ اس کو بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۱/ ۱۶) میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱۹/ ۲۴۴، ۲۴۵) میں روایت کیا ہے مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(۳۶۰) بخاری (۱۸۵۶) مسلم (۹/ ۴۰) اسی طرح اس کو بیہقی (۵/ ۱۵۶) اور طیالسی (۱/ ۲۲۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۳۶۱) ملاحظہ ہو: تخریج (۳۵۲)

''ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے، ہم نے بچوں کی طرف سے تلبیہ بھی کہا اور رمی بھی کی۔''

علّامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے موطا امام مالک کی عظیم وضخیم اور بے نظیر شرح التمہید میں لکھا ہے:

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَجَّ بِأُغَيْلِمَةِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَحَجَّ السَّلَفُ بِصِبْيَانِهِمْ)) (بحواله المرعاة: ٦/ ٢٠٠)

''نبی ﷺ نے بنی عبدالمطلب کے بچوں کے ساتھ حج کیا اور سلف صالحین اپنے بچوں کے ساتھ حج کیا کرتے تھے اور انھیں کرایا کرتے تھے۔''

بنی عبدالمطلب کے جن بچوں کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھ حج کرایا تھا؛ ان میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے، جن کا ارشاد ابھی قریب ہی گزرا ہے اور ان کے ساتھ دوسرے بچے بھی موجود تھے جن کا ذکر سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، أُغَيْلِمَةَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمُرَاتٍ لَنَا مِنْ جَمْعٍ، فَجَعَلَ يَلْطِخُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ: يَا أُبَيْنِيَّ! لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ))

نبی ﷺ نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو مزدلفہ کی رات ہمارے گدھوں پر سوار کر کے آگے (منیٰ) بھیج دیا اور بھیجتے ہوئے آپ ﷺ ہماری رانوں پر آہستہ آہستہ پیار سے مارتے ہوئے فرمانے لگے کہ میرے بچو! طلوعِ آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی نہ کرنا۔''

ایک راوی حدیث حضرت سفیان رحمہ اللہ نے یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«مَا اَخَالُ أَحَداً يَعْقِلُ يَرْمِيْ حتّىٰ تَطْلُعَ الشَّمْسُ »[۳۴۲]

''میرا خیال ہے کہ کوئی بھی عقلمند ایسا نہیں ہوسکتا کہ (یوم النحر کو) طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی رمی کرلے۔''

برصغیر پاک وہند کے عظیم محدّث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری نے مشکوٰۃ شریف کی جامع ترین شرح مرعاۃ المفاتیح میں علامہ ابن عبدالبر کی شرحِ موطا ''التمہید'' کے حوالے سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے پہلے خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت (جس کی سند میں کلام ہے) نقل کی ہے:

«أَنَّهُ طَافَ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ فِيْ خِرْقَةٍ»[۳۴۳]

[۳۴۲] ابو داود (۱۹۴۰) نسائی (۵/ ۲۷۰، ۲۷۱) ابن ماجہ (۳۰۲۵) بیہقی (۵/ ۱۲۲) طیالسی (۱/ ۲۲۳) اور احمد (۱/ ۲۳۴، ۳۱۱، ۳۴۳) نے اس کو حسن العرنی کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور ترمذی (۸۹۳) نے اس کو مقسم کے واسطے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث تعدّدِ طُرق کی بنا پر صحیح ہے جیسا کہ (۲۹۲) میں بھی ذکر ہوا ہے۔ ''مَااَخَالُ'' یہ الفاظ ابن ماجہ اور بیہقی میں ہیں۔

[۳۴۳] اس اثر کو عبدالرزاق (۵/ ۷۰/ ۹۰۲۶) ابن ابی شیبہ (۷/ ۲۵۱ دار التاج) ''کتاب الاوائل'' ابن ابی عاصم نے ''الاوائل'' (۱۲۱) میں اور فاکہی نے ''اخبارِ مکۃ'' (۱/ ۳۰۱) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف اور متن منکر ہے۔ سند ضعیف اس لیے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے اور متن منکر اس لیے کہ واقدی نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے مولود ہیں اور مکہ ان دنوں دارِ حرب تھا، ان دنوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی مکہ میں داخل ہوا۔

حافظ ابن حجر واقدی کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ طواف سے مراد ان کو اِدھر اُدھر لے کر پھرنا ہو، اگر ایسے نہیں تو پھر واقدی نے جو (۱۹۰)

''انھوں نے (اپنے نواسے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو (شیرخوارگی میں) ایک کپڑے میں لپیٹ کر طواف کرایا۔''

اور صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعْفَةِ أَهْلِهِ» (۳۱۳)

''میں انھیں میں سے ہوں جنھیں مزدلفہ کی رات نبی ﷺ نے اپنے ضعیف اہلِ خانہ کے ساتھ آگے (منیٰ) بھیج دیا تھا۔''

اہلِ علم میں سے ہر کسی نے اس حدیث کے لفظ ''ضعفة'' کی شرح میں مریضوں، بوڑھوں اور خادموں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کا تو ضرور ہی ذکر کیا ہے۔
(دیکھیے: المرعاة شرح المشكوة: ٦/ ٥٢٦۔ ٥٢٧، تحقيق المشكوة للألباني: ٢/ ١٠٢)

الغرض کتبِ حدیث میں مذکورہ ان سب واقعات سے واضح ہوگیا کہ عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے بچوں کو اپنے ساتھ حج کرانے کا عام رواج تھا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام مالک وشافعی (اور احمد) سمیت تمام فقہاءِ حجاز، امام ابوحنیفہ سمیت تمام فقہاءِ کوفہ، امام اوزاعی ولیث اور شام ومصر میں ان کے تمام پیروکاروں کے نزدیک بچوں کو حج کرانا مستحب ہے۔ وہ اس کا حکم دیا کرتے تھے اور اسے مستحسن قرار دیتے تھے اور قرونِ اُولیٰ کے تمام علماء

(۱۹۰) بات کہی ہے وہ درست ہے کیونکہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) جب سے مکہ سے ہجرت کر کے آئے اس کے بعد نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء میں ہی مکہ میں داخل ہوئے تھے اور اس وقت ان کے ساتھ ابن زُبیر رضی اللہ عنہ نہ تھے۔ (الاصابۃ: ۳/۳۰۲)

(۳۱۳) بخاری (۱۶۷۸) مسلم (۹/ ۴۰، ۴۱) اسی طرح اس کو ابو داود (۱۹۳۹) نسائی (۵/ ۲۶۱) ابن ماجہ (۳۰۲۶) ابن الجارود (۴۷۲) ابن خزیمہ (۲۸۷۰) بیہقی (۵/ ۱۲۳) اور احمد (۱/ ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۷۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

(جمہور) کا یہی مسلک ہے۔

علامہ ابن حزم نے اپنی معروف کتاب المحلّٰی (۷/ ۲۷۶) میں لکھا ہے:

"وَنسْتَحِبُّ الْحَجَّ بِالصَّبِيِّ، وَاِنْ كَانَ صَغِيْراً جِدّاً أَوْ كَبِيْراً، وَلَهٗ أَجْرٌ وَحَجٌّ، وَهُوَ تَطَوُّعٌ وَلِلَّذِیْ يَحُجُّ بِهٖ أَجْرٌ"

''ہم بچے کو حج کرانا مستحب سمجھتے ہیں اگرچہ وہ بہت چھوٹا ہو یا بڑا اور اسے اجر بھی ملے گا اور اس کا حج بھی شمار ہوگا اور یہ نفلی حج ہوگا اور جو اسے حج کرائے گا اسے بھی اجروثواب ملے گا۔''

نیز امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار (۲/۴/۲۹۴) میں امام نووی رحمہ اللہ سے بچوں کو حج کرانے کے ثبوت و جواز پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

بچوں کا احرام:

بچوں کو حج کرانے کا طریقہ تقریباً وہی ہے جو بڑوں کے حج کرنے کا ہے لیکن بعض امور میں کچھ فرق ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے احرام کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ یہاں ایک بنیادی بات پیشِ نظر رہے کہ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ کے بقول امام شافعی، مالک، احمد رحمہ اللہ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک بچوں کو بھی احرام باندھنا (احرام کے حکم میں داخل کرنا) ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بچوں کو احرام باندھنا ضروری نہیں بلکہ وہ معمول کے کپڑوں میں ہی حج کریں گے۔ امام صاحب موصوف کی یہ رائے شارح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں، امام ابن قدامہ نے المغنی (۳/۲۵۲) میں، علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد (۱/۲۵۳) میں اور فقہ حنفی کے متعدد مؤلفین نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کی ہے جبکہ خود فقہ حنفی کی

معتبر کتب مثلاً ہدایہ، غنیۃ، ابن نجیم، ابن عابدین، مبسوط، درمختار، شرح الکتاب (قدوری) اور فتاویٰ عالمگیری میں موصوف کی رائے بھی دیگر ائمہ ثلاثہ اور جمہور کی طرح ہی ہے کہ بچے کا احرام بھی نفلی طور پر منعقد ہو جاتا ہے۔(بحواله المرعاة: ٦/ ٢٠١)

تو گویا سب کے نزدیک انھیں احرام باندھ دینا چاہیے اور یہی بہتر ہے۔ لہٰذا جب کسی میقات پر پہنچیں تو وہاں بچیوں کے لیے تو ظاہر ہے کہ عورتوں کی طرح کوئی مخصوص احرام نہیں ہوگا بلکہ وہ تو معمول کے کپڑوں میں ہی احرام باندھ لیں البتہ لڑکوں کو دو سفید چادریں پہنا دی جائیں جس کے آداب وطریقہ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ تو باشعور اور سمجھدار بچوں کا احرام ہوا جو احرام کے کپڑے پہن سکتے ہیں۔ رہے چھوٹے اور شیر خوار بچے تو ان میں سے بچیوں کو تو کوئی بھی کپڑے بطورِ احرام پہنائے جا سکتے ہیں البتہ بچوں کو احرام کے حکم میں لانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں اور اَن سلے سفید کپڑے میں انھیں لپیٹ دیا جائے۔ جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر کی التمہید کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بچپن میں طواف کرانے کا واقعہ گزرا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ بچے کے روز مرہ کے کپڑے اتار کر اسے دو چادریں پہنا دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سمجھدار بچوں کے بارے میں ہے جبکہ چھوٹے اور شیر خوار بچے کو صرف ایک ہی کپڑے میں بطورِ احرام لپیٹ لینا بھی کافی ہوگا جس کی دلیل سابقہ اثرِ صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں امام ثوری اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہما اللہ کے واسطوں سے ان کے والد کا بیان نقل کیا گیا ہے؛ جس میں وہ فرماتے ہیں:

« كَانُوا يُحِبُّوْنَ اِذَا حَجَّ الصَّبِيُّ اَنْ يُّجَرِّدُوْهُ وَاَنْ يُّجَنِّبُوْهُ عَنِ الطِّيْبِ »[٣٦٥]

---

[٣٦٥] اس اثر کو حافظ ابن عبدالبر نے ''التمہید'' (١/١٠٤) میں عبدالرزاق کے حوالے سے ذِکر کیا ہے اور اس اثر کی سند صحیح ہے۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اگر بچہ حج کرے تو اس کے سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں اور اسے خوشبو وغیرہ سے بچایا جائے۔''

اگر بچوں کو احرام کے کپڑے نہ بھی پہنائے جائیں بلکہ ان کے معمول کے کپڑوں میں انھیں احرام کے حکم میں داخل کر دیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اس کی بھی گنجائش ہے کیونکہ ان کے نزدیک بچے کا احرام لازمی نہیں نفلی ہے۔ لہٰذا افضل تو یہی ہے کہ سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں لیکن یہ واجب نہیں۔

بچوں کا عمرہ:

جب احرام پہن کر بچے تیار ہو جائیں تو ان میں سے سمجھدار بچے اور بچیاں تو ''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ عُمْرَةً '' کہیں اور پھر ساتھ ہی تلبیہ پکارنا شروع کر دیں اور جب تک احرام میں رہیں ''محرماتِ احرام'' میں سے کسی فعل کا ارتکاب نہ کریں۔ ناسمجھ بچوں کی طرف سے احرام کی نیت کر کے انھیں مُحرم بنانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ مختصر یہ کہ ماں باپ یا کوئی بھی سرپرست یہ ذمہ داری پوری کرسکتا ہے۔ (المرعاۃ: ٦/ ٢٠٥)

لہٰذا سبل السلام شرح بلوغ المرام، المبسوط، درمختار اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہدایت کے مطابق بچے کا ولی یا سرپرست بچے کی طرف سے دل میں یہ نیت کرے کہ میں نے اپنے اس بچے کو ''مُحرِم'' بنایا تو اس کے ساتھ ہی وہ بچہ احرام کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ (سبل السلام: ١/ ٢/ ١٨١، المرعاۃ: ٦/ ٢٠١)

جبکہ مفتیٔ عالمِ اسلام علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چھوٹے بچے اور بچی کی طرف سے ان کے سرپرست کا احرام باندھنا (یعنی انھیں احرام کے حکم میں داخل کرنا) بھی واجب نہیں بلکہ نفل ہے۔ ایسا کر لے تو اسے ثواب ہوگا اور اگر ایسا نہ

کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (التحقیق والإیضاح، ص: ۲۳)

میقات سے احرام باندھنے کے بعد حرم شریف کی طرف روانہ ہوں تو بڑے بچے خود تلبیہ کہتے جائیں اور چھوٹے بچوں کی طرف سے ان کے سرپرستوں کا انھیں احرام کے حکم میں داخل کرتے وقت کہا ہوا تلبیہ ہی کافی ہے۔ طہارت کی تمیز نہ رکھنے والے اور شیر خوار بچوں کو پیمپر لگا لیا جائے یا پھر پلاسٹک کے نیکر ملتے ہیں جن میں عام کپڑا رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی طرف سے اطمینان ہوجائے گا۔ جب سلس البول والے بڑوں کو اس کی اجازت ہے تو بچوں کو بالاولیٰ ہوگی۔ حرم تک پہنچنے پر گزشتہ صفحات میں بتائے گئے آداب وطریقہ سے حرم شریف اور مسجد حرام میں داخل ہوں۔ جو بچے طہارت کی تمیز رکھتے ہیں ان کا باوضو ہونا ضروری ہے کیونکہ طواف کیلئے طہارت شرط ہے۔ بڑے بچے تو طواف وسعی خود چل کر کریں جبکہ چھوٹے بچوں کو خود اٹھا کر یا سواری پر بٹھا کر طواف وسعی کروالی جائے۔ خود اٹھا کر طواف وسعی کرانے کی شکل میں کیا یہ طواف وسعی بچے اور اسے اٹھانے والے شخص، دونوں کی طرف سے کافی ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں لہٰذا افضل تو یہ ہے کہ پہلے خود طواف وسعی کریں اور پھر مستقل طور پر بچے کو طواف وسعی کرا لیں۔ (یا پھر اپنے ساتھ ساتھ ہی کرائے کی سواری پر بچے کو بٹھا کر طواف وسعی کرالیں۔ اس طرح دونوں کی طرف سے طواف وسعی ہو جائیں گے) اور اسی میں احتیاط ہے۔ کیونکہ یہ عبادت کا معاملہ ہے اور نبی ﷺ کا سنن ترمذی ونسائی، مسند احمد اور طبرانی میں ارشاد ہے:

«دَعْ مَایُرِیْبُكَ اِلَیٰ مَا لَا یُرِیْبُكَ» (۳۶)

---

(۳۶) یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو حسن بن علی، ابن عمر، انس، نعمان بن بشیر، واثلۃ بن الأسقع اور وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے:

ا۔ حدیثِ حسن بن علی کو ترمذی (۲۵۱۸) "صفة القيامة" نسائی (۸/ ۳۲۷۔ ۳۲۸) (190)

....

⑲⓪ "الأشربة، باب الحث على ترك الشبهات" دارمی (۲/ ۲۴۵) "البیوع، باب دع ما یریبك" ابن خزیمۃ (۲۳۴۸) ابن حبان (۵۱۲) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۳/ ۷۵، ۷۶، ۷۷/ ۲۷۰۸، ۱۱/ ۲۷۰) میں، حاکم (۲/ ۱۳،۴/ ۹۹) عبدالرزاق (۴۹۸۴) طیالسی (۱/ ۲۵۹) احمد (۱/ ۲۰۰) ابو یعلی (۶۷۶۲) اور ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۸/ ۲۶۴) میں مختلف طُرق سے برید بن ابی مریم سے اور انھوں نے ابو الحوراء کے واسطے سے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔

ابوالشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۱/ ۴۷) میں اس حدیث کو محمد بن عبدالوہاب کے واسطے سے بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ''ابوغالب نضر بن عبداللہ'' ہے اور یہ مجھول ہے جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عمر کو طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۱/ ۱۹) میں، قضاعی نے ''مسند الشھاب'' (۶۴۵) میں، بیہقی نے ''الزھد'' (۸۶۵) میں اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۶/ ۳۸۶) میں عن طریق عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر روایت کیا ہے اور یہ حدیث ابن عمر سے مالک عن نافع کے طریق سے بھی مروی ہے مگر اس طریق سے یہ ضعیف ہے۔ اس طریق سے بھی اس کو طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۱/ ۲۰۱) میں، ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۶/۳۵۲) میں اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۲/ ۲۲۰، ۳۸۷) میں روایت کیا ہے۔

۳۔ حدیثِ انس کو احمد (۳/ ۵۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو عبید اللہ الاسدی ہے اگر یہ ثقہ ہے تو اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور اس موقوف کی سند جید ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

ابن عدی (۱/ ۲۰۶) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں احمد بن ہارون ہے اور یہ متہم ہے۔

۴۔ نعمان بن بشیر کی حدیث کو ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۴/ ۳۰۰) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی صالح بن موسیٰ ہے، اگر یہ صالح بن موسیٰ الطلحی ہے ⑲⓪

''مشکوک (انداز یا کام) کو چھوڑ کر وہ اپنائیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔''

اگر کوئی شخص اپنے بچے کو خود اٹھا لیتا ہے اور ایک ہی طواف وسعی میں اپنی اور اپنے بچے کی طرف سے بھی اکٹھی ہی نیت کر لیتا ہے تو فقہاء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول کے مطابق یہ طواف وسعی دونوں کی طرف سے ہی کفایت کر جائیں گے۔ کیونکہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں جس عورت نے نبی ﷺ سے بچے کے حج کے بارے میں سوال کیا تھا، اسے آپ ﷺ نے بچے کی طرف سے الگ طواف اور الگ سعی کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ اگر یہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس بات کی وضاحت ضرور فرما دیتے۔ (التحقیق والایضاح، ص: ۲۳)

---

⑲⓪ تو اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اگر یہ **الطلحی** نہیں بلکہ کوئی دوسرا ہے تو کون ہے؟ واللہ اعلم۔

۵۔ واثلۃ بن الأسقع کی حدیث کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲۲/ ۸۱/ ۱۹۷) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

۶۔ حدیث وابصۃ بن معبد کو بھی طبرانی (۲۲/ ۱۴۷/ ۳۹۹) نے ہی روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

یہ حدیث مسند احمد (۳/ ۱۵۳) میں انس رضی اللہ عنہ سے اور ''سنن نسائی'' (۸/ ۲۳۰، ۲۳۱) "آداب القضاء، باب "الحکم باتفاق أھل العلم" میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

حدیثِ انس کی سند جید ہے اسی طرح حدیثِ ابن مسعود کی بھی سند جید ہے۔

امام نسائی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ حدیث جید ہے'' حاصلِ کلام: مذکورہ احادیث میں سے حدیثِ حسن بن علی کی ایک سند صحیح ہے۔ اسی طرح حدیثِ ابن عمر کی ایک سند جید ہے اور باقی جو ان کے دوسرے طُرق اور شواہد ہیں، ان سے بھی اس حدیث کی صحت کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ جب طواف مکمل ہوجائے تو سمجھدار خصوصاً سات سال اور اس سے زیادہ عمر کے بچوں کو اپنے ساتھ ہی مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھائیں کیونکہ سات سال کی عمر کے بچوں کو نماز کا حکم دینے اور دس سال کے ہوکر بھی جو بچے نہ پڑھیں تو انھیں مار کر پڑھانے کا حکم تو نبی ﷺ نے عام حالات میں دیا ہے چہ جائیکہ حرم شریف اور موسمِ حج ہو۔ چنانچہ سنن ابو داود و ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعاً وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا اِذَا بَلَغُوْا عَشْراً» (۳۶۷)

''اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں تو نماز کا حکم دیں اور جب دس سال کے ہو کر بھی پابندی سے نہ پڑھیں تو انھیں مار کر پڑھائیں۔''

ویسے حرم شریف تک پہنچ جانے والے بچے تو خوش نصیب اور باسعادت ہی ہو سکتے ہیں وہ تو خود ہی ذوق وشوق کے ساتھ ایسے امور سرانجام دیتے ہیں۔

جب مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھ لیں تو پھر انھیں بھی اپنے ساتھ لے جاکر خوب جی بھر کر آبِ زمزم پئیں اور پلائیں اور جہاں اپنے لیے دین ودنیا کی بھلائیوں کی دعائیں مانگیں وہیں ان نونہالوں کے روشن دینی و دنیاوی مستقبل، ورع وتقویٰ اور صحت ودرازیٔ عمر کی دعائیں بھی کریں، کیونکہ آبِ زمزم پیتے وقت کی گئی

---

(۳۶۷) یہ حدیث عبداللہ بن عمرو اور مسور بن معبد سے مروی ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو داود اور مسند احمد وغیرہ میں ہے اور مسور بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث دارمی اور احمد وغیرہ میں ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی مفصل تخریج ہم نے ''تخریج صلوۃ الرسول ﷺ'' میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث (۱۳۱)

دعائیں اور تمنائیں اللہ پوری کرتا ہے جیسا کہ آبِ زمزم کے فضائل و برکات کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

جب صفا و مروہ کے مابین سعی سے فارغ ہو جائیں تو بچوں میں سے لڑکیوں کے تو انگلی کے پَورے کے برابر بال کاٹ دیں اور لڑکوں کے بالوں کے سلسلے میں بھی بڑوں کے بالوں کی طرح ہی دو صورتیں ہیں:

١ اگر حج (۸/ذوالحج) میں کافی وقت ہو اور بال دوبارہ اُگ سکتے ہوں تو ان کا گنجا کروالیں۔

٢ اگر وقت کم ہو اور بال اگنے کی توقع نہ ہو تو پھر ان کے کچھ بال کاٹ دیں تاکہ یومِ نحر کو گنجا کیا جاسکے۔

بال کاٹنے (حلق یا تقصیر) کے ساتھ ہی بچوں کا عمرہ بھی پورا ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ ذٰلِكَ۔ اب ان کے احرام بھی کھول دیں اور وہ آٹھ ذوالحج (یومِ ترویہ) تک معمول کے کپڑوں میں رہیں۔ اس دوران سمجھدار بچوں کو نماز کے لیے اپنے ساتھ مسجدِ حرام میں لے جاتے رہیں اور ممکن ہو تو نفلی طواف میں بھی وقتاً فوقتاً ساتھ لے جائیں۔

بچوں کا حج:

یومِ ترویہ (۸/ذوالحج) کو جب خود حج کا احرام باندھیں تو گزشتہ صفحات میں بتائی گئی تفصیل کے مطابق بچوں کو بھی احرام باندھیں اور منیٰ چلے جائیں۔ ۹/ذوالحج (یومِ عرفہ) کو سورج نکلنے پر انھیں بھی اپنے ساتھ ہی عرفات لے جائیں، وہاں سے غروبِ آفتاب کے بعد انھیں اپنے ساتھ ہی مزدلفہ لے آئیں اور رات وہیں رہیں۔ نمازِ فجر کے بعد سورج اگنے کے قریب تک کا وقت ذکر و دعا میں گزار کر طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی انھیں لیکر وہاں سے منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔ وقوفِ عرفات و مزدلفہ میں انھیں ضرور ساتھ ہی رکھیں کہ اس کے بغیر تو حج ہی نہیں ہوتا۔

۱۰؍ ذوالحج (یومِ نحر) کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے آپ خود رمی کرآئیں کیونکہ وہاں اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ اچھے بھلے بھی ہمت ہار جاتے ہیں چہ جائیکہ بچے وہاں خود جاکر کنکریاں ماریں۔ اور جو بچے بہت چھوٹے یا شیر خوار ہیں؛ ان کی نسبت تو وکیل بننے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ویسے بھی جب شرعاً وکیل یا نائب یہ ذمہ داری پوری کرسکتا ہے تو پھر عذر کی شکل میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بعض خواتین اپنے ہاتھ سے کنکریاں مارنے کے شوق بلکہ ضد کی بنا پر اصرار کرکے جمرات پر جانکلتی ہیں مگر کئی مرتبہ ایسے بھی ہوا کہ جمرات کے قریب نسوانی آواز میں چیخ و پکار سنی گئی جو یقیناً شرعی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھانے کا خمیازہ بھگتنے والی بات ہے۔ ہاں! اگر جمرات کو دیکھنے کا شوق پورا کرنا ہو تو چودہ یا پندرہ ذوالحج کو وہاں چلے جائیں۔ وہ مقامات آپ کو خالی ملیں گے۔ زیادہ سے زیادہ چند لوگ وہاں ہوں گے جو رمی سے رونما ہونے والی توڑ پھوڑ کی اصلاح کررہے ہوں گے۔

رمی کے بعد اپنی اور بیوی بچوں کی طرف سے فی کس ایک ایک جانور کی قربانی دیں اور اگر ایک اونٹ یا گائے لے کر قربانی دیں تو یہ سات افراد کی طرف سے کفایت کرجاتے ہیں۔ حجِ تمتُّع یا قِران کرنے والے تمام حجاج پر قربانی واجب ہے اور اس عام حکم میں بچے بھی شامل ہیں۔ (الشرح الصغیر للدردیر: ۲/ ۸۔ حاشیہ)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی تینوں ائمہ اور جمہور اہلِ علم کا بھی یہی مسلک ہے کہ بچے کی طرف سے بھی ہدی (قربانی) لازم ہے۔ (المرعاۃ: ٦/ ٢٠٢)

منحر (قربان گاہ) یا جس جگہ بھی قربانی کرنا ہو؛ وہاں بھی بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں بلکہ والد یا سرپرست ہی بچوں کی طرف سے بھی قربانی کرآئے اور یہی طریقہ خواتین اور دیگر ضعیف لوگوں کے لیے بھی ہے۔

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے کا موقع

آتا ہے جبکہ بالوں کا منڈوانا ہی افضل ہے کیونکہ سر منڈوانے والوں کے لیے نبی ﷺ نے تین مرتبہ دعائے رحمت ومغفرت کی تھی اور بال کٹوانے والوں کے لیے صرف ایک مرتبہ جیسا کہ ''حلق یا تقصیر'' کے ضمن میں حدیث گزری ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھ ہی بچوں کے بھی سر منڈوا دیں جبکہ خواتین اور بچیوں کے لیے صرف انگلی کے ایک پَورے کے برابر بال کاٹنا ہی کافی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان سے احرام کی سب پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ سب پابندیاں صرف بچوں سے ختم ہوتی ہیں۔ بڑوں پر ابھی ازدواجی تعلقات کی پابندی باقی ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کی نسبت یہ ''تحلّلِ اول'' کہلاتا ہے جبکہ بچوں کا یہی ایک تحلّل ہوتا ہے۔

اس کے بعد ''بچوں کا عمرہ'' کے ضمن میں ذکر کیے گئے طریقہ کے مطابق انھیں طوافِ افاضہ کرائیں، سمجھداروں کو مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھائیں، آبِ زمزم پلائیں، صفا ومروہ کے مابین سعی کروائیں کیونکہ پہلی مرتبہ کا طواف وسعی عمرہ کے لیے تھے اور یہ حج کے لیے ہیں۔ اس طواف وسعی کے مکمل ہوتے ہی بڑوں سے بھی ازدواجی تعلقات سمیت احرام کی تمام پابندیاں ختم ہوگئیں اور یہ ان کا ''تحلّلِ ثانی'' یا ''تحلّلِ کُلی'' ہے۔

بچوں کی طرف سے ایامِ تشریق کی رمی میں احتیاط:

۱۱، ۱۲، ۱۳ یا کم از کم ۱۱ اور ۱۲؍ ذوالحج کو بچوں کی طرف سے بھی روزانہ تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں ماریں۔ ایامِ تشریق میں بچوں کی طرف سے رمی کرنے (کنکریاں مارنے) کے سلسلے میں وکیل یا نائب کی طرف سے جلد بازی میں ایک بہت بڑی غلطی کر جانے کا احتمال ہوتا ہے اور وہ یوں کہ بطورِ مثال ایک صاحب کے پانچ بچے ہیں اور اہلیہ بھی ساتھ ہے۔ ایامِ تشریق میں روزانہ فی کس اکیس کنکریاں بنتی ہیں، جنھیں سات سات کرکے تینوں جمرات پر مارنا ہوتا ہے۔ اور ان صاحب کے پاس اپنی، اہلیہ کی اور بچوں کی کل ایک سو سینتالیس (۱۴۷) کنکریاں بنتی ہیں جنھیں تینوں

جمرات پر تقسیم کریں تو انچاس انچاس (۴۹) کنکریاں فی جمرہ بنتی ہیں۔ ایسی صورت حال میں بعض لوگ پہلے چند کنکریاں تو سنت کے مطابق ایک ایک کر کے ہی مارتے ہیں اور پھر مٹھیاں بھر بھر کر اکٹھی پھینک دیتے ہیں جبکہ اس طرح پھینکی ہوئی کنکریوں سے رمی شمار نہیں ہوتی۔ (المغني: ۳/ ۳۸٦) لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ایک کر کے ہی تمام کنکریاں ماری جائیں اور ہر کنکری کے ساتھ ''الله أكبر'' کہا جائے۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ پہلے تینوں جمرات پر باری باری جا کر اپنی کنکریاں مارے پھر تینوں پر باری باری ہی بیوی بچوں کی طرف سے بھی جائے بلکہ جتنے افراد کی طرف سے رمی کرنا چاہے، پہلے جمرہ پر ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر پہلے اپنی طرف سے اور پھر باری باری دیگر افراد کی طرف سے رمی کر لے۔ اسی طرح دوسرے اور پھر تیسرے جمرے پر بھی کر لے تو علماء کے دو میں سے صحیح ترین قول کے مطابق یہ جائز ہے کیونکہ پہلی شکل کی دلیل کوئی نہیں اور پھر اس میں مشقت و حرج بھی ہے جبکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸]

''اور (اللہ نے) دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

نیز صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا» [۳۶۸] ''آسانی کرو، مشکل نہ پیدا کرو۔''

نیز پہلی صورت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول نہیں جبکہ انھوں نے بچوں اور عذر

---

[۳۶۸] ا۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ: بخاری (٦٩) ''العلم'' مسلم (۱۲/ ۴۲) ''الجهاد'' احمد (۳/ ۱۳۱۔ ۲۰۹) نسائی ''السنن الکبریٰ'' ملاحظہ ہو: ''تحفة الاشراف'' (۱/ ۴۳۷)

۲۔ حدیثِ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ: بخاری (٦١٢٤) ''الجهاد'' مسلم (۱۲/ ۴۰، ۴۱) ابو داود (۴۸۳۵) "الأدب، باب كراهية المراء" احمد (۴/ ۳۹۹) و زوائد احمد (۴/ ۳۹۹)

والوں کی طرف سے رمی کی اور اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا کیونکہ وہ لوگ ایسے امور کو نقل کرنے میں بڑے باہمت تھے۔ (التحقيق والإيضاح، ص: ٥٠، ٥١)

مذکورہ صورتِ حال میں اگر اپنے دو ایک احباب کا تعاون حاصل کرلیا جائے تو مل کر آسانی کے ساتھ سب کی طرف سے رمی کی جاسکتی ہے اور یہ اس لیے کہ حُجاج کی کثرت کی وجہ سے تینوں جمرات پر انچاس انچاس کنکریاں ایک ایک کرکے مارنا اکیلے آدمی کے لیے کوئی آسان کام نہیں اور مٹھی بھر کر پھینکنے سے تو رمی ہی شمار نہیں ہوتی۔ اس طرح جب ایامِ تشریق کی رمی مکمل کرلیں تو اس کے ساتھ ہی آپ کا اور بچوں کا حج وعمرہ مکمل ہوگئے۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جا ہے

بچوں پر فدیہ وقضا:

بچوں کے حج کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی آتا ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی بچے سے احرام کی پابندیوں میں سے کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو کیا اس کے ذمے بھی فدیہ (دم) ہے یا نہیں؟ جس پر اس کا والد یا سرپرست ایک جانور ذبح کرے گا یا نہیں؟

اس سلسلے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ اور جمہور اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ محرماتِ احرام کی خلاف ورزی کرنے پر بچے کی طرف سے بھی دم (کفارہ وفدیہ) دینا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ علامہ زرقانی، ابن عبدالبر اور امام خطابی رحمہم اللہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ علامہ عبیداللہ رحمانی نے ''المرعاۃ'' میں لکھا ہے کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کی المغنی، امام نووی رحمہ اللہ کی المجموع اور مناسک الحج اور دردیر رحمہ اللہ کی الشرح الکبیر پر دسوقی کے حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ فدیہ کو واجب قرار دینے والے

ائمہ ثلاثہ میں بھی باہم کچھ اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض صورتوں میں کفارے اور قضا کو ساقط و غیر واجب قرار دیا ہے۔ احناف کے نزدیک بچوں پر کسی صورت میں بھی کوئی کفارہ وفدیہ اور قضا واجب نہیں جبکہ معروف محقّق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب المحلّی (۷/ ۲۷۶۔ ۲۷۷) میں بڑے وقیع دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ بچے پر کوئی فدیہ وقضا نہیں ہے۔ نیک کام کرنے پر اُسے اجر ملے گا اور اگر اس سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تو اس پر وہ گناہگار نہیں ہوتا۔ احناف (وظاہریہ) نے سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور اس مشہور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ ...)) [۳۶۹]

''تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں: (ان میں سے سب سے پہلا ہے) بچہ، جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوجائے....۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچے کے غیر مکلّف ہونے کو مجازی طور پر مرفوع القلم کہا گیا ہے نہ کہ حقیقی طور پر اس سے قلم اٹھائی گئی ہے کیونکہ اس کے نیک کاموں پر ثواب تو لکھا جاتا ہے۔

فاروقِ اعظم خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((تُكْتَبُ لِلصَّغِيرِ حَسَنَاتُهُ وَلَا تُكْتَبُ عَلَيْهِ سَيِّآتُهُ))

(بحواله المرعاة: ٦/ ٢٠٣)

''بچے کی نیکیاں تو لکھی جاتی ہیں لیکن اس کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج نہیں ہوتیں۔''

---

[۳۶۹] یہ حدیث عائشہ، علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ابو داود (۴۳۹۸) ''الحدود'' نسائی (۶/ ۱۵۶) ''الطلاق'' ابن ماجہ (۲۰۴۱) ''الطلاق'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کا فضلِ خاص ہے کہ وہ بچے کے بالغ ہونے تک اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں تو لکھواتا ہے مگر گناہ درج نہیں کراتا۔

اس مسئلے میں علامہ رحمانی نے احناف اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے کہ بچے پر کوئی فدیہ اور قضا نہیں اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے پاس اور جمہور کے یہاں اپنے مذکورہ مسلک کو ثابت کرنے کے لیے (قرآن وسنت کی) کوئی نصِ صریح اور دلیل نہیں ہے۔ (دیکھیں: المرعاة: ٦/ ٢٠٠، ٢٠٣)

قبل از بلوغت حج کا حکم:

یہ بات تو معروف ہی ہے کہ بلوغت سے پہلے کیا جانے والا حج نفلی ہوگا۔ ایسا بچہ جب بالغ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اُسے حج کی استطاعت بھی مہیا فرما دے تو اس پر فرض حج (حجِ اسلام) ادا کرنا ضروری ہوگا۔ بچپن کا کیا ہوا حج اس فرضیت کو زائل کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا جیسا کہ کئی احادیث سے پتہ چلتا ہے اور پوری امتِ اسلامیہ کا اس بات پر اجماع بھی ہے۔

(دیکھیں: فتح الباري: ٤/ ٧١، ٧٢، تحفة الأحوذي: ٣/ ٦٧٢۔ ٦٧٤، نيل الأوطار: ٢/ ٤/ ٢٩٤، الفتح الرباني: ١١/ ٣٠۔ ٣١، المرعاة: ٦/ ٢٠٤۔ ٢٠٥، سبل السلام: ١/ ٢/ ١٨٠۔ ١٨٣)

طوافِ ودَاع

جب ایامِ تشریق (۱۱،۱۲،۱۳/ ذوالحج) کی رَمی مکمل ہوجائے تو منیٰ سے مکہ مکرمہ آجائیں۔ اس کے ساتھ ہی تمام مناسکِ حج مکمل ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف روانگی ہوتی ہے لہٰذا جاتے وقت ''طوافِ وداع'' ضرور کرلیں، کیونکہ یہ بھی واجب ہے۔

طوافِ وداع کا وجوب:

طوافِ وداع کے واجب ہونے کی دلیل صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود و ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ» [۳۷۰]

---

[۳۷۰] ان الفاظ سے اس حدیث کو مسلم (۹/ ۷۸، ۷۹) ابو داود (۲۰۰۲) ابن ماجہ (۳۰۷۰) دارمی (۲/ ۷۲) ابن الجارود (۴۹۵) ابن خزیمہ (۳۰۰۰) بیہقی (۵/ ۱۶۱) احمد (۱/ ۲۲۲) اور ابو یعلی (۲۴۰۳) نے سلیمان الاحول کے طریق سے طاؤس کے واسطے سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بخاری (۳۲۸، ۱۷۵۵، ۱۷۶۰) ''الحیض'' و ''الحج'' اسی طرح مسلم، ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی عبداللہ بن طاؤس کے طریق سے اور انھوں نے اپنے باپ ''طاؤس'' کے واسطے سے ابن عباس سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: «أَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ» یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو طوافِ وداع کرنے کا حکم دیا۔'' اس طریق میں ابن خزیمہ کے علاوہ باقی سب کے یہاں آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: «اِلَّا اَنَّهٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ»

''کوئی شخص اس وقت تک (مکہ مکرمہ سے) نہ جائے جب تک کہ وہ آخر میں طوافِ وداع نہ کر لے۔''

البتہ جو عورت طوافِ افاضہ کر چکی ہو اور اس کے بعد اُسے حیض آ جائے تو اسے طوافِ وداع کیے بغیر نکلنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اِسی مذکورہ سابقہ حدیث میں ہے:

«اِلَّا اَنَّهٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ» [۳۷۱]

''آپ ﷺ نے حائضہ عورت سے اس کی تخفیف کر دی۔''

یعنی اسے اجازت دے دی کہ وہ روانہ ہو جائے اور حیض آ جانے کی وجہ سے طوافِ وداع نہ کر سکنے پر کوئی دم (فدیہ) بھی نہیں ہے۔ (شرح الفتح الرباني: ۱۲/ ۲۳٦)

طوافِ وداع کا طریقہ وآداب:

اس طواف کے لیے نہ تو اضطباع ہے اور نہ ہی رمل، اور اس کے بعد صفا ومروہ کے مابین سعی بھی نہیں ہے۔ معمول کے لباس میں حرم شریف میں جا کر گزشتہ اوراق میں ذکر کیے گیے آداب کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کریں۔ جب سات شوط (چکر) پورے ہو جائیں تو مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعتیں پڑھیں۔ ملتزم کے ساتھ چمٹ کر یا پاس کھڑے ہوکر دعائیں کریں، آبِ زمزم پئیں اور «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ» پڑھتے ہوئے حرم شریف سے نکل جائیں اور اپنا بایاں قدم پہلے باہر رکھیں جیسا کہ عام مساجد سے نکلنے کا طریقہ ہے۔

بعض لوگ طوافِ وداع کے بعد حرم شریف سے الٹے پاؤں نکلتے ہیں اور سیدھے منہ نکلنے کو شائد بے ادبی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن وسنت میں اس ''ادب'' کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ، خلفاء راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لہٰذا یہ سراسر خانہ ساز فعل ہے۔

(مناسك الحج والعمرة، ص: ٤٣)

---

[۳۷۱] دیکھیں: تخریج (۳۷۰)

شہرِ مکہ سے روانگی:

صحیح بخاری ومسلم میں مذکور حدیث کی رو سے نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت ثنیہ سُفلیٰ کے راستے سے نکلیں۔ (۳۶۲)

یہ جگہ آج کل محلّہ شامیہ میں باب الشبیکہ کے قریب ہے۔لیکن اگر کسی وجہ سے اس راستے سے نکلنا ممکن نہ ہو تو پھر کسی بھی راستے سے نکلا جاسکتا ہے کیونکہ پورے مکہ مکرمہ کو ہی نبی اکرم ﷺ نے راستہ قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اور دلائل پر مبنی احادیث ''دخولِ مکہ'' کے ضمن میں ذکر کی جا چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ ایمان پرور بہاریں دیکھنا نصیب کرے۔ (آمین یا الٰہ العالمین)

(۳۶۲) بخاری (۱۵۷۵، ۱۵۷۶) مسلم (۹/ ۳) ابو داود (۱۸۶۶) نسائی (۵/ ۲۰۰) دارمی (۲/ ۷۱) ابن ماجہ (۲۹۴۰) وغیرہ۔

آدابِ زیارتِ مدینہ طیبہ

یوں تو ''طوافِ وداع'' کے ساتھ ہی حج وعمرہ کے تمام مناسک (فرائض وواجبات) پورے ہوجاتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کوئی کمی یا نقص باقی نہیں رہ جاتا۔ مدینہ طیبہ، مسجدِ نبوی وحجرۂ رسول ﷺ اور روضۂ شریفہ کی زیارت حج وعمرہ کا حصہ یا رکن تو نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ اس مقدّس سفر کے دوران مدینہ طیبہ جانا ہی نہیں چاہیے۔ تکمیلِ حج کے بعد مدینہ طیبہ بھی جائیں کیونکہ یہی وہ شہر ہے جہاں مسجدِ نبوی ﷺ اور بعض دیگر مقامات مقدسہ واقع ہیں۔

(1) مسجدِ نبوی ﷺ:

اِس میں نماز پڑھنے کی نیت کرکے اور حصولِ ثواب کی غرض سے شدِّ رحال (سفر کرنا) موسمِ حج اور غیر موسمِ حج ہر وقت ہی جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور ابو داود میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی »[۱۴۳]

[۱۴۳] یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن میں ابو ہریرہ اور ابوسعید خدری بھی ہیں:

۱۔ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بخاری (۱۱۸۹) مسلم (۹/ ۱۶۷، ۱۶۸) ابو داود (۲۰۳۳) اور نسائی (۲/ ۳۷، ۳۸) ''المساجد'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابوسعید خدری کو بھی بخاری ومسلم (۹/۱۰۴-۱۰۶) "باب سفر المراة مع محرم إلی حج وغیرہ" اور ترمذی (۳۳۶) ''الصلوۃ'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

''(حصولِ ثواب کی غرض سے) صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کر کے جانا جائز ہے: مسجدِ حرام، میری مسجد (مسجدِ نبوی ﷺ) اور مسجدِ اقصیٰ۔''

لہٰذا مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ کریں تو دل میں نیت مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت کی ہی ہونی چاہیے۔ پھر جب آپ مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچ جائیں تو پھر حجرۂ رسول ﷺ اور روضۂ شریفہ کی زیارت بھی مشروع ہے۔ اس طرح سفر کرنے سے مذکورہ ارشادِ نبوی ﷺ کی خلاف ورزی نہ ہوگی اور دیگر شبہات کا ازالہ بھی خود بخود ہو جائے گا۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں ایک نماز کا ثواب صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث کی رو سے عام مساجد میں پڑھی گئی ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«صَلٰوۃٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلٰوۃٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ» (۳۲۴)

''میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب مسجدِ حرام کو چھوڑ کر دوسری تمام مساجد سے ایک ہزار گنا زیادہ ہے۔''

جبکہ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت جو کہ متکلّم فیہ ہے اس میں تو پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کا ذکر بھی موجود ہے مگر وہ ضعیف ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال ہے۔ (۳۲۵)

ویسے صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ایک ہزار نماز کا ثواب بھی کیا کم ہے؟!

---

(۳۲۴) بخاری (۱۱۹۰) مسلم (۹/ ۱۶۳، ۱۶۵) نسائی (۲/ ۳۵، ۵/ ۲۱۴) ''المساجد والحج'' اسی طرح یہ حدیث دیگر بھی بہت سی کتب میں ہے۔ اس حدیث کو دیگر بہت سے صحابہ نے بھی روایت کیا ہے اور تا حال ان کی تعداد میرے پاس ابو ہریرہ سمیت نو تک پہنچی ہے۔

(۳۲۵) اس حدیث کو ابن ماجہ (۱۴۱۳) اور اسی طرح ابو سعید الجندی نے بھی ''فضائل المدینۃ'' (۴۱) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث سنداً ضعیف اور متن کے اعتبار سے مردود ہے۔ مردود اس لیے کہ متعدد احادیث میں ہے کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں ایک نماز ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔

(2) حجرۂ رسول ﷺ:

مدینہ طیبہ ہی وہ شہر ہے جہاں سرورِ کائنات، سیدالمرسلین، امام الانبیاء، امامِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حجرۂ طیبہ ہے جس میں آپ ﷺ کی آخری آرامگاہ اور قبرِ مقدس ہے۔ جہاں مسجدِ نبوی ﷺ میں تحیۃ المسجد پڑھ لینے کے بعد بہ صد ہزار جان درود وسلام پڑھنا چاہیے۔

(3) روضۂ شریفہ:

مدینہ طیبہ ہی وہ شہر ہے جس میں ''روضۂ شریفہ'' ہے؛ جس کے بارے میں صحیح بخاری ومسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ)) [۱۲۱]

''میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی قطعۂ ارضی جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے جس مقام کو ''روضہ'' کا نام دیا وہ آپ ﷺ کے گھر اور منبر کے مابین والی جگہ ہے جس کے ستونوں پر سفید سنگِ مرمر لگا کر نمایاں اور ممتاز کیا گیا ہے کیونکہ باقی ستون وہاں سرخ سنگِ مرمر کے ہیں لیکن آج اِس مقام کو تو ''روضہ'' کے نام سے شاید تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔ عوام الناس تو صرف نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مقدس پر مشتمل حجرۂ رسول ﷺ کو ہی روضۂ شریفہ سمجھتے ہیں جبکہ وہ

---

[۱۲۱] یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جن میں سے ابوہریرہ اور عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہما بھی ہیں:

۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری (۱۱۹۶، ۱۸۸۸) مسلم (۹/۱۶۲) اور ترمذی (۳۹۱۵، ۳۹۱۶) ''المناقب'' وغیرہ میں ہے۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن زید کو مالک (۱/ ۱۹۷) بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حجرۂ شریفہ ہے جو کہ ام المومنین صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ، طیبہ وطاہرہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کا گھر ہوا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مقدس اسی جگہ ہے۔

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے آداب:

جب مدینہ طیبہ پہنچیں تو جہاں قیام کا ارادہ ہو وہاں اپنا سامان وغیرہ رکھیں۔ نہا دھو کر اور باوضو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کریں۔ مسجد کے پاس پہنچنے پر پہلے اپنا دایاں پاؤں مسجد کے اندر رکھیں اور صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں مذکور یہ دُعا کریں:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) [٣٤٧]

''اللہ کے نام سے۔ درود وسلام ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، میں عظمت والے اللہ، اس کے رخِ کریم اور سلطانِ قدیم کی پناہ مانگتا ہوں شیطانِ مردود سے۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے!''

یہ پوری دعا یاد نہ ہو تو کم از کم اس کا آخری حصہ: ((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) پڑھ لیں۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کریں کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کریں اور ممکن ہو تو یہ دو رکعتیں روضۃ الجنۃ میں ادا کی جائیں۔

(التحقیق والایضاح، ص: ٦١)

جس کی خاص نشانی ذکر کی جا چکی ہے کہ اتنی جگہ کے تمام ستون سفید سنگ مرمر کے ہیں جبکہ اس کے ارد گرد پرانی تعمیر کے ستون لال رنگ کے ہیں۔

---

[٣٤٧] ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ.... الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) یہ دعا عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے اور اس کو ابو داود نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند جید ہے۔ مزید تفصیل کے لیے نمبر (١٤٦) دیکھیں۔

درود وسلام:

تحیۃ المسجد سے فارغ ہوکر حجرۂ اقدس پر حاضر ہوں اور محسنِ انسانیت، نبی رحمت ﷺ پر کمالِ ادب اور جوشِ محبت کے ساتھ درود وسلام پڑھیں کیونکہ قرآنِ کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[الأحزاب: ٥٦]

''اے ایمان والو! آپ پر درود وسلام پڑھو۔''

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہیں جو کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہی آسودۂ خاک ہیں اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہیں کہ وہ بھی ساتھ ہی یکے از آسودگان ہیں اور آپ ﷺ کے ان دونوں صاحبین کے لیے دُعا بھی کریں اور ہر ایک کے لیے ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ'' کہیں۔

توجہ طلب اُمور:

یہاں بعض امور کی طرف توجہ مبذول کروانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

① یہاں کسی خاص ہیئت کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ادب ومحبت سے آئیں اور صلوٰۃ وسلام کریں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں جو لکھا ہے کہ ''آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے سامنے کھڑا ہو...۔ (احیاء علوم الدین: ١/ ٢٣٢) اس ہیئت کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (مناسك الحج والعمرة، ص: ٦٢) اور یہاں نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا اور سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔ (التحقیق والایضاح، ص: ٦٨، بحواله فتح الباري)

② وہاں کے لیے کوئی مخصوص دُعا وسلام ثابت نہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین (١/٢٣٢، ٢٣٣) میں جو دو تین صفحات پر مشتمل صلوۃ و

سلام اور دُعا وسلام ذکر کیے ہیں وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ۔

وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے جو ثابت ہے وہ صرف یہ ہے:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه "

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلامتی ہو۔''

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَكْرٍ" ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلامتی ہو۔''

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَتَاهُ" ''اے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔''

وہ اتنا کہتے اور چل دیتے تھے۔ (۱۴۸) (بحواله التحقيق والايضاح، ص: ٦٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس اثر کے پیش نظر اگر کوئی شخص یہ کہہ لے تو مضائقہ نہیں:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ "

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔''

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَكْرٍ" ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلامتی ہو۔''

---

(۱۴۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو مالک (۱/ ۱۶۶) "قصر الصلوة في السفر" عبدالرزاق (۶۷۲۴) ابن ابی شیبہ (۳/ ۳۴۱) بیہقی (۵/ ۲۴۵) اور قاضی اسماعیل نے "فضل الصلوة على النبي صلی اللہ علیہ وسلم" (ص: ۹۸، ۹۹، ۱۰۰) میں روایت کیا ہے۔ یہ اثر ابن عمر سے صحیح ثابت ہے۔

تنبیہ: قاضی اسماعیل کی ایک روایت (دیکھیں: ۱۰۱) میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ابن عمر سلام کہنے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے مگر یہ اضافہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں دو راوی متکلّم فیہ ہیں۔ نیز دوسرے ثقہ راویوں نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا۔ واضح رہے کہ صحابہ میں سے یہ فعل صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہی تھا؛ ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق'' میں عبیداللہ بن عمر (یہ (۱۹۰)

" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ " ''اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلامتی ہو۔''

(مناسك الحج والعمرة، ص: ٦٢)

(۳) حجرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیواروں اور جالیوں کو چُھونا، انھیں چومنا اور اس کا طواف کرنا جائز نہیں۔ بعض لوگ تو جالیوں یا دیواروں کو چُھونے کے بعد پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ اور سینے پر ملتے ہیں اور آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معیار شرعی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔ بالفاظِ دیگر درآمدہ ہے کیونکہ خود امام غزالی رحمہ اللہ نے اس چوما چاٹی پر نکیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اِنَّهٗ عَادَةُ النَّصَارىٰ وَالْيَهُوْدِ'' (یہ یہود ونصاریٰ کی عادت ہے)

(احياء علوم الدين: ١/ ٢٤٤ بحواله المناسك، ص: ٦٢)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ٢٦/ ٩٧)

امام نووی اور ابن قدامہ نے بھی ان امور کو ناجائز ہی لکھا ہے۔

(شرح المهذب للنووي والمغني لابن قدامه: ٣/ ٥٠٠)

اور تو اور ان امور کو بجا لانے میں پیش پیش لوگوں کے پیشوا، بریلوی مکتبِ فکر کے بانی احمد رضا خان بریلوی نے بھی ان امور کو منع قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ "أنوار البشارات في مسائل الحج والزيارات" (ص: ۲۹) پر لکھتے ہیں:

''خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے اور ہاتھ لگانے سے بچو کیونکہ یہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔''

اور آگے (ص: ۴۷) لکھتے ہیں:

''روضۂ انور کا نہ طواف کرو، نہ سجدہ، نہ اتنا جھکو کہ رکوع کے برابر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت ہے۔''

---

(190) تابعین کے طبقہ صغریٰ سے ہیں) فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ابن عمر کے علاوہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔

اور احکام شریعت حصہ سوم میں لکھتے ہیں:

''بلاشبہ غیرِ کعبہ معظّمہ کا طوافِ تعظیمی ناجائز ہے اور غیرِ خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔''

(بحواله تعليمات شاه أحمد رضا خان بريلوي، ص: ۱۹، از مولانا محمد حنيف يزداني رحمه الله، طبع مكتبه نذيريه، لاهور)

اسی طرح مقتدر علماء و محقّقینِ احناف (دیوبندی مکتبِ فکر) نے بھی مذکورہ امور کو ناجائز گردانا ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرح مناسک الحج'' میں لکھتے ہیں:

" لَا يَطُوْفُ أَيْ لَا يَدُوْرُ حَوْلَ الْبُقْعَةِ الشَّرِيْفَةِ لِاَنَّ الطَّوَافَ مِنْ مُخْتَصَّاتِ الْكَعْبَةِ الْمُنِيْفَةِ فَيَحْرُمُ حَوْلَ قُبُوْرِالْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ، وَلَا عِبْرَةَ بِمَا يَفْعَلُهُ الْجَهَلَةُ، وَلَوْكَانُوْا فِيْ صُوْرَةِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ "

''(نبی ﷺ کی قبرِ مقدّس کے) بقعۂ شریفہ کے گرد طواف نہ کیا جائے کیونکہ یہ طواف صرف کعبہ شریف کا ہی خاصہ ہے۔ پس انبیاء واولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ اور اُن جاہلوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو کہ بظاہر مشائخ وعلماء ہی نظر آتے ہیں۔ (اور ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں)۔''

ایسے ہی معراج الدرایۃ (ص:۱۲۴) اور عینی شرح ہدایہ (۲/ ۱۳۶) پر مذکور ہے:

" لَوْطَافَ حَوْلَ مَسْجِدٍ سِوَىٰ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ يُخْشَىٰ عَلَيْهِ الْكُفْرُ"

''اگر کعبہ شریف کے سوا کسی مسجد کا بھی طواف کرلیا تو اس میں کفر کا خطرہ ہے۔''

شرح عین العلم میں علامہ قاری لکھتے ہیں:

" لَا يُمَسُّ اَيُ الْقَبْرُ، وَلَا التَّابُوْتُ وَلَا الْجِدَارُ، فَوَرَدَ النَّهْيُ

عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ بِقَبْرِهٖ عَلَيْهِ السَّلَام فَكَيْفَ بِقُبُوْرِ سَائِرِالْاَنامِ، وَلَا يُقَبَّلُ، فَاِنَّهٗ زِيَادَةٌ عَلَى الْمَسِّ فَهُوَ اَوْلٰى، فَالتَّقْبِيْلُ مُخْتَصٌّ بِالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ"

''کسی قبر، تابوت اور دیوار کو نہ چُھوا جائے کیونکہ ان کاموں کی ممانعت تو قبرِ نبوی ﷺ کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہے تو پھر دوسرے لوگوں کی قبروں کے لیے یہ کیسے جائز ہوں گے؟ اور نہ کسی قبر کو بوسہ دیا جائے کیونکہ یہ تو چُھونے سے بھی زیادہ برا ہے۔ بوسہ دینا تو صرف حجرِ اسود کے ساتھ خاص ہے۔''

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ جو تقریباً ہر مکتبۂ فکر کے ہاں بڑی محبت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں، بالخصوص فاضل بریلوی نے موصوف کو اپنی تصنیفات میں بڑے اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے اور انھیں ''شیخِ محقّق'' کا خطاب دیا ہے۔ انھوں نے تاریخ وفضائلِ مدینہ کے موضوع پر اپنی کتاب "جذب القلوب إلىٰ دار المحبوب" (ص: ۱۷۱ تا ۱۷۲، مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور) میں لکھا ہے:

''از سجود وتمریغِ وجہ بتراب واستلام وتقبیلِ شباک شریف وامثال آنکہ در شرع رخصت نکردہ اند ودر نظر ظاہر بیناں از قبیل ادب نماید، اجتناب بلکہ بہ یقین داند کہ حقیقتِ ادب در رعایتِ اتباع و امتثالِ امر آنحضرت ست۔ و ہر چہ نہ ازین باب است توہم و باطل است''

''(آپ ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوکر) سجدہ نہ کرے اور اپنا منہ خاک پر نہ مَلے اور جالی شریف کو نہ چومے۔ اور جو ایسے خلافِ شرع امور ہیں ان سے اجتناب کرے۔ اگرچہ وہ ظاہر بینوں کی نظر میں ادب کی قبیل سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس بات کا یقین رکھے کہ حقیقتِ

ادب آپ ﷺ کی اتباع و فرمانبرداری میں ہے اور جو اس باب سے نہیں وہ توہّم و باطل ہے۔''

(بحواله تعليمات شاه احمد رضا خان بريلوى ص: ١٥، ١٧، ١٨، ١٩)

④ صلوٰۃ وسلام کے وقت یہاں زیادہ دیر تک رُکے رہنا اور بھیڑ کا سبب بننا جس کے نتیجے میں شور پیدا ہو، یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ ادب گاہِ عالَم ہے جہاں آوازوں کو پست رکھنا ضروری ہے۔قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ [الحجرات: ٢]

''نبی کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا مت کرو۔''

اس ارشادِ الٰہی پر آپ ﷺ کی موت وحیات ہر دوشکلوں میں ہی عمل کریں کیونکہ اس میں احترامِ رسالت پنہاں ہے۔ (التحقيق والايضاح لابن باز، ص: ٦٧)

⑤ جب صلوۃ وسلام سے فارغ ہوجائیں تو ''قبلہ رو ہوکر'' اللہ تعالیٰ سے دین ودنیا کی بھلائیوں کی دعائیں مانگیں۔

بعض لوگ جوشِ محبت میں ہوش کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور مذکورہ بالا ناجائز امور کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ دعا مانگتے وقت بھی قبلہ رو ہونے کی بجائے قبرِشریف کی طرف ہی منہ کیے رہتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ دعا قبلہ رو ہوکر ہونی چاہیے۔

(حوالۂ سابقه)

ایسے امور کو بدعات کہا جاتا ہے اور سفرِ حج وعمرہ پر روانگی سے لے کر واپسی تک سے تعلق رکھنے والی بدعات کی فہرست خاصی طویل ہے حتیٰ کہ علاّمہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مناسک الحج والعمرۃ میں ایسی ایک سو چھہتر (١٧٦) بدعات ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی راقم الحروف نے کیا تھا جو کئی سال ہوگئے شائع بھی ہو چکا ہے۔ كَتَبَهُ اللّٰهُ فِيْ حَسَنَاتِيْ.

بدعات کی مذمت تو نبی اکرم ﷺ نے ویسے ہی بہت کی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و ائمہ عظام رحمہم اللہ اور بعد کے علماء نے بھی ان کی سخت مذمت کی ہے۔ اگر ایسے افعال کا ارتکاب خاص مدینۃ الرسول ﷺ میں کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ انتہائی خوف ناک انجام کا سبب بن سکتا ہے، جس کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا مُحْدَثاً اَوْ اٰوىٰ مُحْدِثاً، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلا عَدْلٌ »(۳۷۹)

''جس نے اس (مدینہ منورہ) میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اس سے اس کی کوئی توبہ و فدیہ یا فرضی و نفلی عبادت قبول نہ کی جائے گی۔''

4 مسجدِ قباء:

مدینۃ الرسول ﷺ میں قیام کے دوران مسجدِ قباء میں کسی وقت دو رکعتیں بھی پڑھ لیں کیونکہ سنن ترمذی و نسائی و ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهٖ، ثُمَّ أَتَىٰ مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلّٰى فِيْهِ صَلٰوةً كَانَ لَهٗ كَأَجرِ عُمْرَةٍ »(۳۸۰)

---

(۳۷۹) یہ حدیث علی سے مروی ہے اور اس کے شروع میں « اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ » کے الفاظ بھی ہیں۔ اس کو بخاری (۱۸۷۰) ''فضائل المدینۃ'' مسلم (۹/۱۴۳) ''الحج'' ابو داود (۲۰۳۴) ''الحج'' ترمذی (۲۱۲۷) ''الولاء والهبة باب، ماجاء فيمن تولى غير مواليه...'' بیہقی (۵/ ۱۹۶) طیالسی (۲/۲۰۳) احمد (۱/ ۸۱، ۱۲۶، ۱۵۱) ابویعلی (۲۶۳، ۲۹۶) ابونعیم نے ''الإمامة والخلافة'' (۱۸۸) میں اور اللالکائی نے ''شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة'' (۱۸۹) میں روایت کیا ہے۔

(۳۸۰) ان الفاظ سے یہ حدیث سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کو نسائی (۲/ ۳۷) (190)

''جو شخص گھر سے وضو کر کے آئے اور مسجد قبا میں نماز (دو رکعتیں) ادا کرے اسے ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((كَانَ النَّبيُّ ﷺ يَزُوْرُ قُبَـاءَ رَاكِباً وَمَاشِياً(وزاد في رواية:) فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ))[381]

---

[190] ''المساجد'' ابن ماجہ (۱۴۱۲) "إقامة الصلوة" احمد (۳/ ۴۸۷) اور ابوسعید الجندی نے ''فضائل المدینۃ'' (۵۷) میں روایت کیا ہے مگر مذکورہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ اس حدیث کی سند تو ضعیف ہے مگر یہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں اسید بن حضیر، ابن عمر، سہل بن سعد اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں:

۱۔ حدیثِ اسید کو ترمذی (۳۲۴) ابن ماجہ (۱۴۱۱) حاکم (۱/ ۴۸۷) بیہقی (۵/ ۲۴۸) ابن ابی شیبہ (۲/ ۳۷۳،۱۲/ ۱۲۰) ابویعلی (۷۱۷۲) اور بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۲/ ۴۷) میں روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابن حبان (۱۰۳۸) اور عقیلی (۱/ ۹۸، ۲۲۰، ۲۲۱) نے روایت کیا ہے اور اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

۳،۴۔ حدیثِ سہل بن سعد اور ابوسعید کو ابن سعد نے ''الطبقات'' (۱/۲۴۴) میں روایت کیا ہے۔

تنبیہ: سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور اس طریق سے اس روایت کو ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۴۶۹) میں اور عقیلی (۴/ ۴۵۰) نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ طریق یوسف بن طہمان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے جبکہ اسی طریق سے اس حدیث کو بخاری نے بھی ''التاریخ الکبیر'' (۸/ ۳۷۹) میں روایت کیا ہے مگر اس میں چار رَکعت کی صراحت نہیں ہے مگر اس حدیث کے دوسرے طرق اور مذکورہ دیگر احادیث کی طرح مطلق نماز کا ذکر ہے۔

[381] اس حدیث کو مسلم (۹/ ۱۶۹، ۱۷۰) ابو داود (۲۰۴۰) اور بیہقی (۵/ ۲۴۸) نے روایت کیا ہے اور بخاری (۱۱۹۵) نے ((فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ)) ان الفاظ کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ ان الفاظ کے بغیر یہ حدیث بخاری، اسی طرح نسائی (۲/ ۳۷) وغیرہ میں موصولاً مروی ہے۔

''نبی ﷺ قباء کی زیارت کے لیے کبھی پیدل اور کبھی سوار ہوکر جایا کرتے تھے (اور ایک روایت میں ہے:) وہاں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔''

5 بقیع الغرقد:

قیامِ مدینہ کے دوران مسجدِ نبوی ﷺ میں پنجگانہ نمازِ باجماعت کی پابندی کریں اور مسجدِ نبوی ﷺ کے ساتھ ہی جنت البقیع ہے۔ اس کی زیارت کے لیے جائیں تو صحیح مسلم میں مذکور یہ دعا اہلِ بقیع کے لیے کریں:

((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ، وَاٰتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَداً مُؤَجَّلُوْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِأَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ)) (۳۸۲)

''اے مومن لوگو! تم پرسلامتی ہو اور تمھیں وہ مل گیا ہے جس کا تم سے وعدہ تھا اور جب اللہ نے چاہا ہم بھی تم سے آملیں گے۔ اے اللہ! بقیع الغرقد کے آسودگان کی مغفرت فرما۔''

اور صحیح مسلم کی ہی دوسری روایت میں ہے:

((اَلسَّلَامُ عَلٰی أَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ)) (۳۸۳)

''اے اس شہرِ خاموشاں کے مومن ومسلمان باسیو! تم پر سلامتی ہو۔

(۳۸۲) یہ دعا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اس کو مسلم (۷/ ۴۱) ''الجنائز'' نسائی نے ''السنن'' (۴/ ۹۴) ''الجنائز'' اور "عمل الیوم واللیلۃ" (۱۰۹۲) میں، ابن السنی (۵۹۷) اور بیہقی (۵/ ۲۴۹) نے روایت کیا ہے۔

(۳۸۳) یہ دعا بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہی ہے اس کو بھی مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے چلے جانے اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم فرمائے اوران شاء اللہ ہم بھی آپ سے ضرور ملیں گے۔‘‘

اس دعا کے آخری الفاظ ﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ﴾ چھوڑ کر مذکورہ دونوں صیغوں پر مشتمل یا کوئی ایک دعا وسلام شہداء اُحد پر بھی پڑھیں۔ اور چاہیں تو عام قبرستانوں میں پڑھی جانے والی یہ دعا کرلیں جو کہ مسلم شریف میں مذکورہ سابقہ دونوں دعاؤں کے آگے ہی درج ہے:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ، أَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ﴾ (۲۴۳)

’’اے شہرِ خاموشاں کے مومن ومسلمان باشندو! تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ (تم سے) آ ملیں گیا۔ ہم اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔‘‘

دیگر تاریخی یادگاریں:

مذکورہ مقامات اور زیارتوں کے علاوہ مدینہ طیبہ اور اس کے گردونواح میں کتنی ہی تاریخی یادگاریں ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں بھی ایسے ہی مقامات موجود ہیں۔ جن کی شرعی نقطۂ نظر سے تو نہیں البتہ تاریخی نقطۂ نظر سے زیارت کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی جائیں وہیں دو رکعتیں ضرور ہی پڑھیں کیونکہ یہ التزام قطعاً ثابت نہیں ہے اور جہاں جو کچھ ثابت ہے وہ ہم نے ذکر کردیا ہے۔

قیامِ مدینہ طیبہ:

حرمین شریفین روئے زمین پر دو ایسے مقامات ہیں کہ جہاں رہتے ہوئے کسی

(۲۴۳) یہ دعا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کو بھی مسلم، نسائی اور ابن ماجہ (۱۵۴۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مسلمان کا کبھی بھی جی نہیں بھرتا کیونکہ وہاں قلب ونظر کی آبیاری اور روح وایمان کی بالیدگی کے سامان موجود ہیں۔ایک حرم (حرمِ مکی) میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور دوسرے حرم (حرمِ مدنی) میں ایک نماز کا ثواب صحیح حدیث کی رو سے ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے، لہٰذا حج سے پہلے یا بعد میں زیارتِ مدینہ طیبہ سے فارغ ہوکر زیادہ سے زیادہ وقت مکہ مکرمہ میں صرف کرنا اجروثواب میں زیادتی کا باعث ہے کیونکہ حرمِ مکی میں پڑھی گئی ایک نماز کا ثواب حرمِ مدنی سے سو گُنا زیادہ ہے مگر بعض حجاجِ کرام مکہ مکرمہ میں کم رہیں یا زیادہ، مدینہ طیبہ میں کم از کم آٹھ دن رُکنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں پوری کرسکیں۔

چالیس نمازیں؟

مدینہ طیبہ میں آٹھ دن قیام کرکے چالیس نمازیں مسجدِ نبوی ﷺ میں ادا کرنے کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ شاید وہ حج کا ایک لازمی حصہ ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حرمین شریفین میں جتنا بھی رکا جائے سعادت ہے، جتنی فرصت اور گنجائش ہو وہاں اتنا وقت گزارا جاسکتا ہے (اگرچہ جلد وطن واپسی مستحب ہے جیسا کہ تھوڑا آگے چل کر ہم بادلائل ذکر کررہے ہیں) لیکن حرمِ نبوی ﷺ میں آٹھ دن کا قیام اور مسجدِ نبوی ﷺ میں چالیس نمازوں کا التزام حج کا حصہ ہرگز نہیں ہے البتہ مسنداحمد اور معجم طبرانی اوسط کی ایک ضعیف روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں بلا انقطاع، مسلسل چالیس نمازیں پڑھنے والے کی جہنم اور نفاق سے براءت اور عذاب سے نجات ہوجاتی ہے۔[۳۸۵]

---

[۳۸۵] اس حدیث کو احمد (۳/ ۱۵۵) عبداللہ بن احمد نے ''زوائدالمسند'' (۳/ ۱۵۵) میں اور طبرانی نے ''الاوسط'' میں (جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' میں ہے) روایت کیا ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کو بیان کرنے والا نبیط بن عمرو ہے جو مجہول ہے۔اسی علّت کی بنا پر شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں: "السلسلة الضعيفة" (۳۶۴)

غالبًا اِسی روایت کے پیشِ نظر اکثر حجاج مدینہ شریف میں آٹھ دن قیام کرنے پر مصرّ ہوتے ہیں۔

اولاً: یہ روایت ہی صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للألباني: ١/ ٣٦٦) بعض اہلِ علم نے اس روایت کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ جس سے اس روایت کے قوی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد (۴/ ۸) میں کہا ہے کہ اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مسجدِ حرام کے ایک فاضل مدرس شیخ المعصومی نے المشاهدات المعصومية (ص۲۰) میں اس کی توثیق کی ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ نے الترغیب (۲/ ۱۳۶) میں اس کی تصحیح کی ہے اور دورِ حاضر کے معروف عالم سید سابق نے فقہ السنہ (۲/ ۱۱۲) میں اسے امام احمد وطبرانی کی طرف منسوب کرکے اس کی سند کو صحیح کہا ہے لیکن یہ سب تسامحات ہیں کیونکہ اس روایت کا ایک راوی نبیط بن عمرو ہے جس سے امام بخاری ومسلم حتیٰ کہ اصحاب سنن نے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ اس راوی کو امام ابن حبان کا ثقہ قرار دینا بھی ان کے معروف اصول "توثيق المجهولين" کے تحت ہے جسے دیگر محدثین کرام نے قبول نہیں کیا۔ علاوہ ازیں کسی محدث کا کسی حدیث کے بارے میں "رجاله ثقات" یا "رجاله رجال الصحيح" کہہ دینا بھی اس کے صحیح السند ہونے کیلئے کافی نہیں ہوتا کیونکہ رواۃ کے ثقہ اور صحیح کے رواۃ ہونے کے باوجود اس کی سند میں انقطاع اور ارسال کا خدشہ باقی رہتا ہے۔

(للتفصيل: الضعيفة: ١/ ٣٦٦، تمام المنة في التعليق علىٰ فقه السنه لسيد سابق مؤلفه الشيخ الألباني مقدمه، فائده نمبر: ٤، ٥، ٦، ص: ١٩-٢٧، ماهنامه محدّث لاهور جلد: ١٩ شماره: ٦ بابت جمادیٰ الثانية ١٤٠٩هـ بمطابق جنوري ١٩٨٩ء ص: ٧- ٢٧ مقاله شيخ غازی عزير)

ثانیاً: اگر علیٰ وجہ التنزّ ل مشار الیہ حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس سے یہ مفہوم تو ہرگز نہیں لیا جاسکتا ہے کہ یہ آٹھ روزہ قیامِ مدینہ فرض یا واجب ہے اور نہ ہی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حج کا کوئی رکن یا حصہ ہے لہٰذا جیسا بھی موقع ملے اور جتنی کچھ گنجائش نکلے اسی کے مطابق اس قیام کو کم وبیش کیا جا سکتا ہے اور اس سے حج پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ثالثاً: رہا معاملہ جہنم کے عذاب اور نفاق سے براءت حاصل کرنے کے جذبے کا تو یہ عین اسلامی ہے اور ہر مسلمان میں ہر جگہ رہتے ہوئے ہونا چاہیے اور اس کا حصول اس مشار الیہ حدیث سے بدرجہا قوی حدیث کی رُو سے عام حالات میں حتیٰ کہ اپنے وطن اور گھر میں رہتے ہوئے بھی ممکن ہے۔ ع

کوئی راہ روِ منزل تو ہو!

چنانچہ ترمذی شریف میں مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے:

((مَنْ صَلّٰی لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ، يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى، كُتِبَتْ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ)) [۲۶۹]

''جس نے چالیس دن تمام نمازیں باجماعت تکبیرِ اول کے وقت مل کر ادا کیں اس کے لیے دو چیزوں: نارِ جہنم اور نفاق، سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔''

اس حدیث کے متعدد طُرق ذکر کرنے کے بعد محدثِ عصر علاّمہ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

---

[۲۶۹] ترمذی (۲۴۱) اسی طرح اس حدیث کو ابن ماجہ (۷۹۸) ابن عدی (۲/ ۸۱۰، ۳/ ۸۹۱) دولابی نے ''الکنی'' (۲/ ۵۰) میں، بحشل الواسطی نے ''تاریخ واسط'' (۶۲، ۶۵، ۶۶) میں اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۷/ ۹۶، ۱۴/ ۲۸۸، ۲۸۹) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بعض راویوں نے اس کو مرفوع اور بعض نے انس رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بھی بیان کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

”فَهٰذِهِ الطُّرُقُ وَاِنْ كَانَتْ مُفْرَدَاتُهَا لا تَخْلُو مِنْ عِلَّةٍ فَمَجْمُوعُهَا يَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّ لَهٗ اَصلاً...“ (الصحيحة: ٤/ ٦٢٨، ٦٣١)

’’مذکورہ طُرق میں سے اگرچہ انفرادی طور پر ہر طریق میں ہی (ضُعف کی) کوئی نہ کوئی علّت وسبب موجود ہے مگر یہ مجموعی طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔‘‘

یہ تشویش کیوں؟

بعض لوگ جب چالیس نمازیں باجماعت ادا کرنے کے دوران کسی وجہ سے کبھی کسی نماز کی جماعت سے رہ جائیں تو یہ بات ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے اور اس پریشانی وتشویش کو دور کرنے کے لیے اب اگر وہ نئے سرے سے چالیس نمازیں پوری کرنا چاہیں تو وقت نہیں ہوتا، لہٰذا ان کی ذہنی کوفت باقی ہی رہتی ہے۔ حالانکہ سابقہ تفصیل کے پیشِ نظر اس تشویش کی ضرورت نہیں بلکہ جتنی نمازیں پڑھ سکیں انھیں غنیمت سمجھیں اور اللہ کا شکر ادا کریں مگر اتنی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ چالیس کا یہ عدد صحیح احادیث سے وہاں کے لیے ثابت ہی نہیں، نہ یہ حج کا رکن یا حصہ ہے اور نہ ہی ائمہ اربعہ اور فقہاء ومحدّثینِ کرام رحمہم اللہ میں سے کسی نے وہاں چالیس نمازیں پوری کرنے کو فرض یا واجب کہا ہے۔

دورانِ حج تجارت ومزدوری:

عوامی حلقوں میں یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ جو شخص دورانِ حج تجارت یا کوئی مزدوری کرے اس کا حج ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے بارے میں عجیب وغریب باتیں بنائیں جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کی نیت پر شک کیا جاتا ہے کہ یہ گیا ہی کمائی کرنے کے لیے تھا۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی شریعتِ اسلامیہ کا حکم واضح کر دیا جائے کہ یہ جائز ہے یا ممنوع؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مناسکِ حج بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

[البقرة: ۱۸۹]

''(اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے رب کا فضل (رزق) بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی ایک قراءت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ذکر کی ہے کہ اس میں "فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ" کے الفاظ بھی ہیں جو ترجمۂ آیت کو واضح کردیتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کا پسِ منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں نے موسمِ حج میں تجارت ومزدوری کو اصل اور مستقل مقصود بنا لیا ہوا تھا۔ منیٰ میں بازار لگتے، نمائشیں قائم ہوتیں اور مارکیٹنگ کی گرما گرمی ہوتی تھی۔ اسلام نے جب حج میں ملائی ہوئی جاہلانہ رسوم کو مٹایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ شاید تجارت ومزدوری بھی مکمل طور پر ممنوع ہوگئی، تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ شروع میں لوگ حج کے دوران منیٰ وعرفات میں لگنے والے بازاروں (عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز) میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ پھر وہ احرام کی حالت میں خرید وفروخت کرنے سے ڈر گئے (کہ کہیں یہ گناہ نہ ہو) اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری۔ [۳۸۷]

---

[۳۸۷] بخاری (۱۷۷۰) اسی طرح اس کو بیہقی (۴/۳۳۳) اور الواحدی نے ''اسباب النزول'' (۳۸) میں عمرو بن دینار کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ابو داود (۱۷۳۱، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵) ابن خزیمہ (۳۰۵۴) حاکم (۱/ ۴۴۹، ۴۸۱، ۴۸۲) اور بیہقی (۴/۳۳۴) نے اس کو دوسرے واسطوں سے بھی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت اس حدیث کے علاوہ حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بعض دیگر تفسیری روایات بھی ذکر کی ہیں جو ابن جریر، مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ہیں؛ جن سے دورانِ حج تجارت ومزدوری کے جائز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸۵، اردو)

جوازِ تجارت پر سورۂ حج کی آیت (۳۸) سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں ارشاد ہے:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ [الحج: ۳۸]

''تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو ان کے لیے (یہاں رکھے) ہیں۔''

معروف مصری فاضل سید سابق نے بھی فقہ السنہ میں مذکورہ سابقہ حدیث کے علاوہ سنن ابو داود، بیہقی، دارقطنی اور سنن سعید بن منصور کی احادیث نقل کی ہیں جو دورانِ حج تجارت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ (فقه السنة: ۱/ ٦٤١)

بذل المجہود شرح ابی داود (مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ) کے حواشی میں امام ابن قدامہ سے نقل کرتے ہوئے معروف حنفی عالم اور مصنفِ ''تبلیغی نصاب'' (نیا نام ''فضائلِ اعمال'') مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اس پر امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ حج کے دوران کسبِ معاش کے لیے صنعت وتجارت یا مزدوری کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

(بذل المجهود: ۸/ ۳۰۹)

الغرض اللہ تعالیٰ نے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ فرما کر کہ ''تم پر کوئی گناہ نہیں'' اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔ (فقه السنه ۱/ ٦٤١۔حاشیه۔ جدید فقهی مسائل از مولانا خالد سیف رحمانی، ص: ۱۳۰ طبع حیدر آباد۔ انڈیا)

ہاں! اگر مقصد بنائے بغیر ضمنی طور پر ہو تو اجازت ہے۔ غرض کہ اس کا مدار

نیت پر ہے۔ تجارت و مزدوری کو مقصود بنالینا اور اس میں اس قدر مصروف ہوجانا کہ حرم شریف کی عبادتوں اور وہاں کی برکتوں سے فائدہ اٹھانے میں خلل واقع ہو۔ یہ مناسب نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ وہاں سے غیرقانونی طور پر سامان لایا جائے، یا کسٹم میں دھوکہ دیا جائے۔ اس طرح حج اور حجاج کی حرمت واحترام متاثر ہوتے ہیں اور بذاتِ خود بھی یہ انداز درست نہیں۔ البتہ ایسی غیر قانونی چیزوں کے علاوہ کچھ خرید وفروخت کرلے تو جائز ہے۔ (جدید فقہی مسائل، ص: ۱۳۰، ۱۳۱)

یہ صورتیں بھی پاک وہند یا دوسرے ممالک سے آنے والے لوگوں کی نسبت ہیں جبکہ خلیجی ممالک اور مکہ مدینہ کی مارکیٹ تقریباً ایک ہی ہے اور اگر بعض اشیاء میں کوئی معمولی سا فرق ہو بھی تو وہ حرمین شریفین کی عبادتوں اور اس کے فضائل وبرکات کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

عام تحائف اور مقدس ہدیے:

اب رہا اپنے اہل وعیال اور اعزّاء واقارب کے لیے ہدیے اور تحائف خرید کر لانے کا معاملہ تو جہاں تجارت ومزدوری جائز ہے وہاں یہ کیونکر ناجائز ہوں گے؟ لیکن سوچنا یہ چاہیے کہ سرزمینِ حجاز اور حرمین شریفین کے اصل تحائف اور مقدس ہدیے کیا ہیں؟

آپ کپڑوں اور گھڑیوں وغیرہ کے تحفے خریدیں یا مصلّے (جانماز) اور تسبیحات، یہ سب چیزیں تو غیر ملکی مصنوعات ہیں جنھیں تاجر حضرات لاتے، منگواتے اور بیچتے ہیں اور دل کے خوش کرنے کو اتنا ضرور ہوجاتا ہے کہ ہم یہ تحائف مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ سے لائے ہیں۔ یہ اشیاء بھی لائیں تو ساتھ ہی دو تحائف لانا ہرگز نہ بھولیں اور وافر مقدار میں لائیں جو انمول تحائف اور مقدس ہدیے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے پسندیدہ بھی ہیں جن میں سے ایک مکہ مکرمہ سے اور دوسرا مدینہ منورہ سے عام ملتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے ملنے والا مقدس ہدیہ تو آبِ زمزم ہے جس کے فضائل وبرکات

کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے بعض ارشادات ''طواف'' کے ضمن میں ذکر کیے جا چکے ہیں جبکہ مدینہ منورہ کا مقدس ہدیہ و گراں مایہ تحفہ ''عجوہ'' نامی کھجور ہے جس کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

《مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتِ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ》[۳۸۸]

''جس نے صبح کے وقت عجوہ کھجور کے سات دانے کھا لیے، اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

اور مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

《اِنَّ فِيْ عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءٌ وَاِنَّهَا تِرْيَاقٌ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ》[۳۸۹]

''عوالی مدینہ کی عجوہ کھجور میں شفاء ہے اور اس کا علی الصبح کھانا زہر کا تریاق ہے۔''

جبکہ سنن ترمذی ونسائی و ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

[۳۸۸] یہ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو بخاری (۵۴۴۵، ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹) ''الاطعمة والطب'' مسلم (۱۴/ ۲) ''الاشربۃ'' اسی طرح ابو داود (۳۸۷۶) ''الطب'' ابن ابی شیبہ (۶/ ۳۶، دارالتاج) احمد (۱/ ۱۶۸، ۱۷۷) ابو یعلی (۷۱۷، ۷۸۶، ۷۸۷) حمیدی (۷۰) عبد بن حمید نے ''المنتخب من المسند'' (۱۴۵) میں، احمد الدورقی نے ''مسند سعد'' (۲۸، ۳۷) میں اور ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۳/ ۱۰۶) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جیسا کہ اگلی حدیث (۳۸۳) میں آ رہا ہے۔

[۳۸۹] اس کو مسلم (۱۴/ ۳) اسی طرح ابن ابی شیبہ (۵/ ۳۷۔ دارالتاج) اور احمد (۶/ ۱۰۵۔ ۱۵۲) نے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۴/ ۲۸) میں طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۱۹) میں اور خطیب بغدادی نے ''الموضح'' (۱/ ۱۱۵) میں اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری سند سے، حدیثِ سعد سے ملتے جلتے الفاظ سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے۔

«اَلْعَجْوَةُ مِنَ الجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ»[390]

[390] یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے ترمذی (٢٠٦٨) ''الطب'' نسائی نے ''سنن کبری'' میں جیسا کہ ''تحفۃ الاشراف'' (٢/ ١٨٩) میں ہے۔ ابن ماجہ (٣٤٥٥) ''الطب'' دارمی (٢/ ٣٣٨) ''الرقائق'' احمد (٢/ ٣٠١، ٣٠٥، ٣٥٦، ٣٥٧، ٣٨٨، ٤٢١، ٤٩٠، ٥١١) اور ابویعلی (٦٤٠٧) نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابوبشر جعفر بن ایاس نے اس کو ابو ہریرہ کی بجائے ابوسعید خدری اور جابر سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''ابن ماجہ'' (٣٤٥٣) جبکہ ایک جماعت: مطرالوراق، قتادۃ، عباد بن منصور، جعفر بن ابی وحشیۃ، عقبۃ الاصم اور خالد الحذاء نے ابو ہریرہ کہا ہے۔

بعض روایات میں جعفر بن ایاس نے بھی ان کی طرح اس حدیث کو ابوہریرۃ سے ہی روایت کیا ہے: ملاحظہ ہو: ''مسند طیالسی'' (١/ ٣٤٥) ''مسند احمد'' (٢/ ٣٠١، ٤٨٨) اور ''مسند ابویعلی'' (٦٣٩٨) اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ حدیث ابوہریرہ سے ہے۔ مزی نے بھی ''تحفۃ الاشراف'' (٢/ ١٨٩، ١٠/ ١١٢، ١١٣) میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ''مصباح الزجاجۃ'' (١٢٠٢) بھی دیکھیں۔

اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہیں اور یہ مختلف فیہ ہیں مگر یہ حدیث اپنی دوسری سند اور شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ابن ابی شیبہ (٥/ ٣٦) نے اس کو ابوہریرہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس میں عباد بن منصور ہے، حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کو ''صدوق'' کہا ہے جبکہ ذہبی نے ''الکاشف'' میں اسے ضعیف کہا ہے مگر یہ اپنی دونوں سندوں کی بنا پر حسن درجہ کی ہے اور درج ذیل شواہد کی تائید سے صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ اور بریدۃ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں:

١۔ رافع بن عمرو کی حدیث کو احمد (٣/ ٤٢٦، ٥/ ١٦، ٦٥) ابن ماجہ (٣٤٥٦) طبرانی نے "المعجم الکبیر" (٥/ ١٨/ ٤٤٥٦، ٤٤٥٧) میں اور حاکم (٤/ ١٢٠، ٢٠٣) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ حاکم، ذہبی اور بوصیری نے ''مصباح الزجاجۃ'' (١٢٠٣) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

''عجوہ جنت سے ہے اور یہ زہر کے لیے شفاء ہے۔''

علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زادالمعاد کے باب "الطب النبوي" میں لکھا ہے کہ ''عجوۃ'' سے مراد مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور ہے جو حجازی کھجوروں میں سے سب سے عمدہ اور مفید ترین ہے اور پھر آگے چل کر اس کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ (دیکھیے: زاد المعاد: ۴/ ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۴۱ یا اس کا اردو ترجمہ ''طبِ نبوی'' از حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی لیکچرار جامعہ طبیہ، طبع الدار السّلفیہ بمبئی)

جلد واپسی کا مستحب ہونا:

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ حرمین شریفین میں قیام سے تو کبھی بھی جی نہیں بھرتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ حج وعمرہ کے مناسک مکمل ہوجانے کے بعد اپنے گھروں کو جلد لوٹ جانا مستحب ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ایک عام ہدایت پر مشتمل ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ، فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلِ الرُّجُوْعَ اِلٰى اَهْلِهٖ» (۳۹۱)

---

(۱۹۰) ۲۔ بریدہ کی حدیث کو احمد (۵/ ۳۴۶، ۳۵۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ''صالح بن حیان القرشی'' کی وجہ سے ضعیف ہے۔

زہیر بن معاویہ نے ''صالح بن حیان'' کی بجائے اس کو ''واصل بن حیان'' کہا ہے اور یہ ان سے غلطی ہوئی ہے جیسا کہ کبار ائمہ نے صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: "تهذيب الكمال" (۱۳/ ۳۳، ۳۴) اور "تهذيب التهذيب" (۴/ ۳۳۸)

(۳۹۱) اس حدیث کو مالک (۲/ ۹۸۰) "الاستئذان" نے سمی سے اور انھوں نے ابوصالح کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام مالک کے طریق سے اس کو بخاری (۴/ ۱۸۰) ''العمرۃ'' مسلم (۱۳/ ۷۰) ''الامارۃ'' ابن ماجہ (۲۸۸۲) ''الحج'' دارمی (۳/ ۲۸۶) ''الاستئذان'' بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۲۵۹) اور ''الآداب'' (۸۲۰) میں، (۱۹۰)

''سفر بھی عذاب کا ایک حصہ ہے کیونکہ یہ تمھیں (وقت پر اور مناسبِ حال) کھانے پینے سے روکتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص اپنا کام پورا کر لے تو جلد اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ آئے۔''

اور سنن دارقطنی میں تو خاص حج کے بارے میں بھی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« اِذَا قَضىٰ اَحَدُكُم حَجَّهٗ فَلیَتَعَجَّلُ اِلَىٰ اَهلِهٖ، فَاِنَّهٗ اَعظَمُ لِأَجرِهٖ »(۳۹۲)

(۳۹۱) احمد (۲/ ۲۳۶، ۴۴۵) طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۱/ ۲۲۰) میں، ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۲/ ۲۵۱) میں، ابن جمیع نے "معجم الشیوخ" (۲۲۵) میں، سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۹۴) میں اور قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (۲۲۵) میں روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق (۹۲۵۵) نے سہیل بن ابی صالح اور ابن جمیع (۲۴۸) نے صفوان بن سلیم کے واسطے سے بھی اس کو ابوصالح عن ابی ہریرۃ روایت کیا ہے۔

ابن عدی (۴/ ۱۴۴۶) اور ابو الشیخ نے اس حدیث کو دوسری سندوں سے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر ابو الشیخ کی سند ضعیف اور ابن عدی کی سند سخت ضعیف ہے۔ نیز یہ حدیث ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے:

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ابن عدی (۶/ ۲۱۶۷) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں محمد بن عبدالمالک ہے، ابن عدی نے اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو طبرانی نے "المعجم الصغیر" (۱/ ۲۲۰) میں روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

(۳۹۲) اس حدیث کو دارقطنی (۲/ ۳۰۰) اسی طرح حاکم (۱/ ۴۷۷) اور بیہقی (۵/ ۲۵۹) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ امام حاکم نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر اس کی سند ان کی شرط پر نہیں ہے۔

’’تم میں سے جب کوئی شخص مناسکِ حج پورے کرلے تو اسے جلد اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے اس کے لیے یہی زیادہ اجر کا باعث ہے۔‘‘

جبکہ صحیح بخاری و مسلم میں جلد واپس لوٹ جانے کے بارے میں دنوں کی تعیین و حد بندی بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((يُقِيمُ الْمُهَاجِرُ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ ثَلَاثاً)) ۳۹۳

’’مہاجر (باہر سے آنے والا آفاقی حاجی) مناسکِ حج مکمل کر لینے کے بعد صرف تین دن قیام کرے۔‘‘

ان تینوں احادیث سے اہلِ علم نے مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد جلد واپس وطن لوٹ جانے کے استحباب کی دلیل اخذ کی ہے لیکن اگر کوئی تین دن سے زیادہ رکتا ہے تو منع بھی نہیں ہے۔

واپسی کے آداب:

اگر آپ حج سے پہلے ہی مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہوگئے تھے اور مکہ مکرمہ سے ہی واپس وطن لوٹ رہے ہیں تو ’’طوافِ وداع‘‘ میں ذکر کیے گئے آداب کو اختیار کریں اور روانہ ہوجائیں اور اگر حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آئے تھے تو یہاں مسجدِ نبوی ﷺ سے بھی الٹے پاؤں نکلنا مشروع وثابت نہیں ہے بلکہ حسبِ معمول سیدھے ہی نکل آئیں اور جب مسجد سے باہر اپنا بایاں پاؤں پہلے رکھیں تو صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور یہ دعا پڑھیں:

---

۳۹۳ بخاری (۳۹۳۳) ’’مناقب الانصار‘‘ مسلم (۹/ ۱۲۱) ’’الحج‘‘ اسی طرح اس حدیث کو ترمذی (۹۴۹) ’’الحج‘‘ بیہقی (۳/ ۱۴۷) عبدالرزاق (۸۸۴۲، ۸۸۴۳) احمد (۴/ ۳۳۹، ۵/ ۵۲) حمیدی (۸۴۴) اور خطیب بغدادی نے ’’تاریخ بغداد‘‘ (۶/ ۲۶۷، ۲۷۰) میں العلاء بن الحضرمی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ مگر مذکورہ الفاظ مسلم اور ترمذی وغیرہ کے ہیں۔

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ)) (۳۹۴)

''اے اللہ! میں تیرے فضل وکرم کا طلب گار ہوں۔''

مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت کس راستے سے نکلنا ہے؟ اس کا کوئی ذکر وارد نہیں ہوا، اپنے مناسبِ حال کسی بھی راستے سے نکلیں اور واپسی کے وقت سفر اور سواری کی دعائیں کریں جنھیں ہم آغازِ کتاب میں ''آدابِ سفر'' کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔

راستے میں قیام، شہروں کو دیکھنے اور دیگر مواقع کی دعائیں کرتے آئیں اور جب اپنا شہر نظر آجائے تو صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں مذکور یہ دعا کریں:

((آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) (۳۹۵)

''ہم تو تائب ہوکر سجدہ وعبادت گزاری کا عہد کرکے لوٹ آئے ہیں اور اپنے رب کی تعریفیں کرتے ہیں۔''

جب اپنے شہر، قصبہ یا گاؤں پہنچیں تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی مسجد میں جائیں اور دو رکعت نماز ادا کریں کیونکہ ابو داود میں مذکور ایک حدیث کی رُو سے یہ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ (۳۹۶)

اور پھر جب اپنے گھر آئیں تو گھر میں داخل ہوتے ہی ابوداود میں مذکور یہ دعا کریں:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ

---

(۳۹۴) اس حدیث کی تخریج (۱۴۶) میں دیکھیں۔

(۳۹۵) یہ دعا عبداللہ بن عمر اور انس کی حدیث میں ہے:

۱۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بخاری (۱۷۹۷، ۳۰۸۴) ''الحج والجہاد'' اور مسلم (۹/ ۱۱۱، ۱۱۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بھی بخاری (۳۰۸۵، ۳۰۸۶) اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔

(۳۹۶) یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اس بارے میں دیگر احادیث بھی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے نمبر (۴۶) دیکھیں۔

وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا »[397]

''اے اللہ! میں تجھ سے داخل ہونے اور نکلنے کی جگہوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ تیرا نام لے کر ہم یہاں سے نکلے تھے اور اے ہمارے معبود و پروردگار! تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے۔''

اس کے بعد گھر والوں کو سلام کہیں اور اہلِ خانہ سے ملیں۔ آپ کا یہ مبارک سفرِ حج وعمرہ مکمل ہوگیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.

اللہ تعالیٰ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کو شرفِ حج وعمرہ سے نوازے۔ آمین

قارئینِ کرام! اس کے ساتھ ہی زیادہ باریکیوں اور تفصیلات سے قطع نظر مگر بادلیل و باحوالہ انداز سے اور ضروری و اہم امور کے اعتبار سے، حج وعمرہ اور زیارتِ مدینہ کے فضائل ومسائل اور احکام وآداب کا یہ سلسلہ بھی مکمل ہوگیا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.

تمام قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مؤلف ومخرّج، ان کے والدین، بیوی بچوں اور معاونین کے لیے بھی ثوابِ دارین اور خیر و برکت کی دعائیں کرنا نہ بھولیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ الخبر
وداعیہ متعاون مراکز دعوت وارشاد
الخبر، الظہران، الدمام (سعودی عرب)

---

[397] اس حدیث کو ابوداود نے (۵۰۹۶) ''الادب'' میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

مصادر ومراجع تالیف

[الف]

۱۔ قرآن کریم

۲۔ اردو تراجم قرآن (متعدد)

۳۔ اشرف الحواشی (فوائد سلفیہ) مولانا محمد عبدہ الفلاح، طبع و نشر شیخ محمد اشرف رحمہ اللہ، لاہور۔

۴۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی، طبع جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض سعودیہ۔

۵۔ احیاء علوم الدین، امام غزالی، طبع عالم الکتب بیروت

۶۔ ارشاد السالک الیٰ احکام المناسک (مترجم اردو) تالیف شیخ احمد بن حجر آل بوطامی۔

[ب]

۷۔ بدائع الفوائد لابن القیم، طبع دار الکتاب، بیروت

۸۔ بذل المجہود شرح ابی داود، تالیف مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حاشیہ مولانا محمد زکریا سہارنپوری، مطبوع علی نفقۃ سمو الشیخ خلیفہ بن زاید آل نہیان ولی عہد امارات ابوظہبی۔

۹۔ بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی (ترتیب وشرح مسند احمد) شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا،

طبع دارالشہاب، قاہرہ۔

۱۰۔ بلوغ المرام مع سبل السلام، حافظ ابن حجر عسقلانی، طبع بیروت۔

[ت]

۱۱۔ تفسیر القرآن العظیم، امام ابن کثیر، طبع حلبی، مصر۔

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر مترجم اردو، طبع مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔

۱۳۔ تیسیر العلی العزیز باختصار تفسیر ابن الکثیر، علامہ محمد نسیب الرفاعی طبع بیروت۔

۱۴۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، طبع مدنی۔

۱۵۔ الترغیب والترہیب امام منذری، بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، طبع اول مصر۔

۱۶۔ التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر عسقلانی، طبع جامعہ سلفیہ، فیصل آباد۔

۱۷۔ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، طبع دارالمحاسن، قاہرہ۔

۱۸۔ تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنہ لسید سابق تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی طبع دارالرایہ الریاض، سعودی عرب

۱۹۔ تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، علامہ محمد ناصر الدین البانی، طبع جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت۔

۲۰۔ التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرۃ والزیارۃ علامہ عبدالعزیز بن باز، طبع دارالافتاء بیسواں ایڈیشن۔

۲۱۔ تنبیہات علی ان جدۃ لیست میقاتا، شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید (سابق رئیس امور حرمین شریفین و چیف جسٹس سپریم کونسل، سعودی عرب)۔

۲۲۔ تعلیمات شاہ احمد رضاخاں بریلوی تالیف مولانا محمد حنیف یزدانی، طبع مکتبہ نذیریہ، لاہور۔

[ج]

۲۳۔ الجامع الصغیر، امام سیوطی، طبع بیروت ۔
۲۴۔ الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی، طبع مصر۔
۲۵۔ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، طبع مجلس تحقیقات اسلامی حیدرآباد انڈیا۔

[ح]

۲۶۔ الحجاب والسفور سماحۃ الشیخ ابن باز ومعہ مجموعۃ رسائل لنخبۃ من العلماء بما فیہ ''اللباب فی فرضیۃ النقاب'' للشیخ فرید الہنداوی، بتحقیق المکتب السّلفی بتحقیق التراث طبع مکتبہ السنۃ القاھرہ ودار ابن زیدون بیروت ۔
۲۷۔ حجۃ النبی ﷺ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی، طبع المکتب الاسلامی، بیروت۔

[ر]

۲۸۔ روح المعانی (تفسیر) علامہ آلوسی، طبع درالاحیاء التراث، بیروت۔
۲۹۔ الروضۃ الندیۃ شرح الدرالبھیۃ للشوکانی، تالیف علامہ نواب صدیق حسن خان والی بھوپال، طبع دارالمعرفہ، بیروت ۔

[ز]

۳۰۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ﷺ، علامہ ابن القیم، بتحقیق شیخ ارناؤوط، طبع حکومت قطر۔

[س]

۳۱۔ سنن ابی داود مع عون المعبود، طبع مدنی ۔
۳۲۔ سنن ابی داود۔ بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید۔ طبع مکتبہ الریاض الحدیثہ

۳۳۔سنن الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۔طبع مدنی ۔
۳۴۔سنن الترمذی بتحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان ،طبع دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ۔
۳۵۔سنن ابن ماجہ ، بترقیم محمد فواد عبدالباقی ،طبع دارالفکر ، بیروت ۔
۳۶۔سنن الدارقطنی مع التعلیق المغنی ،طبع دارالمحاسن ،قاہرہ ۔
۳۷۔سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ، شیخ محمد ناصرالدین البانی،طبع المکتب الاسلامی، بیروت۔
۳۸۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ،شیخ محمد ناصر الدین البانی ۔طبع المکتب الاسلامی، بیروت ۔
۳۹۔سبل السلام شرح بلوغ المرام ، علامہ یمانی امیر صنعانی ، بیروت

[ش]

۴۰۔ شرح صحیح مسلم ، امام نووی ،طبع دارالفکر ، بیروت۔
۴۱۔ شرح السنۃ بغوی بتحقیق شیخ ارناؤوط،طبع اول المکتب الاسلامی، بیروت۔
۴۲۔ الشرح الصغیر للدردیر ،طبع دار المعارف ، مصر،علی نفقۃ سمو الشیخ زاید بن سلطان آل نہیان صدر متحدہ عرب امارات۔

[ص]

۴۳۔صحیح البخاری مع فتح الباری ،طبع دار الافتاء سعودی عرب ۔
۴۴۔ صحیح البخاری بتحقیق الدکتور بغا ،طبع مؤسسۃ علوم القرآن ، عجمان متحدہ عرب امارات ۔
۴۵۔ صحیح مسلم مع شرح النووی ،طبع دارالفکر ، بیروت ۔
۴۶۔ صحیح مسلم بترقیم محمد فواد عبدالباقی ،طبع داراحیاء التراث العربی ، بیروت ۔
۴۷۔ صحیح ابن خزیمۃ بتحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی ،طبع الریاض ،سعودیہ۔

۴۸۔ صحیح الجامع الصغیر، علامہ محمد ناصر الدین البانی ،طبع المکتب الاسلامی ، بیروت ۔
۴۹۔ صحیح الاذکار،شیخ ابوعبیدہ عبدالعزیز الماجد،ابوظہبی ۔
۵۰۔ صحیح الکلم الطیب لابن تیمیہ تالیف شیخ محمد ناصر الدین البانی ، طبع المکتب الاسلامی بیروت۔
۵۱۔ صلوٰۃ الرسول ﷺ تالیف مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی ،طبع اول بتخریج وتعلیق حافظ عبدالرؤف مقیم الذید، شارجہ ۔

[غ]

۵۲۔ غایۃ المرام بتخریج احادیث الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی ، تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی طبع المکتب الاسلامی ، بیروت ۔

[ف]

۵۳۔فتح الباری شرح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر عسقلانی،طبع درالافتاء،سعودی عرب۔
۵۴۔الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد) شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا ،طبع دارالشہاب،قاہرہ
۵۵۔الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ، علامہ جزیری ،طبع بیروت۔

[ک]

۵۶۔ الکلم الطیب ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، بتحقیق علامہ ناصر الدین البانی۔

[ل]

۵۷۔ لسان العرب لابن المنظور الافریقی، طبع بیروت (طبع المکتب الاسلامی، بیروت)

[م]

۵۸۔ مختصر صحیح بخاری ،علامہ محمد ناصر الدین البانی ،طبع المکتب الاسلامی، بیروت۔
۵۹۔مختصر صحیح مسلم ،امام منذری، بتحقیق علامہ محمد ناصر الدین البانی، طبع حکومت کویت۔
۶۰۔منتقی الاخبار مع نیل الاوطار، المجد ابن تیمیہ،طبع بیروت ۔

٦١۔ مشکوٰۃ المصابیح خطیب تبریزی بتحقیق علامہ محمد ناصر الدین البانی ، طبع المکتب الاسلامی ، بیروت ۔

٦٢۔مشکوٰۃ المصابیح مع مرعاۃ المفاتیح ،طبع مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل شیخوپورہ ۔

٦٣۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ،علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری ، طبع مکتبہ اثریہ،سانگلہ ہل ،شیخوپورہ

٦٤۔ مجمع الزوائد منبع الفوائد، علامہ ہیثمی ،طبع مؤسسۃ المعارف ، بیروت ۔

٦٥۔ المحلی لابن حزم بتحقیق احمد شاکر ،طبع المکتب التجاری ، بیروت ۔

٦٦۔ مناسک الحج والعمرۃ والزیارۃ،محمد ناصرالدین البانی،طبع المکتب الاسلامی، بیروت، وجمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت ۔

٦٧۔ مناسک الحج والعمرۃ از شیخ البانی ، اردو ترجمہ از مولف کتاب ''سوئے حرم''

٦٨۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ،طبع الدارالسّلفیہ، بمبئی ۔

٦٩۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ،محمد فواد عبدالباقی ،طبع بیروت۔

٧٠۔ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث الشریف ،تعریب محمد فواد عبدالباقی ۔تالیف مستشرق اے ای ونسنگ ورفقاء طبع لیدن ۔

٧١۔ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ،طبع حکومت سعودی عرب ۔

٧٢۔ المغنی لابن قدامہ بتحقیق پروفیسر محمد خلیل ہراس ،طبع مصر۔

٧٣۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار، تخریج احیاء علوم الدین للعراقی ،طبع عالم الکتب، بیروت۔

[ن]

٧٤۔نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ،امام شوکانی ،طبع مصر وطبع بیروت۔

جرائد ومجلّات

۱۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور

۲۔ ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور

۳۔ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' لاہور

۴۔ ہفت روزہ اشاعت ''الاربعاء'' مع روزنامہ ''المدینۃ'' مدینہ منورہ

۵۔ ہفت روزہ ''الاصلاح'' دبئ

۶۔ پندرہ روزہ جریدہ ''ترجمان'' دہلی

۷۔ ماہنامہ ''آثار'' مئو ناتھ بھنجن، یوپی انڈیا

۸۔ ماہنامہ ''الاقتصاد الاسلامی'' دبئ اسلامک بنک، دبئ۔

۹۔ ماہنامہ ''الضیاء'' اوقاف دبئ

۱۰۔ روزنامہ ''الجزیرۃ'' الریاض، سعودی عرب۔

مصادر و مراجع التخريج

١ـ الآداب للبيهقی،تحقيق السعيد المندوه۔

٢ـ الاحكام في أصول الأحكام لابن حزم تقديم الدكتور احسان عباس۔

٣ـ أخبار مكة للأزرقی تحقيق رشدى الصالح ۔

٤ـ أخبار مكة للفاكهی تحقيق عبدالملك بن عبدالله بن دهيش

٥ـ أخلاق النبیﷺ لأبی الشيخ تحقيق الدكتور السيد الجميلی ۔

٦ـ الأدب المفرد للبخاری تحقيق يوسف كمال الحوت ۔

٧ـ الأربعون للبكری تحقيق محمد محفوظ ۔

٨ـ الأذكار لنووی ۔ داراحياء التراث العربی ۔

٩ـ الأربعون للنووی مع شرح ابن رجب ۔

١٠ـ إرواء الغليل للألبانی ۔

١١ـ أسباب النزول للواحدی –دارالفكر ۔

١٢ـ الاصابة فی تمييز الصحابة لابن حجر مع الاستيعاب ۔

١٣ـ الأم للشافعی ۔

١٤ـ الأوسط لابن المنذر تحقيق الدكتور ابی حماد صغير احمد ۔

١٥ـ الايمان لابن منده تحقيق الدكتور علی بن محمد الفقهی۔

١٦ـ الايمان لابن عبيد تحقيق الألبانی ۔

١٧ـ تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ـ

١٨ـ تاریخ جرجان للسهمی تحقیق الدکتور محمد عبدالمعید ـ

١٩ـ تاریخ دمشق لابن عساکرـ

٢٠ـ التاریخ الکبیر للبخاری ـ

٢١ـ تاریخ واسط لمسلم بن سهل الواسطی المعروف بجشل تحقیق کورکیس عوادـ

٢٢ـ تثبیت الامامة وترتیب الخلافة لأبی نعیم تحقیق ابراهیم علی القامی ـ

٢٣ـ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للمزی تحقیق عبدالصمد شرف الدین ـ

٢٤ـ تحقیق ریاض الصالحین لشعیب الأرناؤوطـ

٢٥ـ تحقیق شرح السنة له أیضاً ـ

٢٦ـ تحقیق المشکاة للألبانی ـ

٢٧ـ الترغیب والترهیب للمنذری تحقیق مصطفیٰ عماره ـ

٢٨ـ تعجیل المنفعة لابن حجر ـ

٢٩ـ تفسیر ابن جریر ـ

٣٠ـ تفسیر ابن کثیر، دارالمعرفة ـ

٣١ـ تقریب التهذیب لابن حجر تحقیق عبدالوهاب عبداللطیف ـ

٣٢ـ التقیید والایضاح شرح مقدمة ابن الصلاح للعراقی ـ

٣٣ـ تلخیص الحبیرلابن حجر تعلیق الیمانی ـ

٣٤ـ تلخیص المستدرک للذهبی مع المستدرک ـ

٣٥ـ التمهید لابن عبدالبرعدة محققین ـ

٣٦ـ تنبیه المسلم الی تعدی الألبانی علی صحیح مسلم لمحمود سعید ممدوحـ

٣٧۔ تهذيب التهذيب لابن حجر، دارالفكر ۔

٣٨۔ تهذيب الكمال للمزى تحقيق الدكتور بشارعواد ۔

٣٩۔ الثقات لابن حبان ۔

٤٠۔ الجرح والتعديل لابن ابى حاتم ۔

٤١۔ الحاوى للفتاوى للسيوطى ۔

٤٢۔ حلية الأولياء لأبى نعيم ۔

٤٣۔ الدرارى المضية شرح الدرر البهية للشوكانى ۔

٤٤۔ الدراية فى تخريج الهداية لابن حجر ۔

٤٥۔ الدعاء للطبرانى تحقيق الدكتور محمد سعيد البخارى ۔

٤٦۔ دلائل النبوة لأبى نعيم ۔

٤٧۔ ذيل تاريخ بغداد لابن النجار ۔

٤٨۔ الرحلة فى طلب الحديث للخطيب البغدادي تحقيق نورالدين عتر۔

٤٩۔ رياض الصالحين للنووى تحقيق شعيب ۔

٥٠۔ الزهدالكبير للبيهقى تحقيق عامراحمدحيدر۔

٥١۔ زوائد الزهد لعبدالله بن احمد بن حنبل ۔

٥٢۔ سبل السلام تحقيق محمد عبدالعزيز الخولى ۔

٥٣۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة للألبانى ۔

٥٤۔ سنن ابن ماجه تحقيق فواد عبدالباقى ۔

٥٥۔ سنن أبي داود تحقيق محمد محي الدين ۔

٥٦۔ سنن البيهقى مع الجوهرالنقى ۔

٥٧۔ سنن الترمذى تحقيق احمد محمد شاكر ۔

٥٨۔ سنن الدار قطنی مع التعلیق المغنی ۔

٥٩۔ سنن الدارمی، دارالکتب العلمیة ۔

٦٠۔ سنن سعید بن منصور تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی ۔

٦١۔ السنن المأثورة للشافعی تحقیق الدکتور عبدالمعطی ۔

٦٢۔ سنن النسائی مع حاشیة السیوطی والسندي۔

٦٣۔ شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالکائی، تحقیق الدکتور أحمد سعد۔

٦٤۔ شرح السنة للبغوی تحقیق شعیب ۔

٦٥۔ شرح معانی الآثار للطحاوی ۔

٦٦۔ الشریعة للآجری تحقیق محمد حامد الفقی ۔

٦٧۔ شعب الایمان للبیهقي، الدار السلفیة بالهند ۔

٦٨۔ صحیح ابن حبان (الاحسان)تحقیق شعیب الأرناؤوط۔

٦٩۔ صحیح ابن خزیمة تحقیق الدکتور مصطفیٰ الأعظمی ۔

٧٠۔ صحیح ابی عوانة ۔

٧١۔ صحیح البخاری مع فتح الباری –دارالمعرفة ۔

٧٢۔ صحیح مسلم مع شرح النووی ۔

٧٣۔ الصمت وآداب اللسان لابن ابی الدنیا،تحقیق نجم عبدالرحمن۔

٧٤۔ الضعفاء الکبیر للعقیلی تحقیق الدکتور عبدالمعطی ۔

٧٥۔ الطبقات الکبری لابن سعد ۔

٧٦۔ طبقات المحدثین لأبی الشیخ تحقیق الدکتور عبدالغفار وسید کسروی.

٧٧۔ علل الحدیث لابن ابی حاتم ۔

۷۸۔ عمل الیوم واللیلة لابن السنی، تحقیق عبدالقادر أحمد عطاء۔
۷۹۔ عمل الیوم واللیلة للنسائی تحقیق الدکتور فاروق حماده ۔
۸۰۔ فتح الباری لابن حجر دارالمعرفة ۔
۸۱۔ فتح القدیر شرح الهدایة لابن الهمام ،دارالفکر ۔
۸۲۔ الربانیة علی الأذکار النواویة لابن علان ۔
۸۳۔ الفردوس لشیرویه بن شهر دارالدیلمی تحقیق فواز أحمد ومحمد المعتصم بالله
۸٤۔ فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل تحقیق وصي اللّٰه بن محمد عباس۔
۸۵۔ فضائل المدینة لمفضل بن محمد الجندی تحقیق محمد مطیع وغزوه بدیر۔
۸٦۔ فضل الصلاة علی النبی ﷺ لاسماعیل بن اسحاق القاضی تحقیق الألبانی۔
۸۷۔ القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابی تحقیق مجدی السید ابراهیم.
۸۸۔ الکاشف للذهبی ۔
۸۹۔ الکامل لابن عدی تحقیق لجنة من المختصین ۔
۹۰۔ کشف الأستار عن زوائد البزار للهیثمي تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی.
۹۱۔ الکنی والأسماء للدولابی ۔
۹۲۔ المجروحین لابن حبان تحقیق محمودابراهیم ۔
۹۳۔ مجمع الزوائد للهیثمی مؤسسة المعارف۔
۹٤۔ المجموع شرح المهذب للنووی، دارالفکر ۔
۹۵۔ المحلی لابن حزم تحقیق لجنة احیاء التراث العربی ۔

٩٦ـ مختصر سنن ابی داود للمنذری مع تهذیب السنن ـ

٩٧ـ المدخل لابن الحاج۔

٩٨ـ المستدرك للحاكم۔

٩٩ـ مسند احمد عمرلمحمد بن إبراهيم الطرسوسی تحقيق احمد راتب عرموش.

١٠٠ـ مسند ابی بكر الصديق لأبی بكر أحمد بن علی المروزی۔

١٠١ـ مسند أبی يعلی تحقيق حسين سليم اسد۔

١٠٢ـ مسند أحمد بن حنبل ـ

١٠٣ـ مسند الحميدي تحقيق حبيب الرحمن الأعظمی ـ

١٠٤ـ مسند سعد بن أبي وقاص لأحمد بن ابراهيم الدورقی ـتحقيق عامر حسن صبری۔

١٠٥ـ مسند الشافعی دارالكتب العلمية ـ

١٠٦ـ مسند الشهاب للقضاعی تحقيق حمدی عبدالمجيد السافی ـ

١٠٧ـ مسند الطيالسی ترتيب البنا ـ

١٠٨ـ شرح معاني الآثار للطحاوي۔

١٠٩ـ مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه للبوصيری تحقيق كمال يوسف الحوت ـ

١١٠ـ مصنف ابن أبي شيبة، الدار السلفية بالهند ـ

١١١ـ مصنف ابن أبي شيبة تحقيق كمال الحوت–دارالتاج بيروت۔

١١٢ـ مصنف عبدالرزاق تحقيق حبيب الرحمن الأعظمی ـ

١١٣ـ معالم السنن للخطابی ـ

١١٤ـ المعجم الاوسط للطبرانی تحقيق الدكتور محمد الطحان ـ

١١٥ـ معجم الشيوخ لابن جميع تحقيق الدكتور عمر عبدالسلام ـ

١١٦ـ معجم الشيوخ لأبي يعلى تحقيق حسين سليم اسد ـ

١١٧ـ المعجم الصغير للطبرانى ـ

١١٨ـ المعجم الكبير للطبرانى ايضا تحقيق حمدى عبدالمجيد السلفى ـ

١١٩ـ المغنى فى الضعفاء للذهبى تحقيق الدكتور نورالدين عتر ـ

١٢٠ـ مقدمة ابن الصلاح مع شرح العراقى ـ

١٢١ـ المنتخب من المسند لعبد بن حميد تحقيق صبحى بدرى ومحمود محمد خليل ـ

١٢٢ـ المنتقى لابن الجارود تحقيق لجنة من العلماء ـ

١٢٣ـ موارد الظمان الى زوائد ابن حبان للهيثمى ـ

١٢٤ـ الموضح للخطيب البغدادى ـ

١٢٥ـ الموطأ لمالك تحقيق فواد عبدالباقى ـ

١٢٦ـ ميزان الاعتدال للذهبى تحقيق على محمد البجاوى ـ

١٢٧ـ نيل الأوطار للشوكانى –مكتبة الدعوة الاسلامية الأزهرـ

حج اور عمرے کے احکام و مسائل پر اردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتاب اپنی بعض منفرد خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے:

① یہ کتاب قدرے تفصیلی ہے، ہر مسئلے کی دلیل بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

② احادیث کی صحت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور فاضل مصنف نے غیر صحیح اور ضعیف احادیث سے بالعموم اجتناب برتا ہے۔

③ جماعت کے معروف عالم جناب حافظ عبدالرؤف صاحب آف شارجہ نے کتاب میں درج تمام احادیث کی تخریج و تحقیق کر دی ہے۔

④ ہر بات باحوالہ اور مستند ہے۔

⑤ دورانِ حج پیش آنے والے مسائل و مشکلات کا استیعاب واستقصا۔ اگرچہ اس کا دعویٰ مصنف نے کیا ہے نہ ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں؛ ضروری نہیں کہ ان کا علم ہر مصنف کو ہو جائے۔ تاہم اس میں عام طور پر پیش آنے والے مسائل کا اپنی حد تک استقصا کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ جس میں فاضل مصنف خاصے کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فاضل مصنف حفظہ اللہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ بلاشبہ یہ کتاب عوام وخواص، بے علم اور اہلِ علم دونوں کے لیے یکساں ضروری اور مفید ہے۔

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Fattomand Gujranwala
0321-6466422 / 0333-8110896
www.umm-ul-qura.org